سیرتِ نبوی ﷺ کے دریچوں سے

www.KitaboSunnat.com

ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی

مکتبہ قاسم العلوم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام

محدث لائبریری

کتاب وسنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

معزز قارئین توجہ فرمائیں

- کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب ...عام قاری کے مطالعے کیلئے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق واجازت کے بعد (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کیلئے ان کتب کو ڈاؤن لوڈ (Download) کرنے کی اجازت ہے۔

تنبیہ

ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کیلئے استعمال کرنے کی ممانعت ہے

کیونکہ یہ شرعی، اخلاقی اور قانونی جرم ہے۔

اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں

PDF کتب کی ڈاؤن لوڈنگ، آن لائن مطالعہ اور دیگر شکایات کے لیے درج ذیل ای میل ایڈریس پر رابطہ فرمائیں۔

KitaboSunnat@gmail.com

www.KitaboSunnat.com

www.KitaboSunnat.com

سیرتِ نبوی ﷺ

کے دریچوں سے

ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی

www.KitaboSunnat.com

مکتبہ قاسم العلوم

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جملہ حقوق محفوظ ہیں

نام کتاب

سیرتِ نبوی ﷺ

کے دریچوں سے

مصنف

ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی

اہتمام ——— ملک اسد علی قاسمی

مطبع ——— گنج شکر پریس

ناشر ——— مکتبہ قاسم العلوم

ڈسٹری بیوٹرز

ملک اینڈ کمپنی

رحمان مارکیٹ، غزنی سٹریٹ، اردو بازار لاہور، پاکستان

042-37231119 , 0321-4021415

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

فہرست

پیش لفظ	۹
(۱) رسول اللہ ﷺ اپنے گھر میں	۱۳
نوافل کی ادائی	۱۴
نماز تہجد	۱۵
دعاؤں کا اہتمام	۱۷
گھر کے کاموں میں ہاتھ بٹانا	۱۹
بیوی بچوں کی دل داری	۲۰
اہل خانہ کی تربیت	۲۲
ملاقاتیوں کے حقوق	۲۴
ایک اشکال کا ازالہ	۲۶
(۲) رسول اللہ ﷺ کے زہد وقناعت کی ایک مثال اور اس پر اشکالات کا جائزہ	۲۹
پہلا اشکال	۳۱
دوسرا اشکال	۳۳
تیسرا اشکال	۳۴
چوتھا اشکال	۳۵
(۳) رسول اللہ ﷺ کا تبسم	۳۶
متعلقین اور اصحاب کے ساتھ لطف وکرم	۳۶

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ازواج مطہرات سے محبت اور خوش طبعی	۳۸
بچوں سے پیار	۳۹
ملاقاتیوں سے خندہ روئی کے ساتھ ملنا	۴۰
مجلسوں میں خوش طبعی	۴۱
اچانک ہنسی کے بعض واقعات	۴۲
کھلکھلا کر ہنسنا	۴۴
(۴) صفۂ مدینہ- سرچشمۂ علم و دانش	۴۷
صفہ کا محل وقوع	۴۸
صفہ کب تک موجود رہا؟	۵۲
اصحابِ صفہ کی تعداد	۵۳
قراء میں سے صرف چند ہی اصحاب صفہ میں سے تھے	۵۵
اصحاب صفہ کا فقر و درویشی	۵۹
دیگر صحابہ کے ذریعے اہل صفہ کی خبر گیری	۶۲
رسول اللہ ﷺ کی عنایتِ خاص	۶۵
رسول اللہ ﷺ کے ذریعے اصحابِ صفہ کی دل جوئی اور نفسیاتی تربیت	۶۷
اصحابِ صفہ کی تعلیم و تربیت کا نظم	۶۹
رسول اللہ ﷺ کے ذریعے تعلیم و تربیت	۷۰
اموال صدقہ کا حق صرف فقراء کا ہے	۷۲
اصحابِ صفہ اور اشاعتِ علم	۷۳
(۵) صفہ کا اسوہ	۷۵
۱- تعلیم گاہ	۷۶
۲- متعلمین و معلمین	۷۷

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۳-نصاب	۷۸
۴-مفت تعلیم	۷۹
۵-تربیت	۸۰
۶-کفالت	۸۲
۷-اموال صدقہ کا حق	۸۳
۸-ہمہ جہت خدمات	۸۴
حاصل بحث	۸۴
(۶) مناسکِ حج کی نبوی اصلاحات	۸۵
نسلی امتیازات پر مبنی مراسم کی اصلاح	۸۶
تقدس کے خود ساختہ معیارات کی اصلاح	۸۹
مہمل اعمال کی اصلاح	۹۲
مناسکِ حج میں اضافات	۹۴
مناسکِ حج کی ادائیگی کا عملی مظاہرہ	۹۶
تنظیم حج	۹۷
خلاصۂ بحث	۹۷
(۷) حلف الفضول	۹۹
اہمیت	۹۹
زمانہ	۱۰۱
سبب	۱۰۲
معاہدہ میں شریک قبائل اور نمایاں افراد	۱۰۲
آں حضرت ﷺ کی شرکت	۱۰۷
وجہ تسمیہ	۱۰۹
دفعات	۱۱۲

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اثرات	۱۱۴
خاتمہ	۱۱۶
عصری معنویت	۱۱۷
(۸) صلح حدیبیہ کی بعض شرائط کی منسوخی کا مسئلہ	۱۲۲
کیا صلح حدیبیہ کی بعض شرائط منسوخ کر دی گئی تھیں؟	۱۲۳
اس استنباط پر واقع ہونے والے اشکالات	۱۲۳
قدیم مفسرین و محدثین کی توجیہات	۱۲۵
عصر حاضر کے علماء کی تحقیقات	۱۲۶
بعض قدیم مفسرین کی صحیح توجیہ	۱۳۱
(۹) دہشت گردی کے حوالے سے بعض واقعاتِ سیرت کی تنقیح	۱۳۳
کعب بن اشرف اور ابورافع کا قتل	۱۳۴
بنونضیر کی جلاوطنی	۱۳۹
بنوقریظہ کا قتلِ عام	۱۴۲
(۱۰) عصر حاضر میں محروم و مظلوم طبقات کے مسائل اور سیرت نبوی	۱۴۵
عہد نبوی کا سماج	۱۴۷
رسول اللہ ﷺ نے کم زوروں کے حقوق بیان کیے	۱۴۷
مسکینوں اور محتاجوں کی مدد پر ابھارا	۱۴۹
مساوات کی تاکید و تلقین	۱۵۰
ظلم کی مذمت اور مظلوم کی حمایت و مدد	۱۵۱
ام المومنین کی گواہی	۱۵۲
حلف الفضول کی ستائش	۱۵۳
عہد حاضر کے مسائل کا حل سیرتِ نبوی کی پیروی میں ہے	۱۵۴

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

(۱۱) سیرت نگاری میں معجزات کا مقام	۱۵۵
سیرت نگاری کا سائنسی اسلوب	۱۵۵
سیرت نگاری کا روایتی اسلوب	۱۵۵
حجۃ اللہ البالغۃ کا مبحث سیرت	۱۵۶
تجزیہ	۱۵۷
(۱۲) سیرت نگاری کی تاریخ پر ایک نظر	۱۵۹
عربوں کے نزدیک تاریخ نویسی	۱۶۰
سیرت میں تالیف کا آغاز	۱۶۱
سیرت نگاری کے مختلف ادوار	۱۶۳
کتب میلاد کی تالیف	۱۶۵
سیرت نگاری تنقیدی نقطۂ نظر سے	۱۶۶
سیرت اور تاریخ کو جمع کرنے والے مؤلفین	۱۶۷
سیرت ابن اسحاق کی تالیف کا سبب	۱۶۷
سیرت ابن اسحاق میں ابن ہشام کا کام	۱۶۹
سہیلی اور دیگر شارحینِ سیرت ابن ہشام	۱۷۱
سیرت ابن اسحاق کی تلخیص کرنے والے	۱۷۱
سیرت ابن اسحاق کو منظوم کرنے والے	۱۷۲
ابن اسحاق	۱۷۳
ابن ہشام	۱۷۶
سہیلی	۱۷۸
ابوذر خشنی	۱۸۱

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

(۱۳) ابن نفیس کا رسالہ کاملیہ-تعارف و تجزیہ ۱۸۵
ابن نفیس-مختصر احوالِ زندگی ۱۸۵
علمی مقام و مرتبہ ۱۸۸
دوران خون روی کا محقق ۱۹۰
تصنیف و تالیف ۱۹۲
الرسالۃ الکاملیۃ فی السیرۃ النبویۃ ۱۹۶
مقصد تالیف ۱۹۷
دیگر ہم موضوع رسائل سے موازنہ ۱۹۸
مشتملات ۲۰۰
مختصر تجزیہ ۲۰۸

(۱۴) سیرت کی چند جدید مطبوعات کا تعارف ۲۱۱
۱-خطبات بہاول پور (ڈاکٹر محمد حمید اللہ) ۲۱۱
۲-خطبۂ حجۃ الوداع (ڈاکٹر نثار احمد) ۲۱۳
۳-رسول اکرمؐ اور خواتین (پروفیسر محمد یٰسین مظہر صدیقی) ۲۱۵
۴-سیرت خاتم النبیین (ڈاکٹر ماجد علی خاں) ۲۲۰
۵-شاہ ولی اللہؒ کا رسالہ سیرت (پروفیسر محمد یٰسین مظہر صدیقی) ۲۲۳
۶-عصر حاضر میں اسوۂ رسول کی معنویت (ڈاکٹر محمد سعود عالم قاسمی) ۲۲۴
۷-فرہنگ سیرت (مولانا سید فضل الرحمٰن) ۲۲۷
۸-مکی اسوۂ نبوی (پروفیسر محمد یٰسین مظہر صدیقی) ۲۲۹
۹-مکی عہد نبوی میں اسلامی احکام کا ارتقاء (پروفیسر محمد یٰسین مظہر صدیقی) ۲۳۱
۱۰-ناموسِ رسول (سکندر احمد کمال) ۲۳۴
۱۱-ہجرت مصطفیٰ (مولانا محمد علاؤالدین ندوی) ۲۳۷

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

پیش لفظ

خاتم النبیین حضرت محمد ﷺ کے بارے میں قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے یہ بشارت دی ہے: وَرَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَکَ الانشراح:۴ (اور ہم نے تمھاری خاطر تمھارا ذکر بلند کر دیا) یہ بشارت کس طرح پوری ہوئی اسے ہم بہ خوبی دیکھ اور محسوس کر سکتے ہیں۔ صدیوں سے دنیا کے کونے کونے میں آپ کا آوازہ بلند ہے، آپ کا ذکرِ عام ہے اور کیا اپنے، کیا پرائے، سب آپ کی شخصیت، پیغام، اخلاق و کردار، مشن اور اس کے اثرات کے بارے میں رطب اللسان ہیں۔ دنیا میں آپ کے علاوہ اور کوئی فرد ایسا نہیں گزرا جس پر دنیا کی مختلف زبانوں میں اور مختلف انداز سے اس قدر علمی کام ہوا ہو جتنا آپ کی ذات گرامی پر ہوا ہے۔

راقم سطور کی انتہائی سعادت ہے کہ اسے سیرتِ نبوی کے مختلف پہلوؤں پر مختلف اوقات میں چند مقالات تحریر کرنے کی توفیق ارزاں ہوئی۔ یہ مقالات ملک و بیرون ملک کے موقر علمی و تحقیقی مجلات میں شائع ہوئے اور اہلِ علم اور اصحاب ذوق کے حلقوں میں پسندیدگی کی نظر سے دیکھے گئے۔ ان کا ایک انتخاب زیرِ نظر کتاب کی صورت میں پیش کیا جا رہا ہے۔

اس مجموعہ کے ابتدائی دو مقالات، جو رسول اکرم ﷺ کی نجی زندگی سے تعلق رکھتے ہیں، ماہ نامہ زندگی نو نئی دہلی میں شائع ہوئے۔ تیسرے مقالے (رسول اللہ ﷺ کا تبسم) کا پس منظر یہ ہے کہ کچھ عرصہ قبل پاکستان کے ایک مجلہ میں ایک مضمون نظر سے گزرا، جس کا عنوان تھا: 'رسول اللہ ﷺ کا غصہ'۔ فوراً ذہن میں حیاتِ طیبہ کے دوسرے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

پہلو (تبسم وخوش طبعی) پر مضمون لکھنے کی تحریک پیدا ہوئی۔ یہ مقالہ پاکستان ہی کے مشہور ماہ نامہ ترجمان القرآن لاہور کی زینت بنا۔ صفۂ مدینہ کے موضوع پر دو مقالات ہیں۔ پہلا مقالہ آل انڈیا جمعیت اہل حدیث دہلی کے ایک سمینار میں پیش کیا گیا اور بعد میں سہ ماہی افکار عالیہ مئو میں شائع ہوا۔ دوسرا مقالہ جامعہ سید احمد شہید کٹولی ملیح آباد (لکھنؤ) کے ایک سمینار میں پیش کیا گیا اور ملک کے کئی مجلات میں اس کی اشاعت ہوئی۔ مقالہ 'مناسک حج کی نبوی اصلاحات' ایک آل انڈیا حج سمینار میں پیش کیا گیا اور بعد میں ماہ نامہ ترجمان القرآن لاہور میں شاملِ اشاعت ہوا۔ حلف الفضول کے زیر عنوان مقالہ شعبۂ اسلامک اسٹڈیز مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ کے ایک سمینار میں پیش کیا گیا اور ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی علی گڑھ کے ترجمان سہ ماہی تحقیقاتِ اسلامی میں شائع ہوا۔ 'صلح حدیبیہ کی شرائط' سے متعلق مقالہ تحقیقات اسلامی میں شائع شدہ ایک مقالہ پر بہ طور استدراک تحریر کیا گیا تھا۔ مقالہ 'دہشت گردی کے حوالے سے بعض واقعاتِ سیرت کی تنقیح' ماہ نامہ راہ اعتدال عمر آباد کے خصوصی شمارہ بہ عنوان 'دہشت گردی اور اسلام' اور مقالہ 'عصر حاضر میں خدوم ومظلوم طبقات کے مسائل اور سیرتِ نبوی' ماہ نامہ افکار ملی نئی دہلی کے خصوصی شمارہ بہ عنوان 'سیرت محمد ﷺ اور عصر حاضر' کے لیے لکھا گیا تھا۔ 'سیرت نگاری میں معجزات کا مقام' کے عنوان سے مقالہ شاہ ولی اللہ ریسرچ سیل، ادارۂ علوم اسلامیہ، مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ کے ایک سمینار میں پیش کیا گیا اور ماہ نامہ ندائے الصفا نئی دہلی میں شائع ہوا۔ سیرت نگاری کی تاریخ پر مقالہ کی اشاعت سہ ماہی تحقیقات اسلامی علی گڑھ میں ہوئی۔ مقالہ 'ابن نفیس کا رسالۂ کاملیہ' دار المصنفین شبلی اکیڈمی اعظم گڑھ کے سمینار بہ عنوان 'مصادر سیرت' میں پیش کیا گیا۔ آخر میں سیرتِ نبوی سے متعلق چند جدید مطبوعات کا تعارف شامل کر دیا گیا ہے۔ یہ تعارف وتبصرہ سہ ماہی تحقیقات اسلامی علی گڑھ اور ماہ نامہ الرشاد اعظم گڑھ کے مختلف شماروں میں شائع ہوا ہے۔

یہ مقالات جن موضوعات سے بحث کرتے ہیں، ان پر مواد سیرت کی کتابوں میں عموماً یکجا نہیں ملتا۔ راقم سطور نے کتب سیرت میں منتشر معلومات کو یکجا کر کے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جامع انداز سے پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔اس میں وہ کس حد تک کامیاب رہا ہے اس کا فیصلہ قارئین کریں گے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اس کتاب کا فائدہ عام کرے اور اس کے اجر سے نوازے۔وما توفیقی الا باللہ، علیہ أتوکل والیہ أنیب۔

۲۱ رمضان المبارک ۱۴۳۱ھ
یکم ستمبر ۲۰۱۰ء، (ایک بجے شب)

محمد رضی الاسلام ندوی

www.KitaboSunnat.com

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

رسول اللہ ﷺ اپنے گھر میں

رسولِ اکرم ﷺ کی حیاتِ طیبہ کا ایک امتیازی پہلو یہ بھی ہے کہ وہ پرائیویٹ اور پبلک، دو حصوں میں منقسم نہیں تھی۔ آپ جیسے گھر سے باہر نظر آتے تھے، ویسے ہی گھر کے اندر بھی تھے۔ آپ کی گھریلو اور بیرونی، دونوں زندگیوں میں حد درجہ مطابقت تھی۔ آپ کی نجی اور گھریلو زندگی ایک کھلی کتاب کے مثل تھی۔ آپؐ نے اسے نہ صرف یہ کہ کبھی چھپانے کی کوشش نہیں کی، بلکہ گھر والوں، خادموں اور قریبی لوگوں کو حکم دے رکھا تھا کہ وہ آپ کو جس حال میں بھی دیکھیں اور جو کچھ کرتے یا کہتے ہوئے پائیں اسے بغیر کسی ادنیٰ تامل کے دوسروں سے بیان کر سکتے ہیں۔

کسی بھی فرد کی اندرونِ خانہ زندگی اس کی شخصیت کی بہترین عکاس ہوتی ہے۔ بہت ممکن ہے کہ وہ باہر کی زندگی میں، جب وہ دوسرے انسانوں کے روبرو ہوتا ہے، تقدس کا لبادہ اوڑھ لیتا ہو اور اپنی اصل شخصیت سے مختلف صورت میں خود کو ظاہر کرتا ہو، لیکن وہ اپنے گھر والوں کو اندھیرے میں رکھنے میں ہرگز کامیاب نہیں ہو سکتا۔ کیوں کہ اس کی تمام خوبیاں اور خامیاں ان کی نگاہوں کے سامنے رہتی ہیں۔ اس لیے کسی فرد کی عظمت کو جانچنے اور پرکھنے کی بہترین کسوٹی اس کی اندرونِ خانہ مصروفیات ہیں۔ دیکھنا چاہیے کہ وہ دوسروں کو جس تقویٰ، دین داری اور پرہیز گاری کی تبلیغ کر رہا ہے اس پر وہ خود کتنا عمل کر رہا ہے اور اپنے بیوی بچوں سے کتنا عمل کروا رہا ہے؟ جس دین کی اقامت کا وہ علم بردار بنا ہوا ہے اس کو اپنے گھر میں کس حد تک قائم کرنے میں کامیاب ہو سکا ہے؟ جس سادگی و قناعت، ایثار و قربانی اور خلوص وللّٰہیت کے فضائل وہ دوسروں کے سامنے بیان کر رہا ہے اس کی جھلک اس کی اپنی گھریلو زندگی میں کس حد تک نظر آتی ہے؟

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اس کسوٹی پر ہم رسول اللہ ﷺ کی حیاتِ طیبہ کو پرکھیں تو وہ عظمت کے انتہائی اعلیٰ معیار پر نظر آتی ہے۔ بیویاں عموماً شوہروں کے رازوں کی امین ہوتی ہیں۔ وہ ان کی کم زوریوں کو چھپاتی اور کوتاہیوں پر پردہ ڈالتی ہیں، لیکن ازواجِ مطہرات کا حال یہ تھا کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کی اجازت سے آپ کی خلوت کے ایک ایک معاملہ کو محفوظ رکھا اور پوری سچائی اور امانت و دیانت کے ساتھ اسے امت تک منتقل کیا ہے۔ اس طرح آپ کی اندرونِ خانہ زندگی بھی اپنی تمام تفصیلات و جزئیات کے ساتھ ہمارے سامنے ہے۔ ہم جس طرح مستند معلومات کی روشنی میں یہ جانتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ گھر سے باہر جب صحابۂ کرامؓ کے ساتھ ہوتے تھے تو کیا سرگرمیاں انجام دیتے تھے؟ اسی طرح ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ جب آپ دوسرے انسانوں کی نگاہوں سے دور خلوت کدوں میں اپنی ازواجِ مطہرات اور بچوں کے درمیان ہوتے تھے تو آپ کا رہن سہن کس طرح کا ہوتا تھا؟ اور آپ کیا کرتے تھے؟ اس طرح ہم آپ کی جلوت کی زندگی کی طرح خلوت کی زندگی کو بھی اپنے لیے نمونہ بنا سکتے ہیں۔

نوافل کی ادائی

اللہ کے رسول ﷺ اندرونِ خانہ کثرت سے نوافل کا اہتمام فرماتے تھے۔ آپؐ یہ عمل دن کے مختلف اوقات میں انجام دیتے تھے۔ خاص طور پر رات کا بیش تر حصہ اسی میں گزارتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں:

> ''رسول اللہ ﷺ ظہر سے قبل دو رکعتیں اور ظہر کے بعد دو رکعتیں پڑھتے تھے۔ مغرب کے بعد دو رکعتیں اپنے گھر میں پڑھتے تھے۔ عشاء کے بعد دو رکعتیں پڑھتے تھے۔ جمعہ کی نماز کے بعد سیدھے گھر آتے تھے اور وہاں دو رکعتیں نماز پڑھتے تھے۔''[1]

حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا:

---

[1] بخاری، ۹۳۷، ۱۱۶۵، ۱۱۷۲، ۱۱۸۰، مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین، ۷۲۹

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اذا قضى احدكم صلاته فليجعل لبيته منها نصيباً فان الله جاعل في بيته من صلاته خيراً۔[1]

(تم میں سے کوئی شخص جب (فرض) نماز سے فارغ ہو جائے تو اپنے گھر میں بھی کچھ نماز پڑھا کرے۔ اللہ تعالیٰ گھر میں اس کے نماز ادا کرنے سے خیر و برکت کا معاملہ فرمائے گا۔)

حضرت عبداللہ بن سعدؓ بیان کرتے ہیں: ایک مرتبہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا: گھر میں نماز ادا کرنا افضل ہے یا مسجد میں؟ جواب میں آپؐ نے فرمایا:

''دیکھو، میرا گھر مسجد سے کتنا قریب ہے۔ پھر بھی فرض نمازوں کے علاوہ دوسری نمازیں مسجد کے بجائے گھر میں ادا کرنا مجھے زیادہ پسند ہے۔''[2]

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اجعلوا في بيوتكم من صلاتكم ولا تتخذوها قبوراً۔[3]

(اپنے گھروں میں بھی کچھ نمازیں ادا کیا کرو۔ انھیں قبرستان نہ بنالو۔)

نمازِ تہجد

اللہ کے رسول ﷺ راتوں میں اٹھ کر کثرت سے اپنے رب کی عبادت کرتے اور اس کے سامنے سجدہ ریز ہوتے تھے۔ اس کی شہادت متعدد امہات المومنین نے دی ہے۔

حضرت میمونہؓ فرماتی ہیں:

''نبی ﷺ نماز پڑھتے تھے، میں آپؐ کے پہلو میں لیٹی ہوئی ہوتی تھی۔''[4]

---

1. ابن ماجہ، کتاب اقامۃ الصلاۃ، باب ماجاء فی التطوع فی البیت، ۱۳۷۶، صححہ الالبانی
2. ابن ماجہ، حوالہ سابق، ۱۳۷۸، صححہ الالبانی
3. بخاری، ابواب التہجد، باب التطوع فی البیت، ۱۱۸۷
4. بخاری، کتاب الصلاۃ، ۳۷۹، ۵۱۸

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں:

''نبی ﷺ نماز پڑھتے تھے، جب کہ میں آپ کے اور قبلہ کے درمیان بستر پر لیٹی ہوئی ہوتی تھی۔''[1]

بعض احادیث کا صحیح مفہوم نہ سمجھنے کی وجہ سے کچھ صحابہ کہتے تھے کہ اگر کسی نمازی کے سامنے سے کتا، گدھا یا عورت گزر جائے تو اس کی نماز باطل ہو جاتی ہے، اس پر نقد کرتے ہوئے حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں:

''تم لوگوں نے ہم عورتوں کو کتے اور گدھے کے برابر کر دیا، حالاں کہ میں بستر پر لیٹی ہوئی ہوتی تھی، نبی ﷺ تشریف لاتے اور نماز پڑھنے لگتے۔ مجھے اچھا نہ لگتا کہ میں آپ کے سامنے لیٹی رہوں، چناں چہ میں پائنتی کی طرف سے چپکے سے کھسک لیتی تھی۔''[2]

حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں:

''اللہ کے رسول ﷺ ہمیشہ گیارہ رکعتیں نماز پڑھا کرتے تھے۔ آپؐ کے سجدے بہت طویل ہوتے تھے۔ ایک سجدہ آپؐ اتنا طویل کرتے تھے جتنی دیر میں تم میں سے کوئی شخص پچاس آیتیں پڑھ لے۔''[3]

حضرت عائشہؓ آں حضرت ﷺ کے طویل قیام کا بھی تذکرہ کرتی ہیں۔ فرماتی ہیں:

''آپ کا قیام اتنی دیر تک ہوتا تھا کہ آپ کے قدموں میں ورم آ جاتا تھا۔''[4]

حضرت مغیرہؓ بیان کرتے ہیں:

''نبی ﷺ نمازوں میں اتنا طویل قیام فرماتے تھے کہ آپؐ کے پیروں (یا فرمایا: پنڈلیوں) میں ورم آ جاتا تھا۔ آپؐ سے کہا گیا کہ آپؐ اتنا

---

[1] بخاری، کتاب الصلاۃ، باب الصلاۃ علی الفراش، ۳۸۳

[2] بخاری، کتاب الصلاۃ، باب الصلاۃ الی السریر، ۳۸۲، ۵۰۸

[3] بخاری، ابواب التہجد، باب طول السجود فی قیام اللیل، ۱۱۲۳

[4] بخاری، کتاب التہجد، باب قیام النبیؐ اللیل، ترجمۃ الباب

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

طویل قیام کیوں کرتے ہیں؟ آپؐ نے جواب دیا:

أفلا أكون عبداً شكوراً[1]

(کیا میں شکر گزار بندہ نہ بنوں۔)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اپنا ایک واقعہ ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

''میں نے نبی ﷺ کے ساتھ ایک رات نماز پڑھی۔ آپؐ نے اتنا طویل قیام کیا کہ (میرے لیے ناقابلِ برداشت ہوگیا اور) میں نے ایک برے کام کا ارادہ کرلیا۔ شاگردوں نے دریافت کیا: کیسا برا کام؟ فرمایا: میں نے ارادہ کرلیا کہ نیت توڑ کر الگ بیٹھ رہوں۔''[2]

حضرت انس بن مالکؓ اپنے شاگردوں سے بیان کرتے ہیں:

''تم رسول اللہ ﷺ کو رات میں نماز پڑھتا ہوا دیکھنا چاہتے تو دیکھ سکتے تھے اور سوتا ہوا دیکھنا چاہتے تو دیکھ سکتے تھے۔''[3]

حضرت عائشہؓ کے شاگرد اسودؒ نے ان سے دریافت کیا: رسول اللہ ﷺ رات میں کس طرح نماز پڑھا کرتے تھے؟ انھوں نے جواب دیا:

''آپ رات کے پہلے پہر سو جاتے تھے اور آخری پہر اٹھ کر نماز پڑھا کرتے تھے۔ پھر (فجر سے ذرا پہلے) بستر پر تھوڑی دیر آرام کرتے تھے۔ جب مؤذن اذان دیتا تو دفعتاً اٹھ جاتے تھے۔''[4]

دعاؤں کا اہتمام

آں حضرت ﷺ گھر میں مختلف اوقات میں دعاؤں کا اہتمام کرتے تھے۔ بستر

---

[1] بخاری، ابواب التہجد، باب قیام النبی ﷺ اللیل حتی ترم قدماہ، ۱۱۳۰

[2] ایضاً، ابواب التہجد، باب طول القیام فی صلاۃ اللیل، ۱۱۳۵

[3] ایضاً، ابواب التہجد، باب قیام النبی ﷺ باللیل من نومہ، ۱۱۴۱

[4] ایضاً، ابواب التہجد، باب من نام اول اللیل وأحیا آخرہ، ۱۱۴۶۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

پر سونے کے لیے جاتے وقت، بیدار ہوتے وقت، بیت الخلا میں جاتے وقت، وہاں سے نکلتے وقت، کھانا کھانے سے پہلے، کھانا کھانے کے بعد، مختلف مناسبتوں کے علاوہ بغیر مناسبتوں کے بھی، کثرت سے آپؐ سے دعائیں منقول ہیں۔ ایک مومن کا اپنے رب سے کتنا گہرا تعلق ہونا چاہیے، اسے اپنے رب سے دعا و مناجات کا کتنا اہتمام کرنا چاہیے، آں حضرت ﷺ کی زندگی اس کی عملی تفسیر تھی۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں:

"رسول اللہ ﷺ جب سونے کے لیے بستر پر جاتے تو معوذات پڑھتے، داہنے ہاتھ پر پھونکتے، پھر انہیں پورے بدن پر پھیر لیتے۔"[1]

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ جب بیت الخلا جاتے تو یہ دعا پڑھتے تھے:

اَللّٰھُمَّ اِنِّی اَعُوْذُ بِکَ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِثِ۔[2]

(اے اللہ میں تجھ سے شیاطین (مذکر و مؤنث) کی پناہ مانگتا ہوں۔)

حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کو کثرت سے یہ دعا پڑھتے ہوئے سنا کرتا تھا:

اللھم انی اعوذبک من الھمّ والحزن والعجز والکسل والبخل والجبن وضلع الدین وغلبة الرجال۔[3]

(اے اللہ میں تیری پناہ چاہتا ہوں رنج و غم، بے بسی، بے کاری، بخل، بزدلی، قرض کے بوجھ اور لوگوں کے غلبہ و تسلط (اور ظلم) سے۔)

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ نبی ﷺ یہ دعا پڑھا کرتے تھے:

اللھم انی اعوذ بک من الکسل والھرم والمأثم والمغرم،

---

[1] بخاری، کتاب الدعوات، باب التعوذ والقراءة عند النوم، ۶۳۱۹

[2] ایضاً، کتاب الدعوات، باب الدعاء عند الخلاء، ۶۳۲۲، مسلم، کتاب الحیض، باب مایقول اذا أراد دخول الخلاء، ۳۷۵

[3] ایضاً، کتاب الدعوات، باب التعوذ من غلبة الرجال، ۶۳۶۳

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ومن فتنة القبر وعذاب القبر، ومن فتنة النار وعذاب النار، ومن شر فتنة الغنى، واعوذبک من فتنة الفقر، واعوذبک من فتنة المسيح الدجّال، اللهم اغسل عنّی خطایای بماء الثلج والبرد ونقّ قلبی من الخطایا کما نقّیت الثوب الأبیض من الدنس، وباعد بینی وبین خطایای کما باعدت بین المشرق والمغرب۔[1]

(اے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں کاہلی، بڑھاپا، گناہ اور قرض سے۔ قبر کی آزمائش اور قبر کے عذاب سے، جہنم کی آزمائش اور جہنم کے عذاب سے، مال داری کے بری آزمائش سے، اور میں تیری پناہ چاہتا ہوں فقر کی آزمائش سے اور میں تیری پناہ چاہتا ہوں مسیح دجال کے فتنے سے، اے اللہ میری خطاؤں کو برف اور اولے کے پانی سے دھودے، میرے دل کو خطاؤں سے اس طرح صاف کردے جیسے تو نے سفید کپڑے کا میل کچیل صاف کردیا۔ میری خطاؤں اور میرے درمیان اتنی دوری کردے جتنی مشرق ومغرب کے درمیان ہے۔)

آں حضرت ﷺ کی بہت سی دعائیں ام المؤمنین حضرت عائشہؓ اور آپؐ کے خادمِ خاص حضرت انسؓ سے مروی ہیں۔ ظاہر ہے کہ آپؐ ان دعاؤں کا اہتمام گھر میں کثرت سے فرماتے تھے۔

گھر کے کاموں میں ہاتھ بٹانا

کارِ دعوت کی بے شمار مصروفیات کے باوجود آں حضرت ﷺ گھر کے چھوٹے بڑے کاموں کے لیے وقت نکال لیتے تھے اور ان کی انجام دہی میں اہلِ خانہ کا ہاتھ بٹاتے تھے۔ حضرت عائشہؓ کے شاگرد اسود بن زیدؒ نے ایک مرتبہ ان سے دریافت کیا:

---

[1] بخاری، کتاب الدعوات، باب التعوذ من المأثم والمغرم، ۶۳۶۸

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

''نبی ﷺ جب گھر میں ہوتے تھے تو کیا کرتے تھے؟'' حضرت عائشہؓ نے مجمل انداز میں جواب دیا:

''آپؐ اپنے گھر والوں کے کاموں میں مصروف ہوتے تھے، لیکن جوں ہی اذان سنتے فوراً نماز کے لیے گھر سے نکل جاتے تھے۔'' [1]

دوسری روایت میں ہے کہ اس سوال کے جواب میں حضرت عائشہؓ نے فرمایا:

''آپ بھی دوسرے انسانوں کی طرح ایک انسان تھے۔ اپنے کپڑوں سے جوں نکالتے، اپنی بکری کا دودھ دوہتے اور گھر کے دوسرے کام انجام دیتے تھے۔'' [2]

بیوی بچوں کی دل داری

آں حضرت ﷺ گھر میں بیوی بچوں کے ساتھ بھی خاصا وقت گزارتے تھے۔ آپؐ ان کے ساتھ نرمی اور ملائمت سے پیش آتے، خوش طبعی اور ہنسی مذاق کرتے اور ان کے ساتھ محبت و اکرام کا معاملہ فرماتے تھے۔ حضرت ابنِ عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

خیر کم خیر کم لاھلہ وانا خیر کم لاھلی۔ [3]

(تم میں سے بہتر وہ شخص ہے، جو اپنے گھر والوں کے ساتھ بہتر سلوک کرتا ہو اور گھر والوں کے ساتھ معاملے کے تعلق سے میں تم میں بہتر ہوں۔)

ایک مرتبہ مسجد نبوی کے صحن میں کچھ حبشی لوگ نیزوں کے ذریعے کرتب دکھا رہے تھے۔ ام المؤمنین حضرت عائشہؓ کو وہ کھیل دیکھنے کی خواہش ہوئی۔ آپؐ نے

---

[1] بخاری، کتاب النفقات، باب خدمۃ الرجل فی أھلہ، ۵۳۶۳

[2] مسند احمد، ۲۵۶/۶

[3] ابن ماجہ، کتاب النکاح، باب حسن معاشرۃ النساء، ۱۹۷۷

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

انہیں اپنی اوٹ میں کر کے پورا کھیل دکھایا اور جب تک وہ خود اکتا کر چلی نہیں گئیں، آپ مستقل کھڑے رہے۔[1]

ایک مرتبہ حضرت عائشہؓ نے آپ کو گیارہ عورتوں کا قصہ سنایا۔ اس قصے میں ہر عورت اپنے شوہر کی خوبیاں اور خامیاں بیان کرتی ہے۔ گیارہویں عورت، جس کا نام امّ زرع تھا، اپنے شوہر کی تعریفوں کے پل باندھتی ہے۔ آں حضرت ﷺ پورے اطمینان اور سکون کے ساتھ یہ طویل قصہ ام المؤمنین کی زبانی سنتے ہیں اور آخر میں فرماتے ہیں:

کنت لک کأبی زرع لأم زرع۔[2]

(میں تمھارے لیے اسی طرح ہوں، جس طرح ام زرع کے لیے ابوزرع تھا۔)

اسی طرح آپ بچوں کو پیار کرتے، ان کے ساتھ خوش طبعی سے پیش آتے، ہنسی مذاق کرتے، ان کے ساتھ کھیلتے اور انھیں گود میں لے کر بوسہ دیتے تھے۔

آپ اپنے چچا عباس بن عبدالمطلبؓ کے بچوں عبداللہ، عبیداللہ اور کثیر کو ایک قطار میں کھڑا کرتے اور فرماتے: ''جو میرے پاس سب سے پہلے دوڑ کر آئے گا اسے فلاں فلاں چیز دوں گا۔'' وہ سب دوڑ کر آتے، کوئی پیٹھ پر گرتا تو کوئی سینے پر اور آپ ان سب کو بوسہ دیتے۔[3]

سیدہ فاطمہؓ آپ سے ملاقات کے لیے خدمت میں حاضر ہوتیں تو آپؐ کھڑے ہو کر ان کا استقبال کرتے، ان کو بوسہ دیتے اور انھیں اپنی جگہ بٹھاتے۔[4] ان کے بچوں حضرات حسنؓ و حسینؓ، بڑی صاحب زادی حضرت زینبؓ کی بچی امامہؓ، آزاد کردہ

---

[1] بخاری، کتاب النکاح، باب نظر المرأۃ الی الحبش ونحوہم من غیر ریبۃ، ۵۲۳۶

[2] بخاری، کتاب النکاح، باب حسن المعاشرۃ مع الأھل، ۵۱۸۹

[3] مسند احمد، ۱/۲۱۴

[4] ابوداؤد، کتاب الادب، ۵۲۱۷، ترمذی، کتاب المناقب، باب ماجاء فی فضل فاطمۃ، ۳۸۷۲

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

غلام حضرت زید بن حارثہؓ کے بچے اسامہؓ اور دوسرے بچوں کے ساتھ آپؐ کے پیار و محبت کے واقعات کثرت سے کتب احادیث میں مروی ہیں۔

اہلِ خانہ کی تربیت

آں حضرت ﷺ گھر میں بیوی بچوں کی دینی و اخلاقی تربیت پر بھی خصوصی توجہ دیتے تھے۔ خود نوافل و تہجد کا اہتمام فرماتے تو بسا اوقات اہلِ خانہ کو بیدار کر کے اپنے ساتھ شریک کر لیتے۔ حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں:

"نبی ﷺ نماز پڑھتے تھے۔ میں آپ کے بستر پر سوئی ہوتی تھی۔ آخر میں جب آپ وتر پڑھنا چاہتے تو مجھے بیدار کرتے اور میں بھی وتر پڑھ لیا کرتی تھی۔"[1]

حضرت ام سلمہؓ بیان کرتی ہیں: ایک رات نبی ﷺ بیدار ہوئے۔ اس موقعے پر آپؐ نے ازواجِ مطہرات کو بھی بیدار کرنے کے مقصد سے زور زور سے فرمایا:

سبحان الله، ماذا أنزل الليلة من الفتن؟ ماذا أنزل من الخزائن؟ من يوقظ صواحب الحجرات؟ يا رُبَّ كاسية في الدنيا عارية في الأخرة۔[2]

(پاک ہے اللہ کی ذات۔ آج رات کتنے فتنے نازل ہوئے ہیں اور رحمتِ الٰہی کے کتنے خزانے اترے ہیں؟ کوئی ہے جو ان کمروں والیوں کو جگا دے؟ کتنی عورتیں ہیں جو اس دنیا میں لباس و زیورات سے آراستہ ہیں، لیکن آخرت میں وہ عریاں ہوں گی۔)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں: ایک رات میں اپنی خالہ ام المؤمنین حضرت میمونہ بنت الحارثؓ کے پاس ٹھہر گیا۔ اس رات رسول اللہ ﷺ کی باری ان کے

---

[1] بخاری، کتاب الصلاۃ، باب الصلاۃ خلف النائم، ۵۱۲

[2] ایضاً، ابواب التہجد، باب تحریض النبی ﷺ علی صلاۃ اللیل، ۱۱۲۶

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

یہاں تھیں۔ آپؐ رات میں اٹھ کر نماز پڑھنے لگے۔ میری آنکھ کھل گئی۔ میں نے سوچا کہ میں بھی آپؐ کے ساتھ نماز میں شریک ہو جاؤں۔ چناں چہ میں جا کر آپ کی بائیں جانب کھڑا ہو گیا۔ آپؐ نے میرے بال پکڑے اور مجھے کھینچ کر اپنی دائیں جانب کر لیا۔[1]

گھر میں بیوی بچوں کے درمیان مختلف طرح کی باتیں ہوتی رہتی ہیں۔ اگر کبھی کوئی بات آپؐ ناشائستہ یا غیر معیاری محسوس کرتے تھے تو فوراً ٹوک دیتے تھے اور بیوی بچوں کی محبت اظہارِ حق میں مانع نہ ہوتی تھی۔

ام المؤمنین حضرت خدیجہؓ کی وفات کے بعد آپؐ دوسری ازواج کی موجودگی میں ان کا تذکرہ کثرت سے اور بڑی محبت سے کرتے رہتے تھے۔ بسا اوقات حضرت عائشہؓ کو اس پر کچھ ناگواری ہوتی۔ ایک موقعے پر انھوں نے اس کا اظہار کر دیا۔ کہنے لگیں: ''کیا آپ اس بڑھیا کو بار بار یاد کرنے لگتے ہیں، جب کہ اللہ نے آپ کو اس سے بہتر بیویوں سے نوازا ہے۔'' آپؐ نے فرمایا:

إنّي قد رُزِقْتُ حُبَّها۔[2]

(ان کی محبت میرے اندر رچ بس گئی ہے۔)

دوسری روایت میں ہے کہ آپؐ نے اس موقعے پر حضرت خدیجہؓ کے احسانات یاد کیے اور مزید فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے صرف انھی سے مجھے اولادیں عطا کیں۔

ایک مرتبہ حضرت عائشہؓ کے سامنے دوسری ام المؤمنین حضرت صفیہؓ کا تذکرہ ہونے لگا۔ حضرت صفیہؓ پست قد تھیں۔ حضرت عائشہؓ نے تعریض کرتے ہوئے ہاتھ کے اشارے سے کہا: وہ تو بس اس قدر ہیں؟ آں حضرت ﷺ کے روئے انور پر ناگواری کے اثرات ظاہر ہو گئے۔ آپؐ نے فرمایا:

لقد قلت كلمة لو مزج بها البحر لمزجته۔[3]

---

[1] بخاری، کتاب اللباس، باب الذوائب، ۵۹۱۹

[2] مسلم، کتاب فضائل الصحابۃ، باب فضائل خدیجۃ، ۲۴۳۵، ۲۴۳۷

[3] ابوداؤد، کتاب الادب، باب فی الغیبۃ، ۴۸۷۵، ترمذی، کتاب صفۃ القیامۃ، ۲۵۰۲

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

(تم نے ایسی بات کہہ دی ہے کہ اگر اسے سمندر میں ملا دیا جائے تو اس کا پانی بھی کڑوا ہو جائے۔)

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں: ایک بار میں نے آں حضرت ﷺ کے سامنے ایک شخص کی نقل اتاری تو آپؐ نے فرمایا:

مایسرنی انی حکیت رجلا وان لی کذا و کذا۔[1]

(مجھے چاہے جتنی بڑی دولت حاصل ہو جائے، پھر بھی کسی شخص کی نقل اتارنے سے مجھے خوشی نہیں ہوگی۔)

ام المؤمنین حضرت ام سلمہؓ کے لڑکے عمر (جو ان کے پہلے شوہر حضرت ابوسلمہؓ سے تھے) آں حضرت ﷺ کی پرورش میں تھے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نبی ﷺ کی موجودگی میں کھانا کھا رہا تھا۔ میرا ہاتھ لقمہ اٹھاتے وقت پلیٹ میں ادھر ادھر گھوم رہا تھا، آپؐ نے مجھے ٹوکا اور فرمایا:

یا غلام، سم اللہ و کل بیمینک و کل مما یلیک۔[2]

(لڑکے، اللہ کا نام لو، دائیں ہاتھ سے کھاؤ اور اپنے سامنے سے کھاؤ۔)

ملاقاتیوں کے حقوق

آدمی گھر میں ہوتا ہے تو اس کے رشتے دار، دوست احباب اور دوسرے لوگ اس سے ملنے کے لیے آتے ہیں۔ ان سے کس طرح پیش آنا چاہیے؟ ان کے ساتھ کیا برتاؤ کرنا چاہیے؟ آں حضرت ﷺ کے طرزِ عمل سے اس سلسلے میں بھی رہ نمائی ملتی ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی چچازاد بہن حضرت ام ہانی بنت ابی طالبؓ بیان کرتی ہیں کہ میں آپؐ سے ملنے آئی تو آپؐ نے فرمایا: مَرْحَبًا بِاُمِّ هَانِی[3] (ام ہانی کو خوش آمدید)۔

---

[1] حوالہ سابق

[2] بخاری، کتاب الاطعمۃ، باب التسمیۃ علی الطعام والاکل بالیمین، ۵۳۷۶

[3] ایضاً، کتاب الصلاۃ، باب الصلاۃ فی الثوب الواحد، ۳۵۷

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اسی طرح جب وفد عبدالقیسؓ آپؐ سے ملاقات کے لیے حاضر ہوا تو اسے بھی آپؐ نے خوش آمدید کہا۔[1]

آپؐ اپنی ازواج کی سہیلیوں کے ساتھ بھی اچھے سلوک سے پیش آتے تھے اور ان کے ساتھ خیر کا معاملہ کرتے تھے۔ حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں: ایک بوڑھی عورت نبی ﷺ کے پاس آتی تھی۔ آپؐ اس کے آنے پر خوشی کا اظہار فرماتے تھے، اس کا اکرام و احترام کرتے تھے اور اس سے فرماتے تھے: آپ کیسی ہیں؟ آپ کا حال کیسا ہے؟ آپ کیسے رہیں؟ وہ جواب دیتی: ''خیریت سے، میرے ماں باپ قربان جائیں آپؐ پر، اے اللہ کے رسول!'' وہ عورت واپس چلی گئی تو میں نے عرض کیا: آپ اس بڑھیا پر اتنی توجہ فرماتے ہیں؟ آپ اس کا اتنا اکرام کرتے ہیں؟ آپؐ نے جواب دیا:

> ''یہ ہمارے یہاں خدیجہؓ کے پاس آیا کرتی تھیں۔ کیا تمھیں نہیں معلوم کہ دوستوں اور عزیزوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنا ایمان میں سے ہے۔''[2]

ملاقاتیوں کی جانب سے اگر کبھی کسی نامناسب رویہ کا اظہار ہوتا تو آپؐ اس کی اصلاح فرما دیا کرتے تھے۔ حضرت سہل بن سعدؓ بیان کرتے ہیں: ایک شخص نبی ﷺ سے ملاقات کے لیے آیا۔ اس نے ایک سوراخ سے گھر کے اندر جھانکا۔ اس وقت آپ اپنا سر کھجلا رہے تھے۔ آپ کو پتا چلا تو آپؐ نے فرمایا: ''اگر مجھے معلوم ہو جاتا کہ تم سوراخ سے جھانک رہے ہو تو اسے تمھاری آنکھ میں گھسا دیتا۔'' آپؐ نے مزید فرمایا: ''اجازت لینے کا حکم اسی لیے دیا گیا ہے تاکہ کسی ناپسندیدہ ہیئت پر نگاہ نہ پڑے۔''[3]

حضرت جابرؓ بیان کرتے ہیں: ایک مرتبہ میں نبی ﷺ سے ملاقات کے لیے

---

[1] بخاری، کتاب الأدب، باب قول الرجل مرحباً، ۶۱۷۶

[2] کنز العمال، ۷/۱۱۵

[3] بخاری، ۵۹۲۴، مسلم، کتاب الآداب، باب تحریم النظر فی بیت غیرہ، ۲۱۵۶

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حاضر ہوا۔ میں نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ آپؐ نے دریافت فرمایا: کون؟ میں نے جواب دیا: ''میں''۔ آپؐ نے ناگواری سے فرمایا: ''میں میں کیا'' (یعنی اپنا نام بتانا چاہیے) [1]

ایک مرتبہ ایک شخص نے آپؐ سے ملاقات کی اجازت چاہی، آپؐ نے فرمایا: ''یہ اپنی قوم کا برا آدمی ہے''۔ پھر اسے اندر بلا لیا اور نرمی کے ساتھ ہنس ہنس کر اس سے باتیں کرتے رہے۔ جب وہ چلا گیا تو حضرت عائشہؓ نے عرض کیا: اے اللہ رسول! آپؐ اسے برا آدمی کہہ رہے تھے۔ پھر کیوں اس کے ساتھ نرمی سے پیش آئے اور ہنس ہنس کر اس سے باتیں کیں۔ آپؐ نے فرمایا:

انّ شرّ الناس منزلةً عند الله يوم القيامة من ودعه الناس اتّقاء فحشه۔[2]

(قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے برا درجہ اس شخص کا ہوگا، جس کی فحش گوئی کی وجہ سے لوگ اس سے کتراتے ہوں۔)

رسولِ اکرم ﷺ کی اندرونِ خانہ زندگی میں بھی ہمارے لیے اسوہ ہے۔ ہمیں اسے بھی اپنے لیے مشعلِ راہ اور نمونۂ عمل بنانا چاہیے۔

ایک اشکال کا ازالہ

ایک صاحب نے درج بالا مقالہ کے ایک جملہ پر یہ اشکال ظاہر کیا:

''آپ نے اپنے مضمون میں رسولِ اکرم ﷺ کی خانگی مصروفیات کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ''رسول اللہ ﷺ اپنے کپڑوں سے جوئیں خود نکال لیا کرتے تھے''۔ یہ کام آپؐ کی طبعی نظافت کے خلاف معلوم ہوتا ہے۔ آپ تو صفائی ستھرائی کا نمونہ تھے۔ اس لیے اس حدیث کو سمجھنے میں زحمت محسوس ہو رہی ہے۔''

یہ اشکال درست نہیں ہے۔ اس سلسلے میں دو باتیں ملحوظ رکھنی چاہئیں۔ اول یہ

---

[1] بخاری، کتاب الاستئذان، باب اذا قال من ذا قال أنا، ۶۲۵۰

[2] مسلم، کتاب البر والصلۃ، باب مداراۃ من یتقی فحشہ، ۲۵۹۱

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کہ معتبر اور ثابت شدہ روایات کے بارے میں تاویل وتوجیہ کا ذہن بنانا چاہیے، اس کے بجائے اوّل وہلہ میں اس پر اشکال وارد نہیں کر دینا چاہیے۔ دوم یہ کہ کسی واقعے پر غور و خوض اپنے زمانے کے حالات کو پیش نظر رکھ کر نہیں، بلکہ اس کے زمانہ وقوع کی روشنی میں کرنا چاہیے۔

ہم سب جانتے ہیں کہ سرزمین عرب کا موسم بہت گرم ہوتا ہے۔ عہدِ نبوی میں مدینہ میں صرف چند کنویں تھے، جن سے پوری آبادی پانی حاصل کرتی تھی، گھر میں پانی کا ذخیرہ کرنے کے لیے صرف دو ایک مٹکے ہوتے تھے۔ اس لیے آج کل کی طرح ممکن نہ تھا کہ روزانہ صبح وشام غسل کیا جائے، پہننے کے کپڑے بھی بہت زیادہ نہیں ہوتے تھے کہ روزانہ انھیں تبدیل کیا جائے۔ ام المومنین حضرت عائشہؓ کی روایت میں زور اس بات پر ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ گھر کے چھوٹے چھوٹے کام بھی اپنے ہاتھ سے کیا کرتے تھے، دوسروں پر انحصار نہیں کرتے تھے۔ بہ طور مثال انھوں نے دو کام بیان کر دیے کہ آپؐ اپنی بکری کا دودھ خود دوہتے تھے اور اپنے کپڑوں سے جوں خود ہی نکال لیا کرتے تھے۔ اس کا مطلب نہ یہ ہے کہ آپ گھر میں صرف یہی دو کام انجام دیتے تھے، بقیہ دیگر خانگی کام دوسرے لوگوں کے حوالے تھے اور نہ اس سے یہ مطلب نکلتا ہے کہ آپ ہر وقت یہی دونوں کام یا ان میں سے کوئی ایک کام کرتے رہتے تھے۔ ظاہر ہے، اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ کبھی غسل کرنے کے بعد آپؐ کے پاس دوسرے دُھلے ہوئے کپڑے نہیں ہوئے تو آپؐ نے وہی کپڑے پہن لیے اور انھیں پہننے سے پہلے پلٹ کر دیکھ لیا کہ کہیں کوئی جوں تو نہیں ہے۔ آپؐ کی طبعی نظافت اور صفائی ستھرائی کے معمول کو (جس کا تذکرہ احادیث میں کثرت سے ملتا ہے) دیکھتے ہوئے ظاہر ہے کہ یہ صورت حال شاذ و نادر ہی پیش آتی ہوگی۔

حضرت عائشہؓ کی یہ روایت ہمارے سامنے رسول اللہ ﷺ کا ایک قابل تقلید نمونہ پیش کرتی ہے۔ دین دار گھرانوں میں بھی اس کا اہتمام نہیں کیا جاتا۔ بیویاں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

گھروں میں خادماؤں کی طرح اپنے شوہروں کے چھوٹے بڑے تمام کام انجام دیتی ہیں اور اگر کبھی ان سے کچھ کوتاہی ہو جائے تو شوہران نام دار کی تیوریاں چڑھ جاتی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کا اسوہ اختیار کرتے ہوئے انھیں گھریلو کاموں میں اپنی بیویوں کا ہاتھ بٹانا چاہیے اور اپنے نجی کام خود کرنے کی عادت ڈالنی چاہیے۔

☆☆☆

www.KitaboSunnat.com

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

رسول اللہ ﷺ کے زہد وقناعت کی ایک مثال

اور اس پر اشکالات کا جائزہ

رسول اللہ ﷺ کی حیاتِ طیبہ کا ایک زریں اور قابلِ تقلید پہلو یہ ہے کہ وہ زہد وقناعت کی ایک اعلیٰ مثال تھی۔ آپؐ نے اپنے ارشاداتِ عالیہ کے ذریعے دنیا کی بے ثباتی واضح کی، آخرت طلبی کا جذبہ ابھارا اور مال ودولت سے بے نیازی، اسبابِ دنیا سے بے پروائی، فقر وفاقہ اور زہد وقناعت کا عملی نمونہ پیش کیا۔ آپ کی زندگی میں بارہا ایسے مواقع آئے جب آپ کی ملکیت میں خاصا مال آ گیا، لیکن آپ نے اسے اللہ کی راہ میں خرچ کرنے میں دیر نہیں کی۔ کبھی اگر نماز میں خیال آ گیا کہ گھر میں تھوڑا مال بچا ہوا رکھا ہے، تو نماز سے فارغ ہوتے ہی گھر میں گئے اور اسے صدقہ کرنے کے بعد ہی اطمینان کا سانس لیا۔ کبھی مال تقسیم کرتے کرتے سب خرچ کر دیا، پھر گھر والوں نے یاد دلایا کہ شام کے کھانے کے لیے کچھ نہیں ہے تو فرمایا کہ پہلے کیوں نہیں یاد دلایا۔ ازواج مطہرات کی زندگیاں بھی آپؐ کے سانچے میں ڈھل گئی تھیں![1] چنانچہ ان کے گھروں میں بسا اوقات ایک ایک ماہ تک چولھا نہیں جلتا تھا اور کھجوروں وغیرہ پر گزر اوقات ہوتی تھی۔ اس موضوع پر کتب حدیث میں وافر ذخیرہ موجود ہے۔ یہاں صرف ایک روایت نقل کی جاتی ہے۔

ام المؤمنین حضرت عائشہؓ سے روایت ہے، فرماتی ہیں:

توفی رسول الله ﷺ ودرعه مرهونة عند يهودي بثلاثين صاعاً من شعير[2]

---

[1] ملاحظہ کیجیے سورۃ الاحزاب، آیات، ۲۸-۲۹

[2] بخاری، کتاب الجہاد، ۲۹۱۶ اور دیگر مقامات

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

(رسول اللہ ﷺ کی جب وفات ہوئی اس وقت آپ کی زرہ ایک یہودی کے پاس تیس صاع جَو کے عوض رہن رکھی ہوئی تھی۔)

اس مضمون کی روایات حضرت عائشہؓ کے علاوہ آپؐ کے عم زاد حضرت ابن عباسؓ، آپؐ کے خادمِ خاص حضرت انس بن مالکؓ اور حضرت اسماء بنت یزیدؓ سے بھی مروی ہیں۔[1] تمام روایات کو جمع کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آں حضرت ﷺ نے اپنے گھر والوں کی غذائی ضروریات کے لیے ایک موقعے پر ایک یہودی سے کچھ غلّہ ایک متعین مدّت کے لیے ادھار خریدا تھا اور بطور رہن لوہے کی ایک زرہ اس کے پاس رکھوادی تھی۔ صحیح ابن حبان کی ایک روایت میں ہے کہ ادھار کا یہ معاملہ ایک سال کے لیے ہوا تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ حیاتِ نبوی کے آخری ایام ہی کا تھا۔ بخاری اور نسائی کی ایک روایت[2] میں صراحت ہے کہ یہ یہودی مدینہ کا تھا۔ یہ غلّہ جَو تھا اور اس کی مقدار تیس (۳۰) صاع اور بعض روایات کے مطابق بیس (۲۰) صاع تھی۔ حافظ ابن حجرؒ نے دونوں کے درمیان یوں تطبیق دی ہے کہ ممکن ہے اصل مقدار بیس اور تیس کے درمیان رہی ہو۔ بعض راویوں نے پھٹکر مقدار کم کر کے بیس کر دیا اور بعض نے کچھ بڑھا کر تیس مکمل کر دیا۔[3]

اس ایک روایت سے محدثین کرام نے بہت سے احکام مستنبط کیے ہیں۔ اس کا اندازہ ان ذیلی عناوین (ترجمۃ الباب) سے بہ خوبی لگایا جاسکتا ہے، جو انھوں نے ان احادیث پر قائم کیے ہیں۔ اس میدان میں رئیس المحدثین امام بخاریؒ کو بڑی مہارت

---

[1] ان روایات کی تخریج امام بخاریؒ کے علاوہ امام مسلم (۱۶۰۳)، امام ترمذی (۱۲۱۴، ۱۲۱۵)، امام نسائی (۴۶۱۰، ۴۶۵۱)، امام ابن ماجہ (۲۴۳۶، ۲۴۳۷، ۲۴۳۸، ۲۴۳۹، ۲۴۴۳)، امام احمد بن حنبل (۱/۲۳۶، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۶۱، ۳/۱۰۲، ۲۰۸، ۲۳۸، ۶/۴۲، ۱۶۰، ۲۳۰، ۲۳۷، ۴۵۳، ۴۵۷) اور امام دارمی (۲۵۸۲) نے بھی اپنی کتابوں میں کی ہے۔

[2] بخاری: ۲۰۶۹، نسائی، ۴۶۱۰

[3] فتح الباری، ابن حجر، دار المعرفۃ، بیروت، ۵/۱۴۱

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حاصل ہے۔ انھوں نے اسے مختلف سندوں سے بارہ مقامات پر روایت کیا ہے۔ ان کے ہر ترجمۃ الباب سے ایک الگ حکم مستنبط ہوتا ہے۔[1] حافظ ابن حجرؒ نے شرح بخاری میں اور علامہ نوویؒ نے شرح مسلم میں اس کے ذیل میں بہت سے استنباطات کا تذکرہ کیا ہے۔[2] تفصیل کے طالب ان مقامات کی طرف رجوع کر سکتے ہیں۔

مذکورہ روایت رسولِ اکرم ﷺ کے زہد و قناعت کی محض ایک مثال ہے۔ اس طرح کی بہت سی روایات ذخیرۂ حدیث میں موجود ہیں، جن سے آپ کی حیات طیبہ کے ایک خاص پہلو پر روشنی پڑتی ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ مال و دولت کے ڈھیروں کی طرف کبھی نگاہ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتے تھے اور جو کچھ پاتے تھے سب اللہ کی راہ میں لٹا دیتے تھے، یہاں تک کہ اپنی روز مرّہ کی ضروریات کے لیے بسا اوقات آپ کو قرض لینا پڑتا تھا۔ لیکن موجودہ دور کی عقلیت پسندی کو کیا کہیے کہ کسی سیدھے سادے واقعے میں بھی شکوک و شبہات اور ذہنی خلجان کے بہت سے پہلو تلاش کر لیتی ہے۔ پھر اس کی تائید میں ذہنی اختراع کے ذریعے بہت سے دلائل بھی فراہم کر دیتی ہے۔ چنانچہ مذکورہ روایت پر بھی کچھ اشکالات وارد کیے گئے ہیں۔ سطور ذیل میں ان اشکالات کا خلاصہ ذکر کر کے ان کے ازالے کی کوشش کی جائے گی۔

پہلا اشکال

> ۵ھ میں یہود بنی قریظہ کی سرکوبی کے بعد مدینہ کے نواح میں کوئی یہودی نہ رہا تھا۔ شہر مدینہ تو یہود کے وجود سے پہلے ہی پاک ہو چکا تھا، پھر وصال نبوی (۱۱ھ) کے وقت مدینہ یا اس کے اطراف میں کسی یہودی خاندان کے بسے ہونے کی بات کیوں کر صحیح ہو سکتی ہے؟

---

[1] ملاحظہ کیجیے احادیث نمبر، ۲۰۶۸۔ ۲۰۶۹۔ ۲۰۹۶۔ ۲۲۰۰۔ ۲۲۵۱۔ ۲۲۵۲۔ ۲۳۸۶۔ ۲۵۰۸۔ ۲۵۰۹۔ ۲۵۱۳۔ ۲۹۱۶۔ ۴۴۶۷

[2] فتح الباری، ۵/ ۱۴۱، صحیح مسلم بشرح النووی، دار الریان للتراث قاہرہ، ۱۹۸۷ء، جلد ۴، جزء ۱۱، ص ۴۰

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تمام کتب سیرت بیان کرتی ہیں کہ ۲ھ میں بنوقینقاع کو اور ۴ھ میں بنونضیر کو مدینہ سے نکال دیا گیا تھا۔ پھر ۵ھ میں بنوقریظہ کا صفایا کر دیا گیا۔ لیکن مدینہ اور اس کے اطراف میں صرف یہی تین قبیلے نہ تھے۔ تاریخ مدینہ کی ایک مشہور اور مستند کتاب میں مذکور ہے کہ مدینہ اور اس کے اطراف میں یہود کے بیس سے زائد قبیلے آباد تھے۔[1] مدینہ سے جلاوطنی اور قتل کی سزا صرف شر اور فتنہ پر آمادہ یہودی قبائل اور افراد کو دی گئی تھی، ورنہ عہد نبوی کے آخر تک مدینہ میں یہودی موجود تھے اور پوری شہری آزادیوں کے ساتھ رہتے تھے۔ بہ طور تائید یہاں چند حوالے ذکر کیے جاتے ہیں:

ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے لکھا ہے:

''آغاز اسلام کے وقت یہودی عرب کے مختلف حصوں میں نظر آتے ہیں۔ خاص کر مدینہ میں وہ کافی تعداد میں آباد تھے۔ غزوۂ بدر کے بعد بنوقینقاع نے اور غزوۂ احد کے بعد بنوالنضیر نے بدعہدی کی اور سب سے آخر میں غزوۂ خندق کے دوران میں بنوقریظہ نے غداری کی تھی، جس کی وجہ سے یہود مدینہ سے جلاوطن کر دیے گئے تھے۔ تاہم مدینے میں آں حضرت ﷺ کی وفات تک اکا دکا یہودی موجود تھے۔''[2]

ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں:

''مدینہ میں بنواُریض کے جو یہودی رہ گئے تھے، ان سے بھی رسول اللہ ﷺ نے فیاضانہ سلوک کیا۔ انھیں سالانہ وظائف دیے گئے۔ جب تک وہ خود پُر امن رہے، کسی نے ان کے ساتھ تنازع کھڑا نہیں کیا، انھیں مذہبی، قانونی (عدالتی) اور اقتصادی معاملات میں خود مختاری حاصل تھی اور انھوں نے خوب ہی ترقی کی۔''[3]

---

[1] جمال الدین ابوالمحاسن السمھودی، وفاء الوفاء باخبار دار المصطفیٰ، مطبعۃ الآداب مصر، ۱۳۲۶ھ، ۱/۱۱۶

[2] اردو دائرۃ المعارف الاسلامیۃ، دانش گاہ پنجاب، لاہور، ۲۳/۳۵۹، ۳۶۰، مقالہ 'یہود'

[3] کتاب 'محمد رسول اللہ' در مجلہ نقوش، لاہور، رسول نمبر، ۲/۶۰۳

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مولانا مجیب اللہ ندوی نے یہود بنی قینقاع کے اخراج کا تذکرہ کرنے کے بعد لکھا ہے:

''اس قبیلے کے بعض افراد کا اس کے بعد بھی مدینہ میں پتا چلتا ہے۔ ممکن ہے، جن لوگوں نے معافی مانگ لی ہو ان کو رہنے کی اجازت مل گئی ہو۔''[1]

یہی نہیں، بلکہ بعض روایات سے حضرت عمر فاروقؓ کے عہدِ خلافت میں بھی مدینہ میں یہودیوں کی موجودگی کا پتا چلتا ہے۔ قاضی ابو یوسفؒ نے کتاب الخراج میں ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ ایک دن مدینہ میں ایک بوڑھے نے حضرت عمرؓ سے بھیک مانگی۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ وہ یہودی ہے جو پہلے کماتا اور جزیہ ادا کرتا تھا، مگر اب بڑھاپے کی وجہ سے معذور ہے۔ حضرت عمرؓ نے نہ صرف اسے کچھ خیرات دی، بلکہ بیت المال سے اس کا وظیفہ مقرر کر دیا۔[2]

دوسرا اشکال

مدینہ میں آپؐ کے جاں نثاروں میں کئی صاحب ثروت اور دل والے صحابۂ کرام موجود تھے۔ پھر یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ انھیں چھوڑ کر آپ کسی یہودی کے پاس جائیں اور اس سے کچھ غلّہ حاصل کرنے کے لیے اپنی زرہ اس کے پاس رہن رکھیں۔

محدثین کرام نے اس اشکال کا جواب دیا ہے۔ انھوں نے لکھا ہے کہ صحابۂ کرام آپؐ پر اپنی جان نچھاور کرنے کے لیے تیار رہتے تھے۔ اگر انھیں آپؐ کی ضرورت کا ادنیٰ سا بھی احساس ہو جاتا تو وہ بلا معاوضہ غلّے کا ڈھیر لگا دیتے اور آپؐ کے کہنے کے باوجود اس کی قیمت قبول نہ کرتے۔ اس لیے آپ عموماً ان کے سامنے اپنی ضروریات کے

---

[1] اہل کتاب صحابہ و تابعین، مولانا مجیب اللہ ندوی، دار المصنفین، اعظم گڑھ، ص ۶۳

[2] کتاب الخراج، قاضی ابو یوسف، المطبعۃ السلفیہ قاہرۃ، ۱۳۵۲ھ، ص ۱۲۶

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اظہار سے احتراز کرتے تھے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ آپؐ نے یہ بیانِ جواز کے لیے کیا ہو، تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ غیر مسلموں سے مالی اور دیگر معاملات کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔[1]

روایات میں جو تفصیلات ملتی ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ یہودی، جس کا نام ابوالشحم تھا اور جو یہودی قبیلہ بنوظفر سے تعلق رکھتا تھا، اس کی رسول اللہ ﷺ سے بے تکلفی تھی۔ ایک مرتبہ اس نے آپؐ کی اپنے گھر پر دعوت کی تھی۔ اس دعوت کا پیغام حضرت انسؓ نے آپؐ تک پہنچایا تھا۔[2] ممکن ہے، اسی وقت یا کسی اور موقع پر ادھار خرید و فروخت اور رہن کا یہ معاملہ انجام پایا ہو۔

تیسرا اشکال

> اگر اس واقعہ کو صحیح مان لیا جائے تو اُس وقت کے لیے یہ خبر غیر معمولی تھی کہ آپؐ کی زرہ ایک یہودی کے پاس رہن ہے۔ اس لیے آپؐ کے وصال کے بعد اسے ضرور چھڑایا گیا ہوگا۔ مگر تاریخ و سیرت میں اس کا کہیں تذکرہ نہیں ملتا کہ اسے کس نے چھڑایا؟

یہ دونوں باتیں صحیح نہیں ہیں۔ پیغمبر کسی غیر مسلم سے کوئی مالی معاملہ کرے، اُس زمانے کے لحاظ سے یہ ایک عام سا واقعہ تھا۔ مکی اور مدنی دونوں عہدوں میں صحابۂ کرام اور خود رسول اللہ ﷺ مشرکین اور اہل کتاب سے مختلف دنیوی معاملات انجام دیتے تھے اور اسے غلط اور نامناسب نہیں سمجھا جاتا تھا۔ کتب سیرت و تاریخ میں صراحت موجود ہے کہ اس زرہ نبوی کو چھڑایا گیا اور کس نے چھڑایا؟ اس کا بھی تذکرہ ملتا ہے۔ ابن سعدؒ نے حضرت جابرؓ سے روایت کی ہے کہ آں حضرت ﷺ کے وصال کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ نے آپؐ کے 'وعدے' پورے کیے اور حضرت علیؓ نے آپؐ کے قرضوں کی ادائی

---

[1] فتح الباری، ۱۴۱/۵-۱۴۲، شرح نووی، ۴۰/۱۱

[2] فتح الباری، ۱۴۱/۵

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کی۔ لیکن اسحاق بن راہویہؒ نے اپنی مسند میں یہ روایت ذکر کی ہے کہ حضرت ابوبکرؓ ہی نے رہن رکھی ہوئی اس زرہ کو بھی چھڑایا تھا اور اسے حاصل کر کے حضرت علیؓ کے حوالے کر دیا تھا۔ ابن الطلاع نے بھی اپنی کتاب الاقضیۃ النبویۃ میں یہی بات لکھی ہے۔[1]

چوتھا اشکال

> آں حضرت ﷺ کے وصال کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے منادی کی کہ نبی ﷺ کا قرض ہو یا آپؐ نے کسی سے کوئی وعدہ فرمایا ہو تو وہ آ کر لے جائے۔ حضرت جابرؓ کی ایک روایت میں ہے کہ انھوں نے حاضر ہو کر آپؐ کے ایک وعدے کا تذکرہ کیا اور حضرت ابوبکرؓ نے اسے پورا کر دیا۔ لیکن اس موقع پر کسی نے، حتیٰ کہ حضرت عائشہؓ نے بھی اس قرض کی یاد نہیں دلائی جس کی وجہ سے آپ کی زرہ رہن رکھی ہوئی تھی۔

یہ بھی صورتِ واقعہ کی صحیح تصویر کشی نہیں ہے۔ حضرت جابرؓ کی روایت میں صرف ان کا معاملہ مذکور ہے۔ کسی اور نے حضرت ابوبکرؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپؐ کا کوئی وعدہ یاد دلایا یا نہیں؟ اور کسی نے آپؐ کے کسی قرض کی یاد دہانی کرائی یا نہیں؟ اس سے یہ روایت خاموش ہے۔ اوپر بیان کیا گیا کہ آپؐ کی زرہ کے ایک یہودی کے پاس رہن ہونے کا علم کم از کم چار صحابہ کو تھا۔ انھوں نے ضرور اس کی خبر دی ہوگی۔ اسی بنا پر قرض کی ادائی کی گئی اور رہن رکھی ہوئی زرہ کو چھڑایا گیا۔

آخر میں یہ بات عرض کرنے کو جی چاہتا ہے کہ صحیح اور معتبر روایات اور ثابت شدہ واقعات کے بارے میں توجیہ و تاویل کا ذہن بنانا چاہیے، نہ کہ صرف ان پر اشکالات وارد کرنے اور ذہنی خلجان میں مبتلا ہونے کا۔ ورنہ کسی بات کو قبول کرنے پر طبیعت آمادہ نہ ہو تو آنکھوں دیکھی حقیقت کو بھی مشتبہ بنایا جا سکتا ہے۔

☆☆☆

---

[1] ملاحظہ کیجیے فتح الباری، ۱۴۲/۵

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

رسول اللہ ﷺ کا تبسّم

دنیا میں ہزاروں پیغمبر آئے۔ انھوں نے اللہ کے بندوں تک اس کا پیغام پہنچایا اور اپنی زندگی کا عملی نمونہ پیش کیا، مگر کچھ عرصے کے بعد ان کی تعلیمات مٹ گئیں، یا ان میں بہت سی غلط باتوں کی آمیزش ہوگئی اور ان کی زندگی پر پردہ پڑ گیا۔ یہ امتیاز صرف خاتم النبیین حضرت محمد ﷺ کو حاصل ہے کہ آپ کا لایا ہوا پیغام قرآن مجید کی شکل میں حرف بہ حرف محفوظ ہے اور قیامت تک محفوظ رہے گا۔ اسی طرح آپ کی حیات طیبہ بھی روز روشن کی طرح عیاں ہے۔ آپ کی ولادت سے اور خاص طور پر نبوت سے وفات تک کے تمام واقعات، تمام جزئیات کے ساتھ معلوم ہیں۔ صحابہ کرامؓ نے آپ کی زندگی کے معمولی معمولی واقعات، آپ کے روز مرہ کے معمولات اور طبعی اوصاف کو بھی بیان کیا ہے۔ آپ کی خلوت و جلوت، نشست و برخاست، آمد و رفت، سفر و حضر، خواب و بیداری، بول چال، کھانا پینا، چلنا پھرنا، پہننا اوڑھنا، غرض آپ کی زندگی کا کوئی پہلو پردہ میں نہیں ہے۔

متعلقین اور اصحاب کے ساتھ لطف و کرم

رسول اللہ ﷺ کی نجی زندگی کا ایک پہلو یہ ہے کہ آپ اپنے متعلقین اور اصحاب کے ساتھ لطف و کرم، محبت و مؤدت اور نرمی کا برتاؤ کرتے تھے۔ آپ کے مزاج میں درشتی اور سختی نام کو نہ تھی۔ قرآن نے آپؐ کے اس وصف کو اللہ تعالیٰ کی رحمت قرار دیا ہے:

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

لانفضوا من حولک۔ (آل عمران:۱۵۹)

(اے پیغمبرؐ یہ اللہ کی بڑی رحمت ہے کہ تم ان لوگوں کے لیے بہت نرم مزاج واقع ہوئے ہو، ورنہ اگر کہیں تم تند خو اور سنگ دل ہوتے تو یہ سب تمھارے گردو پیش سے چھٹ جاتے۔)

آپؐ ملنے والوں سے خندہ پیشانی سے پیش آتے، ان سے مسکرا کر بات چیت کرتے، ان کی ظریفانہ مجلسوں میں شریک ہوتے، بسا اوقات ان سے لطیف مزاح بھی فرماتے۔ آپؐ کا یہ برتاؤ تمام طبقات کے ساتھ تھا، اندرون خانہ ازواج مطہرات ہوں یا بچے، آپؐ کے قریبی اصحاب ہوں یا اجنبی، سب آپؐ کے بحر الطاف وعنایات سے فیض یاب ہوتے تھے۔ سیرت نبویؐ کا یہ ایک ایسا باب ہے جس سے آپ کی نجی زندگی کے ایک اہم پہلو پر روشنی پڑتی ہے۔

آں حضرت ﷺ کے قریبی اصحاب کا بیان ہے کہ آپؐ کے روئے اطہر پر ہمیشہ مسکراہٹ اٹکھیلیاں کرتی رہتی تھی۔ حضرت عبداللہ بن حارثؓ فرماتے ہیں:

''میں نے رسول اللہ ﷺ سے زیادہ کسی شخص کو مسکراتے ہوئے نہیں دیکھا''[1]

ام المومنین حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں:

''میں نے کبھی رسول اللہ ﷺ کو ٹھٹھا مار کر ہنستے ہوئے نہیں دیکھا۔ آپؐ صرف تبسم فرماتے تھے''[2]

احادیث میں 'ضحک' (ہنسنا) اور 'تبسم' کے الفاظ ہیں، 'ضحک' چہرے کے انبساط کو کہتے ہیں، جس سے دانت نظر آ جائیں اور منہ سے ہلکی آواز نکلے۔ اگر آواز زور سے نکلے اور دور تک سنائی دے تو اسے 'قہقہہ' اور بالکل نہ نکلے تو اسے 'تبسم' کہتے ہیں[3]

---

[1] شمائل ترمذی، باب ماجاء فی ضحک رسول اللہ

[2] صحیح بخاری، کتاب الادب، باب التبسم والضحک، ۶۰۹۲

[3] فتح الباری شرح صحیح بخاری، ابن حجر عسقلانی، دار المعرفۃ بیروت، ۱۰/۵۰۴

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ بیش تر حالات میں صرف تبسم فرماتے تھے۔ بعض خاص مواقع پر آپ سے ضحک بھی ثابت ہے۔ بلکہ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ کسی بات پر اتنی زور سے ہنسے کہ آپ کے نواجذ (داڑھ) دکھائی دیے، لیکن ایسا بہت کم ہوا ہے۔ بعض روایات میں آیا ہے کہ آپ صحابہ کو زیادہ ہنسنے سے منع فرماتے تھے۔ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا:

''زیادہ نہ ہنسو، زیادہ ہنسنا دلوں کو مردہ کر دیتا ہے''۔[1]

ازواجِ مطہرات سے محبت اور خوش طبعی

آں حضرت ﷺ ازواج مطہرات کے ساتھ لطف و کرم اور محبت کا برتاؤ کرتے تھے۔ آپؐ ان کے ساتھ خوش طبعی فرماتے اور ان کے درمیان مسرت کے موتی بکھیرتے تھے۔ کبھی کوئی ہنسی کی بات آتی تو بے ساختہ مسکرا دیتے تھے۔

حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ ایک مرتبہ میں نبی ﷺ کے ساتھ سفر میں تھی، اس وقت تک میں ہلکی پھلکی تھی، فربہ بدن نہیں ہوئی تھی۔ آپؐ نے لوگوں کو آگے بڑھ جانے کی ہدایت کی، پھر مجھ سے فرمایا: ''آؤ دوڑ کا مقابلہ کرتے ہیں''۔ میں آپؐ کے ساتھ دوڑی اور آگے نکل گئی۔ آپؐ خاموش ہو گئے۔ کچھ عرصہ کے بعد ایک مرتبہ پھر مجھے آپ کے ساتھ سفر میں جانے کا موقع ملا، اس وقت میں فربہ بدن ہو گئی تھی۔ آپؐ نے اس موقع پر بھی اپنے اصحاب کو آگے بڑھ جانے کا حکم دیا، پھر مجھ سے فرمایا: ''آؤ دوڑ کا مقابلہ کرتے ہیں'' میں آپ کے ساتھ دوڑی تو آپ مجھ سے آگے نکل گئے۔ آپ ہنسنے لگے اور فرمایا: ''یہ اُس دن کا بدلہ ہے''۔[2]

حضرت عائشہؓ ایک دوسرا واقعہ بیان کرتی ہیں کہ میں نبی ﷺ کی خدمت میں حریرہ (یعنی دودھ، گھی اور آٹے سے تیار کیا ہوا کھانا) لے کر آئی، جسے میں نے خود آپ

---

[1] جامع ترمذی، ابواب الزھد، ۲۳۰۵

[2] مسند احمد، ۶/۲۶۴

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کے لیے تیار کیا تھا۔ وہاں حضرت سودہؓ بھی تھیں، نبی ﷺ میرے اور ان کے درمیان تھے۔ میں نے سودہؓ سے کہا: ''کھاؤ'' انھوں نے انکار کیا۔ میں نے کہا: ''کھاؤ، ورنہ تمھارے چہرے پر لتھیڑ دوں گی''۔ انھوں نے پھر بھی انکار کیا۔ میں نے حریرہ میں اپنا ہاتھ ڈالا اور ان کے چہرہ پر لیس دیا۔ نبی ﷺ ہنسنے لگے۔ آپؐ نے سودہؓ سے فرمایا: ''اس کے بھی چہرے پر لتھیڑ دو'' (دوسری روایت میں حضرت عائشہؓ کا بیان یہ بھی ہے کہ آپ نے اپنا گھٹنا نیچے کرلیا، تاکہ سودہؓ مجھ سے بدلہ لے سکیں۔) چنانچہ انھوں نے بھی پلیٹ سے کچھ لے کر میرے چہرے پر لیس دیا اور رسول اللہ ﷺ ہنستے رہے۔[1]

بچوں سے پیار

آپؐ کی خوش طبعی اور خندہ روئی کا یہ معاملہ بچوں کے ساتھ بھی تھا۔ آپؐ ان کے ساتھ بہت محبت سے پیش آتے، ان سے پیار بھری باتیں کرتے اور کبھی کبھی لطیف مزاح بھی فرماتے۔

حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوطلحہؓ کا ایک بچہ تھا، جس کا نام ابوعمیرؓ تھا، آں حضرت ﷺ جب بھی ابوطلحہؓ کے گھر تشریف لے جاتے، اس بچے سے ہنسی مذاق کرتے تھے۔[2]

ایک مرتبہ بعض لوگوں نے آپؐ کو کھانے کی دعوت دی آپؐ ان کے یہاں جارہے تھے۔ راستے میں آپؐ کے نواسے (حضرت حسنؓ یا حضرت حسینؓ) بچوں کے ساتھ کھیلتے ہوئے ملے۔ آپؐ نے انھیں پکڑنا چاہا۔ وہ ادھر ادھر بھاگنے لگے۔ آپؐ ہنستے ہوئے انھیں پکڑنے کی کوشش کرنے لگے، یہاں تک کہ پکڑ لیا۔ پھر اپنا ایک ہاتھ ان کی گدی پر اور دوسرا ان کی ٹھوڑی پر رکھا اور اپنا منہ ان کے منہ پر رکھ کر بوسہ لے لیا۔[3]

---

[1] مجمع الزوائد، ہیثمی، ۴/۳۱۶

[2] مسند احمد، ۳/۱۱۵-۲۰۱

[3] ایضاً، ۴/۱۷۲

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ملاقاتیوں سے خندہ روئی کے ساتھ ملنا

ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''اپنے بھائی سے خندہ روئی سے ملنا بھی باعثِ اجر وثواب ہے''۔[1]

آپ کی یہ تعلیم محض دوسرے لوگوں کے لیے نہ تھی، بلکہ خود آپؐ نے اس پر عمل کر کے دکھایا۔ حضرت جریر بن عبداللہ البجلیؓ بیان کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ سے جب بھی میرا سامنا ہوتا آپ مسکراتے ہوئے ملتے تھے۔[2] حضرت جابرؓ کا بھی ایسا ہی بیان ہے۔[3] آں حضرت ﷺ کا یہ برتاؤ صرف اپنے عزیزوں یا قریبی اصحاب کے ساتھ ہی نہ تھا، بلکہ آپ کا یہ فیضان ان لوگوں کے لیے بھی وسیع تھا جو سماج میں اچھی نظروں سے نہیں دیکھے جاتے تھے، یا جو آپؐ کے ساتھ اکھڑپن اور عداوت سے پیش آتے تھے۔

ایک مرتبہ ایک شخص آپؐ سے ملنے آیا۔ اس وقت گھر میں حضرت عائشہؓ موجود تھیں، آپ نے آہستہ سے فرمایا: ''یہ برا آدمی ہے''، پھر حضرت عائشہؓ سے پردہ کرا کے اس شخص کو اندر بلالیا اور ہنس ہنس کر اس سے باتیں کرنے لگے۔ جب وہ چلا گیا تو حضرت عائشہؓ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول آپ نے اسے برا آدمی قرار دیا اور پھر اس کے ساتھ ہنس ہنس کر باتیں بھی کیں۔ آپؐ نے جواب دیا:

''سب سے برا آدمی وہ ہے جس کے شر کی وجہ سے لوگ اس سے بچیں۔''[4]

ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ کہیں تشریف لے جا رہے تھے۔ حضرت انس بن مالکؓ ساتھ میں تھے۔ آپ اس وقت موٹے حاشیہ کی ایک نجرانی چادر اوڑھے ہوئے تھے۔ راستے میں ایک بدّو ملا۔ اس نے آپ کی چادر پکڑ کر اتنی زور سے کھینچا کہ گردن پر اس کا

---

[1] جامع ترمذی، ابواب البر والصلۃ، باب ماجاء فی صنائع المعروف، ۱۹۵۶

[2] صحیح بخاری، کتاب الادب، باب التبسم والضحک، ۳۰۲۰

[3] شمائل ترمذی، باب ماجاء فی ضحک رسول اللہ

[4] موطا، کتاب حسن الخلق، باب ماجاء فی حسن الخلق۔ صحیح بخاری، کتاب الادب، ۶۰۵۴

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

نشان پڑ گیا اور کہا: ''اے محمد اللہ نے تمھیں جو مال دیا ہے اس میں سے مجھے بھی دو'' آپؐ اس کی طرف متوجہ ہوئے، اس کی اس حرکت پر مسکرائے اور اسے کچھ مال دینے کا حکم دیا۔[1]

مجلسوں میں خوش طبعی

اللہ کے رسول ﷺ اپنے اصحاب کے درمیان کچھ ارشاد فرماتے تو صحابہ ہمہ تن گوش ہو کر سنتے، صحابہ کچھ بیان کرتے تو آپ بھی ان کی گفتگو میں شریک ہوتے، کوئی بات تفریح طبع کی ہوتی تو آپ بھی اس سے پورا مزہ لیتے، صحابہ کسی بات پر ہنستے تو آپ بھی ان کا ساتھ دیتے۔ کسی صحابی کی کوئی 'حرکت' یا کوئی انداز آپ کے روئے انور پر مسکراہٹیں بکھیر دیتا تھا۔

حضرت ابورمثہؓ بیان کرتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ اپنے باپ کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپؐ نے میری طرف اشارہ کر کے میرے باپ سے دریافت کیا: ''یہ تمھارا بیٹا ہے؟'' میرے باپ نے جواب دیا: ''جی ہاں، رب کعبہ کی قسم! میں بالکل صحیح کہہ رہا ہوں، یہ میرا بیٹا ہے''۔ ابورمثہؓ بیان کرتے ہیں: میری شباہت میرے باپ سے ملتی جلتی تھی، پھر بھی قسم کھا کر میرے باپ کے اس انداز سے جواب دینے پر اللہ کے رسول ﷺ ہنس پڑے اور فرمایا:

> ''ہر شخص اپنے اعمال کا ذمہ دار ہے۔ تمھارا بیٹا کوئی جرم کرے گا تو اس کی باز پرس تم سے نہ ہوگی اور تمھارے کسی غلط کام کا مواخذہ تمھارے بیٹے سے نہیں ہوگا''، پھر آپؐ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ (فاطر ۳۵:۱۸) کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گا''۔[2]

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الادب، باب التبسم والضحک، ۶۰۸۸

[2] سنن دارمی، کتاب الدیات، باب لایواخذ احد بجنایۃ غیرہ، حدیث: ۲۳۸۸، ۲۳۸۹

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ایک صحابیہؓ نے حضور کی خدمت میں حاضر ہو کر شکایت کی کہ ان کے شوہر نے انھیں مارا ہے۔ آپؐ نے ان کے شوہر کو بلا کر وجہ دریافت کی۔ انھوں نے عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول! یہ مجھے ستاتی ہے''۔ حضور ﷺ نے فرمایا: ''سلمیٰ تم نے کیوں ستایا؟'' صحابیہ نے عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول ﷺ! میں نے ستایا نہیں ہے، بات یہ تھی کہ نماز پڑھنے کے دوران ان کی ریاح خارج ہوگئی تو میں نے کہا کہ اللہ کے رسول ﷺ نے مسلمانوں کو حکم دیا ہے کہ اگر کسی کی ریاح خارج ہو جائے تو وضو ٹوٹ جاتا ہے، اسے دوبارہ وضو کرنا چاہیے۔ بس اسی بات پر انھوں نے مجھے مارا۔ یہ سن کر اللہ کے رسول ﷺ ہنسنے لگے اور فرمایا: ''اے ابورافعؓ! اس نے تو تم سے اچھی بات کہی تھی''۔[1]

حضور ﷺ کی ایک مجلس میں دیہات میں رہنے والے ایک صحابی موجود تھے۔ آپؐ نے فرمایا: ''جنت میں ایک شخص اللہ تعالیٰ سے اجازت طلب کرے گا کہ میں کھیتی کرنا چاہتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: کیا جو کچھ تمھیں حاصل ہے وہ کافی نہیں؟ وہ عرض کرے گا: ہاں، لیکن میری خواہش ہے کہ کھیتی کروں۔ چنانچہ وہ بوائی کرے گا اور دیکھتے ہی دیکھتے کھیتی بڑھ کر پک کر تیار ہو جائے گی۔ پھر کٹائی ہو کر پہاڑ کی طرح ڈھیر لگ جائے گا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: ''یہ سب تمھارا ہے''۔ دیہاتی نے برجستہ کہا: ''اللہ کی قسم وہ کوئی قریشی یا انصاری ہوگا۔ وہی لوگ کھیتی کرتے ہیں''۔ اس کی اس برجستگی پر اللہ کے رسول ﷺ ہنس دیے۔[2]

اچانک ہنسی کے بعض واقعات

احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بسا اوقات آں حضرت ﷺ بغیر کسی بات کے، اچانک ہنس دیتے۔ وہاں موجود صحابہ ہنسی کی وجہ دریافت کرتے، یا دریافت نہ بھی کرتے، تب بھی آپ خود ہی اس کی وضاحت فرما دیتے اور کسی ایسی حکمت کی بات کی طرف اشارہ

---

[1] مسند احمد، ۶/۲۷۲

[2] صحیح بخاری، کتاب الحرث والمزارعۃ، باب بدون ترجمہ، ۲۳۴۸

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

فرماتے جو درس و تعلیم سے پُر ہوتی۔

حضرت صہیبؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ تشریف فرما تھے۔ آپ کے اردگرد صحابہ کی ایک جماعت تھی۔ اچانک آپؐ ہنس دیے، پھر خود ہی صحابہ سے یوں مخاطب ہوئے: ''کیا تم لوگ پوچھو گے نہیں کہ میں کیوں ہنسا ہوں؟'' صحابہ نے عرض کیا: ''کیا بات ہے؟ اے اللہ کے رسول!'' فرمایا:

''مومن کا معاملہ بھی عجیب و غریب ہے۔ اس کے ہر معاملے میں خیر ہے۔ اگر اسے کوئی بھلائی حاصل ہوتی ہے اور وہ اس پر اللہ کا شکر ادا کرتا ہے، تو اس میں اس کے لیے خیر ہوتا ہے اور اگر اسے کوئی تکلیف پہنچتی ہے اور اس پر وہ صبر کرتا ہے تو اس صورت میں بھی وہ خیر کا مستحق ہوتا ہے''۔[1]

ایک مرتبہ آں حضرت ﷺ نے پانی منگوایا اور وضو کیا، پھر ہنسنے لگے، پھر خود سوال کیا: ''کیا تم لوگ میرے ہنسنے کی وجہ دریافت نہیں کرو گے؟'' صحابہ نے عرض کیا: ''یارسول اللہ ﷺ فرمائیے'' آپ نے ارشاد فرمایا:

''بندۂ مومن جب وضو میں اپنے چہرے کو دھوتا ہے تو اللہ تعالیٰ چہرے سے سرزد ہونے والی خطاؤں کو معاف کر دیتا ہے۔ جب ہاتھ دھوتا ہے تو ہاتھ سے سرزد ہونے والی خطاؤں سے درگزر فرما دیتا ہے۔ اسی طرح جب سر کا مسح کرتا اور اپنے پیروں کو دھوتا ہے تو اللہ تعالیٰ ان اعضا سے ہونے والی لغزشوں کو معاف کر دیتا ہے''۔[2]

ایک مرتبہ آپؐ سواری پر سوار ہوئے تو یہ دعا پڑھی: **انی ظلمت نفسی فاغفرلی فانه لا یغفر الذنوب الا انت** (اے اللہ میں نے اپنے آپ پر ظلم کیا ہے۔ تو میرے گناہوں کو معاف کر دے۔ تیرے علاوہ اور کوئی گناہوں کو معاف نہیں کر سکتا) پھر ہنسنے لگے۔ اس وقت وہاں حضرت علی بن ابی طالبؓ موجود تھے۔ انھوں نے سوال کیا:

---

[1] سنن دارمی، کتاب الرقائق، باب المومن یوجر فی کل شیئ، مسند احمد، ۶/۱۶

[2] مسند احمد، ۱/۵۸

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

''اے اللہ کے رسول ﷺ! آپ کیوں ہنسے؟ فرمایا:

''جب بندہ اپنے رب سے اپنے گناہوں کی معافی چاہتا ہے تو وہ بہت خوش ہوتا ہے اور فرماتا ہے کہ اس بندے کو یقین ہے کہ اس کے گناہوں کو معاف کرنے والا میرے علاوہ کوئی اور نہیں''۔[1]

کھلکھلا کر ہنسنا

احادیث میں بعض ایسے مواقع کی تفصیلات بھی محفوظ ہیں جب اللہ کے رسول ﷺ کھلکھلا کر ہنس پڑے۔ اس کے لیے احادیث میں حتّٰی بدت نواجذہ (یہاں تک کہ آپؐ کے داڑھ کے دانت نظر آنے لگے) کی تعبیر اختیار کی گئی ہے۔ عربی زبان میں دانتوں کے لیے مختلف الفاظ آتے ہیں۔ سامنے کے اوپر نیچے کے دو دو دانتوں کو 'ثنایا' اور ان کے بغل کے دانتوں (کچلی کے دانتوں) کو 'انیاب' کہتے ہیں اور ان دونوں کے مجموعہ پر 'ضواحک' کا اطلاق کیا جاتا ہے، یعنی وہ دانت جو ہنستے وقت دکھائی دیتے ہیں۔ 'انیاب' کے بغل میں پائے جانے والے دانتوں کو 'نواجذ' (داڑھ کے دانت) کہتے ہیں، یہ اس وقت دکھائی دیتے ہیں جب آدمی کھلکھلا کر ہنسے۔ ایسے چند مواقع کا تذکرہ، جب اللہ کے رسول ﷺ کو بے ساختہ ہنسی آ گئی تھی اور آپ کھلکھلا کر ہنس پڑے تھے، دل چسپی کا باعث ہوگا۔

حضرت ابوذرؓ سے روایت ہے کہ آں حضرت ﷺ نے فرمایا:

''قیامت کے دن ایک شخص کو بارگاہ الٰہی میں لایا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرمائے گا: اس کے سامنے اس کے چھوٹے چھوٹے گناہ پیش کرو۔ اس وقت اس کے بڑے بڑے گناہ چھپا لیے جائیں گے۔ پھر اس سے کہا جائے گا: تم نے فلاں دن یہ گناہ، فلاں دن یہ گناہ کیا تھا۔ وہ انکار نہ کر سکے گا، اقرار کرتا جائے گا۔ ساتھ ہی اسے یہ خوف بھی

---

[1] شمائل ترمذی، باب ماجاء فی ضحک رسول اللہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

لاحق ہوگا کہ ابھی تو بڑے بڑے گناہوں کا حساب باقی ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اسے اس کی ہر برائی کے بدلے ایک نیکی کا اجر دے دو۔ یہ الٰہی الطاف وعنایات دیکھ کر وہ بول اٹھے گا: ''میرے اور بھی بہت سے گناہ ہیں جو میں یہاں نہیں دیکھ رہا ہوں''

حضرت ابوذرؓ بیان کرتے ہیں: میں نے دیکھا کہ یہ فرماتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کھلکھلا کر ہنس پڑے۔[1]

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''مجھے معلوم ہے کہ سب سے آخر میں جہنم سے نکل کر جنت میں جانے والا شخص کون ہوگا؟ ایک شخص جہنم سے گھسٹتا ہوا نکلے گا۔ اللہ تعالیٰ اس سے فرمائے گا: ''جنت میں چلے جاؤ''۔ وہ جنت کی طرف جائے گا تو اسے ایسا لگے گا کہ جنت بھر گئی ہے۔ وہ واپس آ کر عرض کرے گا: اے میرے رب! جنت تو بھر گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے پھر فرمائے گا: ''جا کر دیکھو'' وہ دوبارہ جائے گا۔ اس بار بھی اسے محسوس ہوگا کہ جنت میں اب اس کے لیے کوئی جگہ نہیں بچی ہے۔ وہ واپس آ کر عرض کرے گا: ''اے میرے رب! جنت میں اب کوئی جگہ نہیں بچی ہے''۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: ''تم جنت میں جاؤ، وہاں تمھارے لیے دنیا کے برابر اور اس کا دس گنا ہے''۔ وہ عرض کرے گا: ''اے اللہ! آپ شہنشاہ ہو کر مجھ سے مذاق کرتے ہیں!''۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بیان کرتے ہیں: یہ فرماتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کھلکھلا کر ہنس پڑے۔[2]

یہ چند واقعات ہمارے سامنے سیرت نبوی کا ایک دل کش باب وا کرتے ہیں،

---

[1] شمائل ترمذی، حوالہ سابق

[2] صحیح بخاری، کتاب الرقاق، باب صفۃ الجنۃ والنار، ۶۵۷۱

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جہاں الفت و محبت ہے، لطف و کرم ہے، خوش طبعی اور خندہ روئی ہے، تفریح طبع اور مزاح لطیف ہے، مسکراہٹیں اور کھلکھلاہٹیں ہیں۔ یہ واقعات جہاں ایک طرف ہمارے سامنے آں حضرت ﷺ کی نجی زندگی کا ایک پہلو روشن کرتے ہیں وہیں دوسری طرف ہمیں زندگی گزارنے اور متعلقین کے ساتھ برتاؤ کرنے کا ایک اسوہ بھی دکھاتے ہیں اور ان سے واضح ہوتا ہے کہ تقویٰ، بزرگی اور عظمت چہرے پر رعونت طاری رکھنے، پیشانی پر شکن ڈالنے، گردن ٹیڑھی کر کے بات کرنے، یا مہر بہ لب رہنے کا نام نہیں ہے، بلکہ اصل زندگی خوشیاں بانٹنے اور مسکراہٹیں بکھیرنے سے عبارت ہے۔

☆☆☆

www.KitaboSunnat.com

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

صُفّۂ مدینہ - سرچشمۂ علم و دانش

اسلام میں علم کی غیر معمولی اہمیت کی وجہ سے دنیا کے گوشے گوشے میں مسلمانوں نے تعلیم اور خاص طور پر دینی تعلیم کا نظم قائم کر رکھا ہے۔ کسی ایسے خطے کا تصور مشکل سے کیا جا سکتا ہے جہاں مسلمانوں کی ایک تعداد، خواہ کتنی ہی مختصر کیوں نہ ہو، رہتی بستی ہو اور وہاں بچوں کو قرآن پڑھانے اور دین کی بنیادی باتیں سکھانے کے لیے ایک مکتب اور مدرسہ قائم نہ ہو۔ دنیا میں علم کی جو شمعیں جل رہی ہیں، خواہ وہ مکاتب و مدارس کی شکل میں ہوں، یا عظیم تعلیمی اداروں اور دانش گاہوں کی شکل میں، ان کا شجرۂ نسب ہجرتِ مدینہ کے بعد وجود میں آنے والے اس سایہ دار چبوترہ سے جا ملتا ہے جسے ہم 'صفہ' کے نام سے جانتے ہیں۔

آج دینی مدارس کے مقصدِ وجود، افادیت اور مطلوبہ کردار سے متعلق بحثیں کی جا رہی ہیں۔ انھیں عصر حاضر کے تقاضوں سے ہم آہنگ کرنے کے لیے ان کے نظامِ تعلیم اور نصابِ تعلیم میں تبدیلی کے مشورے دیے جا رہے ہیں۔ ان کی سمتِ سفر درست کرنے کا مطالبہ کیا جا رہا ہے۔ ایسے حالات میں ضروری ہو جاتا ہے کہ ہم اس اولین دانش گاہ کا تفصیلی مطالعہ کریں جو رسول اللہ ﷺ کی براہ راست نگرانی میں قائم ہوئی تھی، خود رسول اللہ ﷺ اور اکابر صحابہ جس کے معلم و مربی تھے اور علم دوست اور علم پرور اصحابِ خیر نے جس کا انتظام و انصرام سنبھال رکھا تھا۔ تعلیم اور تربیت دونوں معاملات میں اس کے نقشِ قدم کی پیروی میں دنیا اور آخرت دونوں میں فلاح و کامرانی مضمر ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

صفہ کا محل وقوع

رسول اللہ ﷺ نے اہلِ مدنیہ کی تعلیم و تربیت کا نظم اپنے مدینہ پہنچنے سے پہلے ہی کر دیا تھا۔ بیعتِ عقبہ اولیٰ کے بعد جب اہلِ یثرب نے واپسی کا ارادہ کیا تو آپ نے ان کے ساتھ حضرت مصعب بن عمیرؓ کو کر دیا اور انھیں حکم دیا کہ ان لوگوں کو قرآن پڑھائیں، اسلام کی تعلیم دیں اور دین کے مسائل سے باخبر کریں۔ انہیں مدینہ میں 'مقری' کہا جاتا تھا۔[1]

جب رسول اللہ ﷺ مدینہ تشریف لائے تو وہاں آپؐ نے پہلا کام مسجد نبوی کی تعمیر کا کیا۔ تعمیر مسجد کے لیے جو جگہ تجویز ہوئی وہاں ایک کھلیان تھا، جس کی ملکیت سہل اور سہیل نام کے دو یتیم لڑکوں کی تھی۔ یہ لڑکے حضرت اسعد بن زرارہؓ کی سرپرستی میں تھے۔ انھوں نے اس کھلیان کی چہار دیواری کروا رکھی تھی۔ وہاں وہ حضور ﷺ کی آمد سے قبل اپنے ساتھیوں کے ساتھ نماز پڑھتے تھے اور جمعہ کے دن تمام مسلمانوں کے ساتھ نماز جمعہ بھی ادا کرتے تھے۔ اس کا قبلہ بیت المقدس کی جانب تھا۔[2]

رسول اللہ ﷺ نے اس کھلیان کی قیمت ادا کر کے وہاں مسجد تعمیر کرنے کا حکم دیا۔ اس جگہ جھاڑ جھنکاڑ، کھجور کے درخت اور کچھ پرانی قبریں تھیں۔ گھاس کاٹ کر صفائی کر دی گئی، زمین ہموار کر دی گئی، کھجور کے درختوں کو کاٹ کر انہیں قبلہ رو ترتیب سے لگا کر کھمبوں کی حیثیت سے استعمال کر لیا گیا۔[3]

بیش تر مؤرخین کے نزدیک مسجد کی لمبائی شمال سے جنوب تک ستر ہاتھ اور چوڑائی مشرق سے مغرب تک ترسٹھ ہاتھ رکھی گئی، نماز قبلۂ اول بیت المقدس کی طرف رخ کر کے ادا کی جاتی تھی۔ قبلہ کی سمت میں تین برآمدے تھے۔ ہر برآمدے میں چھ ستون

---

[1] سیرۃ النبی، عبدالملک بن ہشام: المکتبۃ التجاریۃ الکبریٰ، مصر ۱۹۳۷ء، ۲/۴۲

[2] الطبقات الکبریٰ، محمد بن سعد، دار صادر بیروت ۱۳۸۰ھ/۱۹۶۰ء، ۱/۲۳۹

[3] صحیح بخاری، کتاب مناقب الانصار، باب مقدم النبی واصحابہ المدینۃ، حدیث نمبر ۳۹۳۲، طبقات ابن سعد، ۱/۲۳۹

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تھے۔ مسجد میں تین دروازے کھولے گئے۔ ایک مسجد کے عقب میں، یعنی موجودہ قبلہ کی دیوار میں، کیوں کہ اس وقت قبلہ بیت المقدس تھا۔ دوسرا دروازہ مغربی دیوار میں۔ یہ دروازہ باب عاتکہ کے نام سے معروف تھا، بعد میں باب الرحمۃ کے نام سے مشہور ہوا۔ تیسرا دروازہ مشرقی دیوار میں۔ اسے پہلے باب عثمان اور بعد میں باب جبرئیل کے نام سے شہرت ملی۔[1]

مسجد کی تعمیر مکمل ہونے کے بعد بیت المقدس کی جانب سولہ یا سترہ ماہ تک نماز ہوتی رہی۔ تحویلِ قبلہ کے بعد مسجد میں درج ذیل تبدیلیاں کی گئیں:

☆ قبلہ شمال کے بجائے جنوب کی طرف ہوگیا۔

☆ جنوبی دروازہ بند کر کے شمالی دیوار میں دروازہ کھولا گیا۔

☆ شمالی حصہ کی طرح جنوبی حصہ میں بھی تین سائبان بنائے گئے۔

☆ باب عثمان اور باب عاتکہ اپنی جگہ برقرار رہے۔[2]

☆ قبلہ کی دیوار پہلے مسجد کے شمال میں تھی۔ جب قبلہ تبدیل ہوا تو قبلہ کی اونچی دیوار سے ملا ہوا سائبان اہل صفہ کی رہائش گاہ قرار پایا اور اسی نسبت سے باقی رہا۔

کیا تحویلِ قبلہ سے قبل بھی مسجدِ نبوی کے ایک حصے میں صفہ موجود تھا؟ یا تحویلِ قبلہ کے بعد اس حصہ کو، جس میں پہلے نماز ادا کی جاتی تھی، بے گھر لوگوں کے لیے خاص کر دیا گیا تھا؟ بعض محققین پہلی رائے رکھتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ پہلے جب قبلہ بیت المقدس تھا اور قبلہ کی دیوار جانب شمال میں تھی تو صفہ مسجد کے جنوبی حصے میں تھا۔ بعد میں جب قبلہ کعبۃ اللہ قرار پایا جو جنوب کی سمت میں ہے، تو صفہ مسجد کے شمال میں منتقل ہوگیا۔[3]

---

[1] وفاء الوفاء باخبار دار المصطفیٰ، جمال الدین السمھودی، مطبعۃ الآداب والمؤید، مصر ۱۳۲۶ھ، ۱/۲۴۰

[2] مسجد نبوی کی تعمیر و توسیع تاریخ کے آئینے میں، تالیف: ناجی محمد حسن عبد القادر انصاری، ترجمہ: محمد مصطفیٰ خاں ندوی، نادی المدینۃ المنورۃ الادبی، طبع اول ۱۹۹۹ء، ص ۶۵

[3] ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے لکھا ہے: ''ایک زمانہ میں سیرت النبی کی تالیف کے سلسلے میں مجھے تمنا ہوئی کہ عہد نبوی میں مسجد نبوی جیسی تھی اس کا نقشہ بناؤں۔ مجھے محسوس ہوا کہ اس امر میں ایک الجھن ہے۔ وہ یہ کہ مسجد نبوی کی ==

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

لیکن بعض قدیم مورخین کے بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ جس سائبان کو تحویلِ قبلہ سے قبل نماز کے لیے استعمال کیا جاتا تھا، تحویلِ قبلہ کے بعد اسے باقی رکھا گیا اور اسے بے گھر اصحاب کے لیے خاص کر دیا گیا۔ وہی 'صفہ' کے نام سے مشہور ہوا۔[1]

حافظ ذہبیؒ فرماتے ہیں:

"ان القبلة قبل ان تحوّل كانت في شمالي المسجد، فلما حوّلت القبلة بقي حائط المسجد الأول مكان أهل الصفة."[2]

(تحویل قبلہ کا حکم آنے سے پہلے قبلہ مسجد کے شمال کی جانب تھا (وہاں چھپر ڈال دیا گیا تھا) جب قبلہ بدل کر مسجد کے جنوب میں ہو گیا تو شمال میں مسجد کی دیوار سے لگا ہوا چھپر اہل صفہ کی رہائش گاہ قرار پایا۔)

مورخین و اصحابِ سیر نے صفہ کی نشان دہی مسجد نبوی کے آخری حصے میں کی ہے۔ قاضی عیاض (م ۵۴۴ھ) فرماتے ہیں:

==تعمیر ہوئی تو قبلہ بیت المقدس کی طرف تھا، جو مدینے کے شمال میں ہے اور کچھ عرصہ، شاید ۱۷ ماہ بعد، جیسا کہ تاریخ میں ذکر آتا ہے، قبلہ کعبۃ اللہ قرار پایا، جو مدینے کے جنوب میں ہے۔ اس کے لیے مسجد میں تبدیلی ضروری تھی۔ یوں اگر آج مسجد نبوی میں صفہ کا مقام قبلہ کے جنوب میں نظر آتا ہے تو عہد نبوی یعنی ہجرت کے ابتدائی ایام میں شمال میں ہونا چاہیے اور جب قبلہ کا رخ بدلا تو صفہ جو مسجد کے پچھلے حصے میں تھا، سامنے کے حصے میں آ گیا۔ اس لیے اس کو ختم کر دیا گیا اور وہاں نماز پڑھی جانے لگی، جب کہ وہ حصہ جہاں پہلے نماز ہوتی تھی وہ پچھلے حصے میں آ گیا اور وہاں نئے سرے سے 'صفہ' بنایا گیا۔" خطبات بہاول پور، ادارۂ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد، ۱۹۹۹ء، طبع ششم، ص ۳۶۹۔

[1] اردو دائرۃ المعارف الاسلامیہ میں بھی یہی بات لکھی ہوئی ہے: "جب قبلہ بجانب جنوب تبدیل ہو گیا تو شمالی دروازے کا سائبان قائم رہا۔ اس سائبان میں، جسے صفہ یا ظلہ کہتے تھے، آں حضرت ﷺ کے بے گھر اصحاب رہتے تھے"۔ طبع دانش گاہ پنجاب لاہور، ۱۹۸۴ء، طبع اول، ۲۰/۵۹۸

[2] وفاء الوفاء، ۱/۳۲۱، تاریخ الخمیس فی احوال انفس نفیس، حسین بن محمد بن الحسن الدیار بکری المطبعۃ العثمانیۃ، مصر ۱۳۰۲ھ، ۱/۳۹۱

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

"واما الصفّة فظلّة فی مؤخر مسجد النبی یأوی الیها المساکین، والیها ینسب أهل الصفّة."[1]

(صفہ مسجد نبوی کے پچھلے حصے میں بنے اس سائبان کو کہتے ہیں جو مساکین کی پناہ گاہ تھا۔ اسی کی طرف اہل صفہ کی نسبت کی جاتی ہے۔)

حافظ ابن حجرؒ (م ۸۵۲ھ) نے لکھا ہے:

"الصفّة مکان فی مؤخر المسجد النبوی مظلّل أعدّ لنزول الغرباء فیه ممّن لا ماوی له ولا أهل."[2]

(صفہ وہ سایہ دار جگہ (سائبان) ہے جو مسجد نبوی کے پچھلے حصے میں تھا۔ اسے ان لوگوں کے رہنے کے لیے تیار کیا گیا تھا جن کا گھر بار تھا نہ ان کے لیے کوئی جائے پناہ تھی۔)

علامہ ابن تیمیہؒ (م ۷۲۸ھ) فرماتے ہیں:

"اما الصفّة التی ینسب الیها أهل الصفّة من أصحاب ﷺ فکانت فی مؤخر مسجد النبی ﷺ فی شمال المسجد بالمدینة المنورة، کان یأوی الیها من فقراء المسلمین من لیس له أهل ولا مکان یأوی الیه."[3]

(صفہ جس کی جانب صحابۂ کرام میں سے اصحاب صفہ کی نسبت کی جاتی ہے، مدینہ منورہ میں مسجد نبوی کے پچھلے حصے میں شمالی جانب واقع تھا۔ اس میں غریب مسلمانوں میں سے وہ لوگ پناہ لیتے تھے جن کا کوئی گھر بار نہ تھا جہاں رہ سکیں)

علامہ ابن الاثیر الجزریؒ اصحاب صفہ کا تعارف ان الفاظ میں کراتے ہیں:

---

[1] وفاء الوفاء، حوالہ سابق، تاریخ الخمیس، حوالہ سابق

[2] وفاء الوفاء، حوالہ سابق، تاریخ الخمیس، حوالہ سابق

[3] فتاوی شیخ الاسلام ابن تیمیہ، طبع سعودی عرب، ۱۱/ ۳۸

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

"هم فقراء المهاجرين ومن لم يكن له منزل يسكنه، فكانوا يأوون الى موضع مظلّل في مسجد المدينة يسكنونه."[1]

(اصحاب صفہ سے مراد فقراء مہاجرین ہیں اور وہ لوگ ہیں جن کا کوئی گھر بار نہ تھا جہاں وہ رہتے، چنانچہ وہ مسجدِ مدینہ میں ایک سایہ دار جگہ میں سکونت اختیار کرتے تھے۔)

صفہ کب تک موجود رہا؟

صفہ مسجد نبوی میں کب تک موجود رہا؟ اس کے بارے میں کتب سیرت و تاریخ میں کوئی وضاحت نہیں ملتی۔ بہت سے فقرائے صحابہ ابتدا ہی میں مدینہ آ گئے تھے۔ بہت سے بعد میں اس وقت آئے جب مسجد کی تعمیر ہو چکی تھی۔ انھوں نے صفہ میں قیام کیا۔ بہت سوں کو فتح مکہ کے بعد اسلام قبول کرنے کی توفیق ملی، اس کے بعد وہ مدینہ آئے اور اصحاب صفہ میں شامل ہوئے۔ امام حاکمؒ (م ۴۰۵ھ) نے لکھا ہے:

"منهم من تقدّمت هجرته مثل عمار بن ياسر و سلمان وبلال و صهيب والمقداد وغيرهم، ومنهم من تاخرت هجرته، فسكن المسجد في جملة أهل الصفة، ومنهم من أسلم عام الفتح، ثم ورد معه وقعد في أهل الصفة اذ لم يأو بالمدينة الى أهل ولا مال."[2]

(صحابہ میں سے کچھ نے پہلے مدینہ ہجرت کی تھی، مثلاً عمار بن یاسر، سلمان، بلال، صہیب، مقداد وغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم، کچھ نے بعد میں ہجرت کی، یہ سب اہلِ صفہ کے ساتھ مسجد میں رہے۔ کچھ نے فتح مکہ کے سال اسلام قبول کیا۔ پھر رسول اللہ ﷺ کے پاس مدینہ آ گئے اور

---

[1] النہایۃ فی غریب الحدیث والاثر، ابن الاثیر الجزری، المطبعۃ العثمانیۃ، مصر ۱۳۱۱ھ، ۲/۲۶۷

[2] المستدرک للصحیحین، ابوعبداللہ الحاکم، دائرۃ المعارف النظامیہ، حیدرآباد، ۱۳۳۴ھ، ۳/۱۸

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

وہاں اہل صفہ کے ساتھ رہنے لگے۔ اس لیے کہ مدینہ میں ان کا گھر بار تھا نہ ان کے پاس مال تھا۔)

بہر حال یہ بات طے ہے کہ پورے عہدِ نبوی میں صفہ بے گھر لوگوں کی رہائش گاہ بنا رہا۔ حضور ﷺ کی وفات کے بعد مدینہ میں وہ ذات گرامی نہ رہی جس کی وجہ سے لوگ کشاں کشاں مدینہ کا رخ کرتے تھے اور معاشی پریشانی کے باوجود اس کی صحبت سے دُور رہنا گوارا نہ کرتے تھے۔ چنانچہ صحابہ، جن میں اصحابِ صفہ بھی شامل تھے، مدینہ سے نکل کر دوسرے علاقوں میں آباد ہوئے۔ بعض صحابہ کو سرکاری مناصب اور ذمہ داریاں دے کر دوسرے علاقوں میں بھیجا گیا۔ حضرت عمر بن الخطابؓ کے عہد میں معاشی فارغ البالی آئی تو انھوں نے تمام صحابہ کا روزینہ مقرر کر دیا۔ بعد میں غالباً حضرت عثمان بن عفانؓ کے عہدِ خلافت میں جب مسجد نبوی کی توسیع ہوئی تو صفہ کو ختم کر دیا گیا۔

اصحابِ صفہ کی تعداد

اصحابِ صفہ کی کوئی قطعی تعداد متعین کرنی مشکل ہے۔[1] متعدد اصحاب سیر نے ان کا تذکرہ جمع کرنے کی کوشش کی ہے۔ ان میں چار حضرات خصوصیت سے قابل ذکر ہیں:

☆ ابوسعید احمد بن محمد ابن الاعرابی (م ۳۴۰ھ) مؤلف اصحاب الصفۃ

☆ ابوعبداللہ الحاکم النیسابوری (م ۴۰۵ھ) مؤلف المستدرک للصحیحین

☆ ابوعبدالرحمٰن محمد بن حسین السلمی (م ۴۱۲ھ) مؤلف تاریخ اہل الصفۃ

☆ ابونعیم الأصبہانی (م ۴۳۰ھ) مؤلف حلیۃ الأولیاء وطبقات الأصفیاء

حافظ ابن حجرؒ نے ان اصحاب سیر کی کاوشوں پر یوں تبصرہ کیا ہے:

"وقد اعتنیٰ بجمع أصحاب الصفة ابن الاعرابی، والسلمی، والحاکم و أبونعیم، وعند کل منهم مالیس عند

---

[1] حضرت ابوہریرہؓ (جنھوں نے ۷ھ میں اسلام قبول کیا تھا) کی ایک روایت میں اصحاب صفہ کی تعداد ستر مذکور ہے۔ صحیح بخاری، کتاب الصلاۃ، باب نوم الرجال فی المسجد، حدیث نمبر ۴۴۲

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

الآخر، وفي بعض ما ذكروه اعتراض ومناقشة. "[1]

(ابن الاعرابیؒ، سلمیؒ، حاکمؒ اور نعیمؒ نے اصحابِ صفہ کا تذکرہ جمع کیا ہے۔ ہر ایک نے ان کے بارے میں کچھ ایسی باتیں لکھی ہیں جو دوسرے نے نہیں بیان کیں۔ ان میں سے بعض لوگوں کے بیانات پر اشکالات وارد ہوتے ہیں اور ان پر بحث ومناقشہ کی گنجائش ہے۔)

ابونعیمؒ کے کئی صدیوں بعد محمد بن عبدالرحمٰن السخاوی (م ۹۰۲ھ) نے اپنی کتاب رجحان الكفة في بيان نبذة من أخبار أهل الصفة میں ابونعیم کے بیان کردہ اسماء اصحاب صفہ کی تجرید کرتے ہوئے ان کو حروفِ معجم کے مطابق مرتب کیا۔[2]

امام حاکمؒ نے اصحاب صفہ کے ۳۶ نام ذکر کیے ہیں، ان میں سے دو صحابہ (حضرت عبداللہ بن عمر بن الخطابؓ اور حضرت حذیفہ بن الیمانؓ) کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ صفہ کے مستقل مکین نہیں تھے، البتہ اصحاب صفہ کے پاس کثرت سے آتے جاتے تھے اور کبھی کبھی انہی کے ساتھ سو بھی جایا کرتے تھے۔[3] ابونعیم نے الحلیۃ میں سو سے زائد اصحاب صفہ کے نام ذکر کیے ہیں۔[4]

کچھ عرصہ قبل ایک نامعلوم مصنف کا مخطوطہ شائع کیا گیا ہے۔ اس میں اصحاب صفہ کے (۱۰۸) نام ہیں۔ محشی نے تین ناموں کا اور اضافہ کیا ہے۔[5] بعض مصادر میں اصحاب صفہ کی تعداد چار سو مذکور ہے۔[6]

---

[1] فتح الباری بشرح صحیح البخاری، ابن حجر عسقلانی، دارالمعرفۃ بیروت، ۱/۵۳۶

[2] مقالہ 'اصحاب صفہ اور اشاعت اسلام' حارث سلیمان الضاری، ترجمہ: مسعود الرحمٰن خاں ندوی، سہ ماہی تحقیقات اسلامی علی گڑھ، ج ۲۲، شمارہ ۱، جنوری- مارچ ۲۰۰۵ء، ص ۹۳

[3] مستدرک حاکم، ۳/۱۸

[4] وفاء الوفاء، ۱/۳۲۱

[5] مقالہ 'اصحاب صفہ (تعلیمی اور معاشی جائزہ)' سید جلال الدین عمری، سہ ماہی تحقیقات اسلامی علی گڑھ، ج ۶، شمارہ ۴، اکتوبر- دسمبر ۱۹۸۷ء، ص ۳۱، (حاشیہ)

[6] تحقیقات اسلامی، جنوری- مارچ ۲۰۰۵ء، ص ۹۳

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حقیقت یہ ہے کہ صفہ میں رہنے والوں کی تعداد گھٹتی بڑھتی رہتی تھی۔ جو مہاجرین بے سروسامانی کے عالم میں مدینہ آتے تھے، صفہ ہی ان کی جائے پناہ ہوتی۔ اس میں سے کسی کا کہیں انتظام ہو جاتا تو وہاں منتقل ہو جاتا، کسی کی شادی ہو جاتی تو وہ کوئی گھر تلاش کر لیتا۔ چنانچہ صفہ میں رہنے والوں کی تعداد کبھی دس یا اس سے بھی کم ہو جاتی، کبھی بیس، کبھی تیس، کبھی اس سے بھی زیادہ اور کبھی کبھی ساٹھ ستر تک پہنچ جاتی تھی۔[1]

بعض حضرات دوسرے علاقوں سے تنہا یا وفد کی شکل میں مدینہ آتے تو ان کے عارضی قیام کا انتظام صفہ ہی میں کیا جاتا۔

ایک صحابی (طلحہ بصریؓ) کہتے ہیں کہ میں مدینہ آیا، وہاں میری کسی سے شناسائی نہیں تھی۔ میں صفہ میں ٹھہرا۔ وہاں میرا قیام اٹھارہ دن رہا۔ بعد میں میرا دوسرا انتظام ہو گیا۔[2]

عُکل وعُرینہ کے کچھ لوگ، جن کی تعداد آٹھ تھی، جب مدینہ آئے تو انھیں صفہ ہی میں ٹھہرایا گیا۔[3]

قرّاء میں سے صرف چند ہی اصحاب صفہ میں سے تھے

اصحاب صفہ کے بارے میں ایک بیان کی تصحیح ضروری معلوم ہوتی ہے۔

غزوۂ احد کے بعد ماہ صفر ۴ھ میں بئر معونہ کا مشہور حادثہ پیش آیا۔ رسول اللہ ﷺ نے ایک قبائلی سردار عامر بن مالک کے کہنے پر صحابہ کی ایک جماعت کو دعوت وتبلیغ کے مقصد سے علاقۂ نجد میں بھیج دیا۔ مگر عُصَیّہ، رعل اور ذکوان نامی قبائل نے بدعہدی کی، جس کے نتیجے میں صحابہ کی مذکورہ پوری جماعت شہید ہو گئی۔ ان صحابہ کی تعداد بعض روایات میں تیس، بعض میں چالیس اور زیادہ تر روایات میں، جو صحیح ہیں، ستر مذکور ہے۔

---

[1] فتاویٰ ابن تیمیہ، ۱۱/۴۱

[2] مسند احمد، طبع مصر، ۳۰/۴۸۷، تحقیق شعیب الارناؤط

[3] صحیح بخاری، حدیث نمبر: ۲۳۳، ۶۸۰۲، ۶۸۰۳، ۶۸۰۴، ۶۸۰۵، صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۱۶۷۱

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بعض محدثین اور اصحاب سیر کو غلط فہمی ہوگئی کہ یہ تمام صحابہ اصحاب صفہ میں سے تھے۔[1]

حافظ ابن حجرؒ نے حضرت ابوہریرہؓ کی ایک حدیث (جس میں اصحاب صفہ کی تعداد ستر مذکور ہے)[2] کی تشریح میں لکھا ہے:

"یشعر بانهم كانوا أكثر من سبعين، وهولاء الذين رآهم ابو هريرة غير السبعين الذين بعثهم النبي ﷺ في غزوة بئر معونة، وكانوا من أهل الصفة ايضاً، لكنهم أستشهدوا قبل اسلام ابي هريرة."[3]

(اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اصحاب صفہ کی تعداد ستر سے زیادہ تھی، یہ لوگ جنھیں حضرت ابوہریرہؓ نے دیکھا تھا، ان ستر صحابہ کے علاوہ ہیں جنھیں نبی ﷺ نے غزوۂ بئر معونہ میں بھیجا تھا۔ وہ لوگ بھی اصحاب صفہ میں سے تھے۔ لیکن وہ حضرت ابوہریرہؓ کے اسلام لانے سے قبل ہی شہید ہوگئے تھے۔)

صحیح بات یہ ہے کہ سریہ بئر معونہ میں شہید ہونے والے صحابۂ کرام میں سے چند ہی اصحاب صفہ میں سے تھے، ورنہ اکثریت انصار کی تھی۔

حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں:

"فبعث اليهم سبعين رجلاً من الأنصار، يقال لهم القرّاء، يقرءون القرآن، ويتدارسون بالليل يتعلّمون، وكانوا بالنهار يجيئون بالماء، فيضعونه في المسجد، ويحتطبون

---

[1] مولانا سید جلال الدین عمری نے بھی یہی بات لکھی ہے اور علامہ ابن حجرؒ کا حوالہ دیا ہے، ملاحظہ کیجیے: تحقیقات اسلامی، اکتوبر-دسمبر ۱۹۸۷ء، ص ۳۲

[2] صحیح بخاری، حدیث نمبر: ۴۴۲

[3] فتح الباری، ۱/۵۳۶

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

فیبیعونه و یشترون به الطعام لأهل الصفة والفقراء."[1]

(آں حضرت ﷺ نے انصار میں سے ستر افراد کو، جنھیں 'قرّاء' کہا جاتا تھا، اس مہم پر بھیجا۔ یہ حضرات رات میں قرآن پڑھتے تھے، اسے ایک دوسرے کو سناتے اور مذاکرہ کرتے اور علم حاصل کرتے تھے اور دن میں مسجد نبوی میں پانی کا انتظام کرتے، لکڑیاں کاٹ کر لاتے، انھیں بیچتے اور حاصل ہونے والی رقم سے اہل صفہ اور غریبوں کے لیے غلّہ خرید کر لاتے تھے۔)

حضرت انسؓ کی ایک دوسری روایت میں ان قرّاء کا تذکرہ ذرا تفصیل سے آیا ہے۔ فرماتے ہیں:

"ألا أحدثكم عن إخوانكم الذين كنّا نسمّيهم على عهد رسول الله ﷺ القرّاء، فذكر أنهم كانوا سبعين، فكانوا اذا جنّهم الليل انطلقوا الى معلّم لهم بالمدينة فيدرسون الليل حتى يصبحوا، فإذا أصبحوا فمن كانت له قوة استعذب من الماء وأصاب من الحطب، ومن كانت عنده سعة اجتمعوا فاشتروا الشاة وأصلحوها، فيصبح ذلك معلّقا بحجر رسول الله ﷺ."[2]

(کیا میں تمھیں تمھارے ان بھائیوں کے بارے میں نہ بتاؤں جنھیں ہم رسول اللہ ﷺ کے عہد میں 'قراء' کہتے تھے، ان کی تعداد ستر تھی، جب رات ہوتی تو وہ مدینہ کے ایک معلم کے گھر جاتے، وہاں رات بھر قرآن پڑھتے۔ جب صبح ہوتی تو ان میں سے جن لوگوں میں طاقت ہوتی وہ میٹھا پانی اور لکڑیاں فراہم کرنے میں لگ جاتے اور جن کے

---

[1] صحیح مسلم، کتاب الامارۃ، باب ثبوت الجنۃ للشہید، حدیث نمبر: ۱۷۷۷، صحیح بخاری، حدیث نمبر: ۱۰۰۲، مسند احمد، ۳/۲۷۰

[2] مسند احمد، ۳/۱۳۷

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

پاس کچھ مالی کشادگی ہوتی وہ اکٹھے ہوکر بکری خریدتے، اسے ذبح کرتے اور اس کا گوشت رسول اللہ ﷺ کے حجروں کے باہر لٹکا دیتے (کہ جسے ضرورت ہو گوشت استعمال کر لے۔)

یہ اصحاب دن میں لکڑیاں کاٹ کر، پھر اسے فروخت کر کے اصحابِ صفہ کے لیے غلہ کا انتظام کرتے تھے۔ اس سے یہ سمجھ لیا گیا کہ وہ خود بھی اصحاب صفہ میں سے تھے، حالاں کہ ایسا نہیں ہے۔ اول الذکر روایت میں صراحت ہے کہ وہ انصار میں سے تھے اور موخر الذکر روایت بتاتی ہے کہ ان میں سے کچھ مالی کشادگی رکھتے تھے۔ یہ ان انصار صحابہ کا انفاق اور اپنے غریب بھائیوں کی مدد کا جذبہ تھا جو انہیں اس کام پر آمادہ کرتا تھا۔

ابن ہشام نے سریۂ بئر معونہ میں شریک قراء صحابہ میں سے چھ کے نام ذکر کیے ہیں، جن میں سے چار انصار اور دو مہاجر تھے۔[1] دیار بکری نے لکھا ہے:

"لم يكن القراء المذكورون كلهم من الأنصار، بل كان بعضهم من المهاجرين مثل عامر بن فهيرة مولى أبي بكر الصديق، ونافع بن بديل بن ورقاء الخزاعي وغيرهما."[2]

(مذکورہ تمام قراء انصار میں سے نہیں تھے، بلکہ ان میں سے کچھ مہاجر تھے، مثلاً حضرت ابوبکر صدیقؓ کے آزاد کردہ غلام حضرت عامر بن فہیرہؓ اور حضرت بدیل بن ورقاء خزاعیؓ وغیرہ۔)

آگے انھوں نے سترہ نام ذکر کیے اور لکھا ہے:

"كان أكثرهم من الأنصار وأربعة من المهاجرين، وأمّر عليهم المنذر بن عمرو، أخا بني ساعدة، وهو أحد نقباء ليلة العقبة."[3]

---

[1] سیرۃ ابن ہشام، ۲/۱۸۵

[2] تاریخ الخمیس، ۱/۵۰۸

[3] ایضاً

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

(ان میں سے اکثر انصار تھے، مہاجرین میں سے صرف چار تھے، حضور نے ان کا سردار منذر بن عمرو کو بنایا تھا جن کا تعلق قبیلۂ بنو ساعدہ سے تھا۔ یہ ان لوگوں میں سے تھے جنھیں بیعتِ عقبہ کی رات 'نقباء' منتخب کیا گیا تھا۔)

اصحاب صفہ کا فقر و درویشی

اصحابِ صفہ کی زندگی بڑی تنگی ترشی کی تھی۔ ان کی گزر اوقات بہت مشکل سے ہوتی تھی، کھانے پینے اور پہننے اوڑھنے کا کوئی مستقل انتظام نہ تھا۔ جو کچھ مل جاتا کھا لیتے، جو کچھ مل جاتا پہن لیتے۔ فقر و فاقہ ان کا شعار اور توکل علی اللہ ان کا نشانِ امتیاز تھا۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کے صاحب زادے حضرت عبدالرحمٰن فرماتے ہیں:

"إنّ أصحاب الصفة كانوا أناسا فقراء"[1]

(اصحاب صفہ غریب لوگ تھے)

حضرت فضالہ بن عبیدؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز پڑھاتے تھے تو کچھ لوگ نماز پڑھتے پڑھتے جسمانی نقاہت کی وجہ سے اچانک گر پڑتے تھے، ان کو دیکھ کر بدو کہتے تھے: "یہ لوگ پاگل ہو گئے ہیں"۔ یہ اصحاب صفہ ہوتے تھے۔[2]

حضرت ابوہریرہؓ نے تفصیل سے اصحابِ صفہ کے احوال بیان کیے ہیں۔ اس سلسلے میں ان کی متعدد روایتیں ہیں۔ ایک روایت میں وہ فرماتے ہیں:

"رأيت سبعين من أصحاب الصفة، ما منهم رجل عليه رداء، إمّا ازار و إمّا كساء، قد ربطوا في أعناقهم، فمنها ما يبلغ نصف الساقين، ومنها ما يبلغ الكعبين، فيجمعه بيده كراهية ان ترى عورته."[3]

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الصلوٰۃ، باب السمر مع الاھل والضیف، حدیث نمبر: ۶۰۲، نیز ملاحظہ کیجیے احادیث: ۶۱۴۱، ۶۱۴۰، ۳۵۸۱

[2] جامع ترمذی، ابواب البر، باب ماجاء فی معیشۃ اصحاب النبی، حدیث نمبر: ۲۳۶۸، صحیح لالبانی، مسند احمد، ۱۸/۶

[3] صحیح بخاری، کتاب الصلوٰۃ، باب نوم الرجال فی المسجد، حدیث نمبر: ۴۴۲

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

(میں نے ستر اصحاب صفہ کو اس حال میں دیکھا ہے کہ ان کے پاس تن ڈھانپنے کے لیے پورا لباس نہیں ہوتا تھا۔ صرف تہبند یا ایک کپڑا ہوتا تھا جسے وہ اوپر کر کے اپنی گردن میں باندھ لیتے تھے، کچھ کا کپڑا پنڈلیوں کے نصف تک اور کچھ کا ٹخنوں تک پہنچتا تھا۔ وہ اسے سمیٹے رہتے تھے تاکہ بے ستری نہ ہو۔)

ایک روایت میں وہ اہل صفہ کا عمومی حال بیان کرتے ہوئے بطور خاص اپنا تذکرہ کرتے ہیں:

"كان أهل الصفة أضياف أهل الاسلام، لايأوون على أهل ولا مال، والله الذى لا الٰه الا هو، إن كنت لأعتمد بكبدى على الأرض من الجوع و أشدّ الحجر على بطنى من الجوع."[1]

(اہل صفہ اہل اسلام کے مہمان تھے، ان کا گھر بار تھا نہ ان کے پاس مال تھا۔ اللہ کی قسم جس کے علاوہ کوئی معبود نہیں، میں بھوک کے مارے زمین پر اپنا پیٹ پکڑ کر بیٹھ جاتا تھا اور بھوک کی شدت کم کرنے کے لیے پیٹ پر پتھر باندھ لیا کرتا تھا۔)

محمد بن سیرینؒ بیان کرتے ہیں: ایک مرتبہ میں کچھ دیگر حضرات کے ساتھ حضرت ابوہریرہؓ کی مجلس میں تھا۔ وہ کتان کا ایک رنگین جوڑا زیب تن کیے ہوئے تھے۔ انھوں نے ایک کپڑے سے ناک صاف کی، پھر فرمایا: "بہت خوب، ابوہریرہ کتان کے کپڑے سے ناک صاف کرتا ہے۔ ایک زمانہ تھا کہ میں بھوک کے مارے منبر رسول ﷺ اور حجرۂ عائشہؓ کے درمیان غش کھا کر گر پڑتا تھا۔ دیکھنے والے سمجھتے تھے کہ مجھے جنون ہو گیا ہے، حالاں کہ ایسا نہیں تھا۔ میرا یہ حال صرف بھوک کی وجہ سے ہوتا تھا۔[2]

---

[1] جامع ترمذی، ابواب صفۃ القیامۃ، باب قصۃ اصحاب الصفۃ، حدیث نمبر: ۲۴۷۷

[2] صحیح بخاری، کتاب الاعتصام، باب ماذکر النبی ﷺ وحض علی اتفاق اھل العلم، حدیث نمبر: ۷۳۲۴، جامع ترمذی، ابواب الزھد، باب ماجاء فی معیشۃ أصحاب النبی ﷺ، حدیث نمبر: ۲۳۶۷

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اصحاب صفہ کا فقر خود اختیاری تھا۔ وہ چاہتے تو گزر اوقات کے لیے جدّ و جہد کر سکتے تھے۔ محنت و مزدوری، تجارت وغیرہ کے ذریعے وہ اتنا مال حاصل کر سکتے تھے کہ ان کی مالی پریشانی دور ہو جاتی اور وہ آرام سے زندگی گزارتے، لیکن اس صورت میں انھیں رسول اللہ ﷺ کی مجلسوں اور صحبتوں سے محروم ہونا پڑتا، جس کے وہ حریص تھے۔ ان کی شدید خواہش تھی کہ وہ زیادہ سے زیادہ وقت آں حضرت ﷺ کے ساتھ گزاریں، آپؐ سے قرآن سیکھیں، آپؐ کے ارشادات سنیں، آپؐ سے دین کی تعلیم حاصل کریں اور دوسروں کے لیے انھیں محفوظ کر لیں۔

حضرت ابو ہریرہؓ دیگر مہاجرین و انصار کی مصروفیات اور اپنی فراغت کا موازنہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"إنّ إخواننا من المهاجرين كان يشغلهم الصفق بالأسواق، و إنّ إخواننا من الأنصار كان يشغلهم العمل في أموالهم، وانّ أباهريرة كان يلزم رسول الله ﷺ لشبع بطنه، ويحضر ما لايحضرون، ويحفظ مالا يحفظون."[1]

(ہمارے مہاجر بھائی تجارتی سرگرمیوں میں لگے رہتے تھے اور ہمارے انصار بھائی اپنی جائیدادوں میں مشغول رہتے تھے اور ابو ہریرہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ لگا رہتا تھا۔ اس کی ضرورت صرف اس سے پوری ہو جاتی تھی کہ بھوک مٹانے کے لیے کچھ مل جائے۔ وہ ان مواقع پر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر رہتا تھا جب دوسرے لوگ موجود نہیں رہتے تھے۔ اس نے رسول اللہ سے سن کر وہ چیزیں یاد رکھی ہیں جن کا دوسرے لوگوں کو علم نہیں ہے۔)

امام حاکمؒ اصحاب صفہ کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"تأملت الأخبار الواردة في أهل الصفة فوجدتهم من أكابر

---

[1] صحیح بخاری، کتاب العلم، باب حفظ العلم، حدیث نمبر: ۱۱۸، مزید ملاحظہ کیجیے احادیث: ۲۰۴۷، ۲۳۵۰، ۷۳۵۴

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

الصحابة رضي الله عنهم ورعاً وتوكلاً على الله عز وجل وملازمة لخدمة الله ورسوله ﷺ اختار الله تعالىٰ لهم ما اختاره لنبيه ﷺ من المسكنة والفقر والتضرّع لعبادة الله عزّ و جلّ وترك الدنيا لأهلها."[1]

(میں نے اصحاب صفہ کے بارے میں مروی واقعات میں غور کیا ہے۔ میں نے انھیں اکابر صحابہ میں سے پایا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والے، اس پر توکل کرنے والے اور اللہ اور اس کے رسول کی خدمت کے لیے ہمہ وقت تیار رہنے والے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے مسکنت، فقر، عبادت الٰہی میں انہماک اور ترکِ دنیا کو پسند کیا تھا، جس طرح اس نے ان چیزوں کو اپنے نبی کے لیے پسند کیا تھا۔)

دیگر صحابہ کے ذریعہ اہل صفہ کی خبر گیری

ایک طرف جہاں اصحاب صفہ نے خود کو رسول اللہ ﷺ کی مصاحبت، احادیثِ نبوی کی حفاظت، دین کی تعلیم اور دعوت و جہاد کے لیے وقف کر رکھا تھا، وہیں دوسری طرف دیگر صاحب حیثیت اور مال دار صحابہ نے، خواہ وہ انصار ہوں یا مہاجرین، ان کی مالی امداد، تعاون اور خبر گیری میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی تھی۔ وہ ان کی ضروریات کی جانکاری رکھتے، ان کی تکمیل کی کوشش کرتے اور دوسروں کو بھی اس کی جانب متوجہ کرتے تھے۔

اصحاب صفہ کی معاشی کفالت کی ایک صورت یہ اختیار کی گئی تھی کہ جو انصار صحابہ کھجور کے باغات کے مالک تھے وہ کھجور کے خوشے لا کر مسجد نبوی میں لٹکا دیا کرتے تھے۔ اصحاب صفہ حسب ضرورت ان میں سے کھجوریں توڑ توڑ کر کھاتے تھے۔ حضرت براءؓ فرماتے ہیں:

---

[1] مستدرک حاکم، ۳/۶۱

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

”کنا أصحاب نخل، فکان الرجل یأتی من نخله علی قدر کثرته وقلته، وکان الرجل یأتی بالقنو و القنوین، فیعلّقه فی المسجد، وکان أهل الصفة لیس لهم طعام، فکان أحدهم اذا جاع أتی القنو فضربه بعصاه، فیسقط البسر والتمر فیأکل.“[1]

(ہم کھجور کے باغات کے مالک تھے، ان باغات میں کم پھل آتے یا زیادہ، بہر حال ان کی پیداوار میں سے کچھ نہ کچھ ضرور نکالا جاتا، آدمی کھجور کے دو ایک خوشے لا کر مسجد نبوی میں لٹکا دیتا تھا۔ اہل صفہ، جن کے پاس کھانے کو کچھ نہ تھا، ان میں سے کسی کو بھوک لگتی تو وہ اس خوشے کے پاس آتا، لاٹھی سے اس پر مارتا، جو کچی پکی کھجوریں گرتیں انھیں اٹھا کر کھا لیتا۔)

حضرت طلحہ بصریؒ اپنا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ میں مدینہ آیا، وہاں میں نے کچھ دن صفہ میں گزارے۔ آگے فرماتے ہیں:

”حتی جئنا الیٰ إخواننا من الأنصار فواسونا.“[2]

(یہاں تک کہ ہم اپنے انصار بھائیوں کے پاس گئے۔ انھوں نے ہماری مدد اور خبر گیری کی۔)

اصحابِ صفہ کی مدد کرنے کا جذبہ صحابۂ کرام میں اس حد تک پایا جاتا تھا کہ جن صحابہ کے پاس مال نہ ہوتا وہ جنگل جاتے، لکڑیاں کاٹتے۔ بازار میں لا کر بیچتے اور حاصل ہونے والی رقم سے اصحاب صفہ کے لیے راشن کا انتظام کرتے۔

حضرت انس بن مالکؓ نے قراء صحابہ (جن کی اکثریت انصار میں سے تھی اور جو بعد میں بئر معونہ کے واقعہ میں شہید کر دیے گئے تھے) کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا ہے:

---

[1] جامع ترمذی، ابواب تفسیر القرآن، سورۂ بقرہ، ۲۹۸۷، صححہ الألبانی

[2] مسند احمد، ۳/ ۴۸۷، صححہ شعیب الارناؤوط، مستدرک حاکم، ۳/ ۱۵

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

"وكانوا بالنهار يجيئون بالماء فيضعونه في المسجد، ويحتطبون فيبيعونه ويشترون به الطعام لأهل الصفة والفقراء." [1]

(وہ دن میں پانی لے کر آتے اور مسجد میں رکھتے، لکڑی کاٹ کر لاتے، بازار میں لے جا کر بیچتے اور اس کی رقم سے اہل صفہ اور غریبوں کے لیے غلہ خریدتے۔)

حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک بار نبی کریم ﷺ نے اعلان کیا کہ جس کے یہاں دو آدمیوں کا کھانا ہو وہ اپنے ساتھ ایک آدمی اور لے جائے، جس کے یہاں چار آدمیوں کا کھانا ہو وہ اپنے ساتھ ایک یا دو آدمی لے جائے، میرے والد ابوبکرؓ اپنے ساتھ تین آدمیوں کو لے کر آئے اور خود نبی ﷺ اپنے ہم راہ دس آدمیوں کو لے کر گئے۔" [2]

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ حضرت جعفر بن ابی طالبؓ بڑے فیاض اور مساکین کا خیال رکھنے والے تھے۔ اس لیے ہم اور رسول اللہ ﷺ بھی انھیں 'ابوالمساکین' کہا کرتے تھے۔ وہ ہمیں وقتاً فوقتاً اپنے ساتھ گھر لے جاتے اور ہمیں کھانا کھلاتے۔ [3]

ایک موقع پر رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کے درمیان کچھ مال تقسیم کیا۔ حضرت عمر بن الخطابؓ نے درخواست کی: "اے اللہ کے رسول، اہل صفہ ان لوگوں سے زیادہ مستحق ہیں۔" [4]

---

[1] صحیح مسلم، کتاب الامارۃ، باب ثبوت الجنۃ للشہید، حدیث نمبر: ۶۷۷

[2] صحیح بخاری، کتاب المناقب، باب علامات النبوۃ فی الاسلام، حدیث نمبر: ۳۵۸۱، مزید ملاحظہ کیجیے احادیث نمبر: ۶۱۴۰، ۶۱۴۱

[3] صحیح بخاری، کتاب فضائل اصحاب النبی، باب مناقب جعفر بن ابی طالب، حدیث نمبر: ۳۷۰۹، ۵۴۳۲، جامع ترمذی، ابواب المناقب، مناقب جعفر بن ابی طالب، حدیث نمبر: ۳۷۶۴، قال الالبانی: حسن الاسناد

[4] صحیح مسلم، کتاب الزکوۃ، باب اعطاء من سال بفحش وغلظۃ، حدیث نمبر: ۱۰۵۶، مسند احمد، ۱/۲۰

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

رسول اللہ ﷺ کی عنایتِ خاص

رسول اللہ ﷺ خود بھی اصحاب صفہ کا بہت زیادہ خیال رکھتے تھے اور دوسروں پر انھیں ترجیح دیتے تھے۔ آپؐ ان کی براہ راست دیکھ بھال کرتے، ان کی ضروریات پر نظر رکھتے، انھیں پورا کرنے کی کوشش کرتے اور خاص طور پر ان کے خورد و نوش کے انتظامات کی فکر میں لگے رہتے۔

ایک موقع پر کہیں سے کچھ غلام آ گئے۔ حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ خدمت نبوی میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ خدمت کے لیے ہمیں بھی ایک غلام عنایت کر دیجیے۔ آپؐ نے سختی سے انکار کر دیا اور یہ ارادہ ظاہر فرمایا کہ انھیں بیچ کر ان کی رقم اصحاب صفہ پر خرچ کریں گے، جو اس وقت شدید پریشانیوں میں مبتلا ہیں:

"واللہ لا أعطیکما و أدع اهل الصفة تطوبطونهم، لا أجد ما انفق علیهم، ولکنی أبیعهم و أنفق علیهم أثمانهم."[1]

(اللہ کی قسم، میں تمھیں دوں اور اہل صفہ کو محروم رکھوں، یہ نہیں ہو سکتا، ان کے پیٹ بھوک سے چپکے ہوئے ہیں، ان پر خرچ کرنے کے لیے میرے پاس کچھ نہیں۔ میں ان غلاموں کو بیچ کر ان کی قیمت اصحاب صفہ پر خرچ کروں گا۔)

آں حضرت ﷺ کی خدمت میں صحابہ کرام وقتاً فوقتاً کھانے پینے کی چیزیں بھیجا کرتے تھے۔ کبھی کبھی آپؐ اصحاب صفہ کو ان میں شریک کر لیا کرتے تھے۔ بلکہ اگر بھیجی گئی چیز صدقہ ہوتی تو اسے پورا کا پورا اصحاب صفہ کے پاس بھیج دیا کرتے تھے۔ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں:

"وأهل الصفة أضیاف الإسلام، لا یأوون علیٰ أهل ولا مال ولا علیٰ أحد، إذا أتته صدقة بعث بها الیهم ولم یتناول

---

[1] مسند احمد، ۱/۱۰۶

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

منها شيئاً، واذا أتته هدية أرسل اليهم و أصاب منها وأشركهم فيها."[1]

(اہل صفہ مہمانانِ اسلام تھے، نہ ان کے اہل وعیال تھے، نہ ان کے پاس مال تھا اور نہ وہ کسی (انصاری) کے یہاں ٹھہرے ہوئے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کے پاس کہیں سے صدقہ کا مال آتا تو اسے ان کے پاس بھیج دیتے تھے اور اس میں سے خود کچھ تناول نہ کرتے تھے۔ اور اگر ہدیہ آتا تو اہل صفہ کو بلا بھیجتے، اس میں سے خود بھی کھاتے اور انھیں بھی شریک کر لیتے۔)

حضرت واثلہ بن الاسقعؓ (جو اصحاب صفہ میں سے تھے) بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا: جاؤ، دس اصحاب صفہ کو (اپنے کو شامل کر کے) بلا لاؤ۔ وہ آ گئے تو آپؐ نے ایک پیالہ میں ان کے لیے کھانے کی ایک چیز پیش کی۔ ان سب نے پیٹ بھر کر کھایا۔[2]

حضرت ابو ہریرہؓ ایک موقع کا ذکر تفصیل سے کرتے ہیں۔ وہ بھوک سے پریشان تھے، رسول اللہ ﷺ کی ان پر نظر پڑی تو سمجھ گئے۔ آپنے ساتھ گھر لے گئے۔ وہاں دودھ کا ایک پیالہ دیکھا۔ دریافت کرنے پر پتا چلا کہ کسی نے ہدیۃً بھیجا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: جاؤ تمام اہل صفہ کو بلا لاؤ۔ سب آئے۔ سب نے سیر ہو کر پیا، لیکن معجزاتی طور پر دودھ میں کچھ کمی نہ ہوئی۔[3]

حضرت ابو ہریرہؓ ہی سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ ہم لوگ بھوکے تھے۔ ہماری تعداد سات تھی۔ آں حضرت ﷺ نے ہمیں سات کھجوریں (ایک آدمی کے لیے ایک کھجور) عنایت فرمائیں۔[4]

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الرقاق، باب کیف کان عیش النبی واصحابہ.....الخ، حدیث نمبر: ۶۴۵۲

[2] مسند احمد، ۳/۴۹۰

[3] صحیح بخاری، حدیث نمبر: ۶۴۵۲، جامع ترمذی، ابواب صفۃ القیامۃ، باب قصۃ اصحاب الصفۃ، حدیث نمبر: ۲۴۷۷

[4] جامع ترمذی، ابواب صفۃ القیامۃ، حدیث نمبر: ۲۴۷۴، سنن ابن ماجہ، ابواب الزہد، باب معیشۃ اصحاب النبی، حدیث: ۴۱۵۷

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

رسول ﷺ کے ذریعہ اصحابِ صفہ کی دل جوئی اور نفسیاتی تربیت

آں حضرت ﷺ اصحاب صفہ کی دل جوئی کرتے، ان کے فقر اور بدحالی پر انھیں تسلی دیتے، بارگاہ الٰہی میں بلند مقام اور اجر وثواب کی امید دلاتے اور آئندہ خوش حالی اور کشادگی کی بشارت دیتے۔ اس طرح اصحاب صفہ کو نفسیاتی طور پر بڑا سکون ملتا اور ان کے حزن وملال میں کمی آتی۔

حضرت فضالہ بن عبیدؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ اصحاب صفہ میں سے کچھ لوگ بھوک کی شدت سے نماز میں غش کھا کر گر پڑے۔ نماز سے فارغ ہونے کے بعد رسول اللہ ان کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا:

"لو تعلمون مالكم عند الله لأحببتم أن تزدادوا فاقةً وحاجةً."[1]

(اگر تمھیں معلوم ہوجائے کہ تمھارے لیے بارگاہ الٰہی میں کیا کچھ ہے تو تم چاہو گے کہ مزید فاقہ اور فقر واحتیاج میں مبتلا رہو۔)

حضرت عرباض بن ساریہؓ فرماتے ہیں: نبی ﷺ ایک موقع پر ہمارے پاس تشریف لائے، ہم صفہ میں بیٹھے ہوئے تھے اور ہمارے جسموں پر حوتکیہ کے کپڑے (مختصر لباس) تھے۔ آپؐ نے ہم سے مخاطب ہوکر فرمایا:

"لو تعلمون ماذخر لكم ما حزنتم على مازوى عنكم، وليفتحنّ لكم فارس والروم"[2]

(اگر تمھیں معلوم ہوجائے کہ تمھارے لیے (بارگاہ الٰہی میں) کیا کچھ محفوظ ہے تو آج جن چیزوں سے تم محروم ہو ان پر تمھیں کچھ بھی غم نہ ہوگا اور ایک وقت آئے گا جب فارس اور روم تمھارے زیر نگیں ہوں گے۔)

---

[1] جامع ترمذی، ابواب الزہد، باب ماجاء فی معیشۃ اصحاب النبی، حدیث نمبر: ۲۳۶۸

[2] مسند احمد، ۴/ ۱۲۵، ۱۲۸

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حضرت ابوسعید خدریؓ بیان کرتے ہیں کہ میں فقراء مہاجرین کی ایک جماعت کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ ایک قاری ہمیں قرآن سنا رہا تھا۔ رسول اللہ ﷺ تشریف لائے تو آپ کو دیکھ کر قاری خاموش ہوگیا۔ آپؐ نے سلام کیا، پھر دریافت کیا: تم لوگ کیا کر رہے تھے؟ ہم نے عرض کیا: قاری ہمارے سامنے قرآن پڑھ رہا تھا اور ہم اللہ کی کتاب سن رہے تھے۔ آپؐ مساوات کا مظاہرہ کرتے ہوئے ہمارے درمیان بیٹھ گئے، پھر اشارہ سے ہمیں حلقہ بنانے کا حکم دیا۔ جب سب کے چہرے آپؐ کے سامنے ہوگئے تو آپؐ نے فرمایا:

”أبشروا یا معشر صعالیک المهاجرین بالنور التام یوم القیامة، تدخلون الجنة قبل أغنیاء الناس بنصف یوم، وذاک خمس مائة سنة.“[1]

(اے فقراء مہاجرین! روز قیامت مکمل نور کی بشارت قبول کرو۔ تم لوگ مال دار لوگوں سے نصف دن پہلے جنت میں جاؤ گے اور یہ نصف دن پانچ سو سال کے برابر ہوگا۔)

ایک مرتبہ آپؐ نماز سے فارغ ہوئے تو اصحاب صفہ میں سے بعض لوگوں نے شکایت کی کہ صرف کھجوریں کھاتے کھاتے ہمارے پیٹ میں جلن ہونے لگی ہے اور ہمیں خزف (معمولی کتان) کے جو موٹے کپڑے میسر تھے وہ بھی پھٹ رہے ہیں۔ آپؐ منبر پر تشریف لے گئے، اللہ کی راہ میں جو تکلیفیں آپؐ نے برداشت کی تھیں، ان کا تذکرہ کیا، پھر فرمایا:

”واللہ لو أجد لکم الخبز واللحم لأشبعتکم منه، ولکن عسیٰ أن تدرکوا أزماناً حتی یغدیٰ علیٰ أحدکم بجفنة ویراح علیکم بأخریٰ.“[2]

---

[1] سنن ابی داؤد، کتاب العلم، باب فی القصص، حدیث نمبر: ۳۶۶۵، قال الالبانی: ضعیف الاجملۃ دخول الجنۃ فصحیح

[2] مستدرک حاکم، ذکر مواساۃ رسول اللہ ﷺ اھل الصفۃ، ۳/ ۱۵، مسند احمد، ۳/ ۲۸۷ باختصار

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

(اگر میں تمھارے لیے گوشت روٹی فراہم کرسکتا تو وہی تمھیں پیٹ بھر کر کھلاتا۔ایک وقت آئے گا جب تم میں سے کسی کے سامنے صبح ایک برتن آئے گا اور شام دوسرا برتن (یعنی اس کے پاس انواع و اقسام کے کھانے ہوں گے)۔)

اصحاب صفہ کی تعلیم وتربیت کا نظم

آں حضرت ﷺ نے اصحاب صفہ کی تعلیم و تربیت کا معقول نظم کر رکھا تھا۔ انھیں پڑھنا لکھنا سکھایا جاتا، قرآن یاد کرایا جاتا اور دین کی تعلیم دی جاتی۔ جو حضرات صحابہ اس خدمت کو انجام دیتے تھے ان میں سے ایک حضرت عبادہ بن الصامتؓ ہیں۔ فرماتے ہیں:

"علّمت ناساً من أهل الصفة القرآن والكتاب"[1]

(میں نے اہل صفہ میں سے متعدد لوگوں کو قرآن اور کتابت کی تعلیم دی۔)

حضرت انسؓ نے قرّاء کے لقب سے مشہور صحابہ کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا ہے:

"فكانوا اذا جنّهم الليل انطلقوا الىٰ معلّم لهم بالمدينة فيدرسون الليل حتى يصبحوا"[2]

(جب رات ہوتی تو وہ مدینہ میں ایک معلم کے پاس جاتے اور اس کے پاس رات بھر قرآن پڑھتے، یہاں تک کہ صبح ہو جاتی۔)

دوسری روایت کے الفاظ یہ ہیں:

"يقرءون القرآن ويتدارسون بالليل يتعلمون"[3]

---

[1] سنن ابی داؤد، کتاب البیوع، باب فی کسب المعلم، حدیث نمبر: ۳۴۱۶، سنن ابن ماجہ، ابواب التجارات، باب الاجر علی تعلیم القرآن، حدیث نمبر: ۲۱۵۷، صححہ الالبانی

[2] مسند احمد، ۳/ ۱۳۷

[3] صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۲۶۹۹، مسند احمد، ۳/ ۰

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

(یہ لوگ رات میں قرآن پڑھتے، ایک دوسرے کو سناتے اور مذاکرہ کرتے اور دین کی تعلیم حاصل کرتے تھے۔)

رسول اللہ ﷺ کے ذریعے تعلیم وتربیت

سب سے بڑھ کر یہ کہ رسول اللہ ﷺ اصحاب صفہ کی تعلیم وتربیت کا خود خصوصی خیال رکھتے تھے۔ آپؐ ان کے ساتھ زیادہ سے زیادہ وقت گزارتے، انھیں دین کی باتیں بتاتے، مختلف تمثیلات کے ذریعے قرآن کی عظمت ان کے دلوں میں جاگزیں کرتے، کوئی لغزش یا کوتاہی ہوجاتی تو انھیں ٹوکتے اور رضائے الٰہی کے کاموں پر بارگاہ الٰہی میں اجر وانعام کی بشارت دیتے۔

حضرت اوس بن حذیفہ ثقفیؓ ایک مرتبہ کا واقعہ سناتے ہیں:

"إنّا لقعود عند رسول الله ﷺ في الصفة وهو يقصّ علينا ويذكّرنا."[1]

(ہم صفہ میں رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، آپ ہم سے باتیں کررہے تھے اور ہمیں تذکیر ونصیحت کررہے تھے۔)

ابن الاسقعؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ ایک مرتبہ اصحاب صفہ کے پاس تشریف لائے۔ ایک شخص نے آپؐ سے سوال کیا: قرآن کی سب سے عظیم الشان آیت کون سی ہے؟ آپؐ نے فرمایا:

﴿اللّٰهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ لَا تَأْخُذُهُ سِنَةٌ وَلَا نَوْمٌ لَهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِنْ عِلْمِهِ إِلَّا بِمَا شَاءَ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ وَلَا يَؤُودُهُ حِفْظُهُمَا وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيمُ﴾[2]

---

[1] سنن ابن ماجہ، ابواب الفتن، باب الكف عمن قال لا إله إلا الله، حدیث نمبر: ۳۹۲۹، صححہ الالبانی، مسند احمد، ۴/۸

[2] سنن ابی داؤد، کتاب الحروف والقراءات، باب نمبر ۳۵، حدیث نمبر: ۴۰۰۳، صححہ الالبانی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حضرت عقبہ بن عامرؓ فرماتے ہیں: ایک دن رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے۔ ہم صفہ میں تھے۔ آپؐ نے ہم سے سوال کیا: تم میں سے کون چاہتا ہے کہ روزانہ بطحان اور عقیق (مدینہ سے قریب دو وادیاں) جائے اور کسی گناہ کا ارتکاب اور کسی کی حق تلفی کیے بغیر دو بڑے کوہان والی اونٹنیاں لے کر آئے؟ ہم نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! ہم سب ایسا کرنا چاہیں گے۔ آپؐ نے فرمایا:

"أفلا يغدو أحدكم الى المسجد فيعلم او يقرأ آيتين من كتاب الله، خير له من ناقتين، وثلاث خير له من ثلاث، و أربع خير له من أربع، ومن أعدادهن من الإبل"[1]

(پھر تم میں سے کوئی کیوں نہیں مسجد جا کر کتاب اللہ کی دو آیتیں سیکھتا یا پڑھتا ہے، یہ اس کے لیے دو اونٹنیاں حاصل کرنے سے بہتر ہے، تین آیتیں پڑھنا تین اونٹنیوں سے اور چار آیتیں پڑھنا چار اونٹنیوں سے بہتر ہے، بلکہ جتنی آیتیں پڑھے اتنی اونٹنیوں سے بہتر ہے۔)

ایک موقع پر آپؐ نے دس اصحاب صفہ کو اپنے گھر کھانے پر بلایا۔ جب کھانا لگایا گیا تو آپؐ نے فرمایا:

"كلوا و كلوا من أسفلها، ولا تاكلوا من أعلاها، فان البركة تنزل من أعلاها"[2]

(کھاؤ، مگر نیچے سے (یعنی اپنے قریب سے) کھاؤ، اوپر سے نہ کھاؤ، اس لیے کہ برکت اوپر سے نازل ہوتی ہے۔)

حضرت جرہدؓ (جو اصحاب صفہ میں سے تھے) فرماتے ہیں کہ ایک موقع پر رسول اللہ ﷺ ہمارے درمیان تشریف فرما تھے، میری ران کھل گئی تو آپؐ نے فرمایا:

---

[1] صحیح مسلم، کتاب فضائل القرآن، باب فضل قراءة القرآن في الصلاة وتعلمه، حدیث نمبر: ۸۰۳، سنن أبي داود، کتاب الوتر، باب في ثواب قراءة القرآن، حدیث نمبر: ۱۴۵۶

[2] مسند احمد، ۳/۳۹۰

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

"اما علمت ان الفخذ عورة."[1]

(ارے، تمھیں معلوم نہیں کہ ران ستر میں داخل ہے۔)

حضرت عبداللہ بن عمروؓ بیان کرتے ہیں: ایک موقع پر میں مسجد نبوی میں بیٹھا ہوا تھا اور فقراء مہاجرین بھی حلقہ بنا کر بیٹھے ہوئے تھے، نبی ﷺ مسجد میں داخل ہوئے تو جا کر انہی کے ساتھ بیٹھ گئے۔ میں بھی اٹھ کر وہیں چلا گیا۔ آپؐ نے انھیں مخاطب کر کے فرمایا:

"ليبشّر فقراء المهاجرين بما يسرّ وجوههم، فانهم يدخلون الجنة قبل الأغنياء بأربعين عاماً."

(فقراء مہاجرین کو بشارت ہو۔ ان کے چہرے یہ سن کر کھل اٹھیں گے کہ وہ جنت میں مال داروں سے چالیس سال قبل داخل ہوں گے۔)

حضرت عبداللہ بن عمروؓ فرماتے ہیں: میں نے دیکھا کہ یہ سن کر ان فقرائے مہاجرین کے چہرے کھل اٹھے۔ میری خواہش ہونے لگی کہ کاش میں بھی انہی میں سے ہوتا۔[2]

اموالِ صدقہ کا حق صرف فقراء کا ہے

اصحاب صفہ کے سلسلے میں احادیث میں ایک واقعہ کا ذکر ملتا ہے جو بڑا عبرت انگیز ہے۔ اس سے رسول اللہ ﷺ کے انداز تربیت پر روشنی پڑتی ہے اور ہمیں بھی ایک اہم رہ نمائی ملتی ہے۔

حضرت علیؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ دونوں سے روایت ہے اور اسی سے ملتی جلتی روایت حضرت ابوہریرہؓ سے بھی مروی ہے[3] کہ اصحاب صفہ میں سے ایک شخص کا

---

[1] سنن ابی داؤد، کتاب الحمام، باب النہی عن التعری، حدیث نمبر: ۴۰۱۴، صححہ الالبانی

[2] سنن الدارمی، کتاب الرقاق، باب فی دخول الفقراء الجنۃ قبل الاغنیاء، حدیث نمبر: ۲۸۴۴، رواہ مسلم وابن حبان مختصراً

[3] مسند احمد ۲/ ۴۲۹، ۴۹۳

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

انتقال ہوگیا۔ ایک روایت میں اسے سیاہ فام غلام (عبداسود) کہا گیا ہے[1] لوگوں کو اس کی چادر میں دو دینار ملے۔ رسول اللہ ﷺ کو اس کی خبر دی گئی تو آپ نے فرمایا: "کیتان من نار" (یہ آگ کے دو انگارے ہیں)۔[2]

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ چاہتے تھے کہ اصحاب صفہ کے دلوں میں مال و دولت جمع کرنے کی حرص قطعاً نہ آنے پائے اور وہ فقر و فاقہ کو انگیز کرتے ہوئے اپنے مشن میں لگے رہیں۔ دوسرے اس سے ہمیں یہ رہ نمائی ملتی ہے کہ صدقہ و خیرات کے اموال پر پرورش پانے کا حق ان لوگوں کو قطعاً نہیں ہے جو دورانِ تعلیم اپنے مصارف برداشت کر سکتے ہوں۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے آں حضرت ﷺ کی ناراضی کا سبب یہ بتایا ہے:

> "ایسے شخص کو، جس کے پاس دو دینار جیسی خطیر رقم تھی، خیرات پر پرورش پانے کا کوئی حق نہ تھا۔ بہرحال انسانی فطرت کی ایسی مثالیں بھی ہمیں ملتی ہیں"۔[3]

اصحاب صفہ اور اشاعت علم

اصحاب صفہ نے آئندہ زندگی میں ہمہ جہت خدمات انجام دیں۔ انھوں نے مختلف معرکوں میں شریک ہوکر جہاد کیا اور شہادت پائی، اسلامی لشکروں اور فوجی مہموں کی قیادت کی، شہروں کے والی اور حکام بنائے گئے، ساتھ ہی ان کا ایک کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے فقہ و فتاویٰ کی مسندوں کو زینت بخشی، حدیث و سنت کی حفاظت و اشاعت کی اور علم کو فروغ دیا۔ ان اصحاب صفہ میں حضرت ابوہریرہؓ، حضرت ابوسعید خدریؓ، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ، حضرت ابوذر غفاریؓ اور حضرت سلمان فارسیؓ خصوصیت سے

---

[1] مسند احمد، ۱/۴۰۵، ۴۱۵

[2] مسند احمد، ۱/۱۰۱، ۱۳۷، ۱۳۸، ۴۲۱، ۴۵۲، قال شعیب الارناؤوط: اسنادہ حسن

[3] خطبات بہاول پور، ص ۲۷۰، ۲۷۱

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

قابل ذکر ہیں۔ انھوں نے آں حضرت ﷺ سے بہت سی روایتیں اخذ کیں، پھر ان سے بہت سے صحابہ اور تابعین نے یہ روایتیں نقل کیں اور دوسروں تک پہنچائیں۔ ان حضرات نے جہاں بھی سکونت اختیار کی، یا جہاں بھی انھیں بھیجا گیا، وہاں انھوں نے علم کی شمع روشن کی۔ بعض حضرات کے ذمے تعلیم ہی کی خدمت سپرد کی گئی تھی۔ مثلاً حضرت عمر بن الخطابؓ نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو اہل کوفہ کا معلم اور حضرت ابو ہریرہؓ کو اہل بحرین کا گورنر اور معلم بنا کر بھیجا تھا۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو فتویٰ دینے والے صحابہ کے طبقۂ اول میں شمار کیا جاتا ہے۔

ان تفصیلات سے واضح ہے کہ صفہ محض بے خانماں لوگوں کا ایک عارضی ٹھکانہ نہ تھا، جہاں وقتی طور پر ان لوگوں، کے خورد و نوش کا انتظام کیا گیا تھا، بلکہ وہ درحقیقت علم و دانش کا ایک مرکز اور گہوارہ تھا، جہاں سے نور نبوت کی کرنیں پھوٹیں اور ان سے پورا عالم منور ہو گیا۔

☆☆☆

www.KitaboSunnat.com

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

صُفّہ کا اسوہ

دنیا میں علم کی جو شمعیں جل رہی ہیں، خواہ وہ مکاتب و مدارس کی شکل میں ہوں یا عظیم تعلیمی اداروں اور دانش گاہوں کی شکل میں، ان کا شجرۂ نسب ہجرتِ مدینہ کے بعد وجود میں آنے والے اس 'سایہ دار چبوترہ' سے جاملتا ہے، جسے ہم 'صفہ' کے نام سے جانتے ہیں۔ آج دینی مدارس کے مقصدِ وجود، افادیت اور مطلوبہ کردار سے متعلق بحثیں کی جارہی ہیں، انھیں عصر حاضر کے تقاضوں سے ہم آہنگ کرنے کے لیے ان کے نظام تعلیم اور نصابِ تعلیم میں تبدیلی کے مشورے دیے جارہے ہیں، ان کی سمتِ سفر درست کرنے کا مطالبہ کیا جارہا ہے، ایسے حالات میں ضروری ہے کہ ہم اس اولین دانش گاہ کا تفصیلی مطالعہ کریں جو رسول اللہ ﷺ کی براہ راست نگرانی میں قائم ہوئی تھی، خود رسول اللہ ﷺ اور اکابر صحابہ جس کے معلّم و مربّی تھے اور علم دوست اور علم پرور اصحاب خیر نے جس کا انتظام و انصرام سنبھال رکھا تھا۔ تعلیم اور تربیت دونوں معاملات میں اس کا اسوہ اختیار کرنے میں دنیا اور آخرت دونوں میں فلاح و کامرانی مضمر ہے۔

ہجرت مدینہ کے بعد رسول اللہ ﷺ نے پہلا کام مسجد نبوی کی تعمیر کا کیا۔ اس مسجد میں بیت المقدس کی جانب رخ کر کے (جو شمال کی سمت میں تھا) سولہ سترہ ماہ تک نماز ہوتی رہی۔ اس کے بعد خانۂ کعبہ کی جانب (جو مدینہ سے جنوب کی سمت میں تھا) رخ کر کے ادائیِ نماز کا حکم ہوا۔ قبلہ کی دیوار پہلے مسجد کے شمال میں تھی، قبلہ تبدیل ہوا تو شمالی دیوار سے ملا ہوا سائبان بے گھر لوگوں کی رہائش گاہ قرار پایا[1] اور اسی نسبت سے وہ 'اہل صفہ' کہلائے۔

---

[1] تاریخ الخمیس فی احوال انفس نفیس، الحسین بن محمد بن الحسن الدیار بکری، المطبعۃ العثمانیۃ مصر، ص ۱/۳۹۱

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

آج کے دور میں صفہ اور اصحاب صفہ کو کن کن پہلوؤں سے اسوہ بنایا جاسکتا ہے، آئندہ سطور میں اس پر روشنی ڈالی جارہی ہے:

۱۔ تعلیم گاہ

'صفہ' کے بارے میں ایک عام تاثر یہ ہے کہ وہ خانماں لوگوں کا ٹھکانا تھا۔ دوسرے مقامات سے ہجرت کر کے جو لوگ مدینہ پہنچے وہ عارضی طور پر اس وقت تک مسجد میں قیام کرتے جب تک کہ کہیں ان کی رہائش کا مستقل نظم نہ ہو جاتا تھا۔ فقر و فاقہ ان کا شعار تھا، اور مال دار انصارِ مدینہ کی توجہ سے بہ دقت تمام ان کی گزر اوقات ہوتی تھی۔

اس تاثر کو تقویت حضرت ابو ہریرہؓ کی ان روایات سے ملتی ہے جن میں انھوں نے تفصیل سے اپنے فقر و مسکنت کا نقشہ کھینچا ہے۔[1] یہ تاثر بڑی حد تک غلط بھی نہیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مسجد نبوی کے 'صفہ' کو ایک تعلیم گاہ کی حیثیت دے دی تھی۔ اس تعلیم گاہ کے وابستگان میں صرف غریب اور بے یار و مددگار لوگ ہی نہیں تھے، بلکہ مال و دولت اور گھر بار رکھنے والے صحابہ بھی تھے۔ سیرت نبوی کے ایک واقعہ سے، جس کا تذکرہ کتب احادیث میں بھی ملتا ہے، اس کی تائید ہوتی ہے۔

۴ھ میں بئر معونہ کا واقعہ پیش آیا جس میں صحابہ کی ایک جماعت کو دھوکے سے قتل کر دیا گیا۔ ان صحابہ کی تعداد صحیح روایت کے مطابق ستر (۷۰) تھی۔ ان کے بارے میں حضرت انسؓ بن مالک فرماتے ہیں کہ "انھیں قراء کہا جاتا تھا، اس لیے کہ وہ رات میں اکٹھے ہو کر ایک معلّم کے پاس جاتے تھے اور قرآن سیکھتے تھے۔"[2] حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ یہ لوگ اصحاب صفہ میں سے تھے۔[3]

اس سے یہ غلط فہمی نہیں ہونی چاہیے کہ یہ وہی فقراء مہاجرین تھے جو انتہائی

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الصلوٰۃ، ۴۴۲، جامع ترمذی، ابواب صفۃ القیامۃ، ۲۴۷۷

[2] مسند احمد: ۳/۱۲۷

[3] فتح الباری، ابن حجر، طبع بیروت: ۱/۵۳۶

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بے سروسامانی کے عالم میں مسجد نبوی میں پڑاؤ ڈالے ہوئے تھے۔ بلکہ شہداء بئر معونہ کی اکثریت انصار میں سے تھی۔ ابن ہشام نے اس سریہ میں شریک قراء صحابہ میں سے چھ کے نام ذکر کیے ہیں، جن میں سے چار انصار اور دو مہاجر تھے۔[1] دیار بکری نے سترہ نام ذکر کیے ہیں اور لکھا ہے کہ ان میں صرف چار مہاجرین تھے، اکثریت انصار کی تھی۔[2] حضرت انسؓ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں سے بعض صحابہ مالی کشادگی رکھتے تھے۔ یہ کبھی کبھی بکری خرید کر اسے ذبح کرتے اور اس کا گوشت حجرات نبی ﷺ کے باہر لٹکا دیتے کہ جس کو ضرورت ہو اس میں سے لے جائے۔[3]

۲۔ متعلمین و معلمین

صفہ میں رہنے والوں کی تعداد گھٹتی بڑھتی رہتی تھی۔ جو مہاجرین بے سروسامانی کے عالم میں آتے تھے، صفہ ہی ان کی جائے پناہ ہوتی تھی۔ ان میں سے کسی کا کہیں انتظام ہو جاتا تو وہ وہاں منتقل ہو جاتا، کسی کی شادی ہو جاتی تو وہ کوئی گھر تلاش کر لیتا۔ چنانچہ صفہ میں رہنے والوں کی تعداد کبھی دس یا اس سے بھی کم رہ جاتی، کبھی بیس، کبھی تیس، کبھی اس سے بھی زیادہ اور کبھی ساٹھ ستر تک پہنچ جاتی۔[4] بعض حضرات دوسرے علاقوں سے تنہا یا وفد کی شکل میں مدینہ آتے تو ان کے عارضی قیام کا انتظام صفہ ہی میں کیا جاتا۔ متعدد اصحاب سیر نے اصحاب صفہ کا تذکرہ جمع کرنے کی کوشش کی ہے۔ بعض نے ان کی تعداد چار سو تک بیان کی ہے۔

یہ تو صفہ میں قیام کرنے والوں کی تعداد ہے، ان کے علاوہ وہ صحابہ بھی تھے جو صفہ میں محض تعلیم حاصل کرنے کی غرض سے آتے تھے، پھر اپنے گھروں کو لوٹ جاتے

---

[1] سیرۃ النبی، ابن ہشام، طبع مصر: ۲/۱۸۵

[2] تاریخ الخمیس: ۱/۵۰۸

[3] مسند احمد: ۳/۱۳۷

[4] فتاوی ابن تیمیہؒ: ۱۱/۴۱

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تھے اور کھیتی باڑی یا کاروبار میں مصروف ہو جاتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ جو اس وقت نوعمر تھے، اپنے باپ حضرت عمر بن الخطابؓ کے ساتھ رہتے تھے، لیکن ان کا زیادہ تر وقت صفہ ہی میں گزرتا تھا، بلکہ کبھی کبھی وہ رات میں وہیں سو جایا کرتے تھے۔[1]

اصحاب صفہ کی تعلیم و تدریس کے لیے بعض اساتذہ مقرر تھے جنھیں 'معلّم' یا 'قاری' کہا جاتا تھا۔ ایک حدیث میں حضرت ابوسعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ میں فقرائے مہاجرین کی ایک جماعت کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا، ایک قاری ہمیں قرآن سنا رہا تھا، رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور ہمارے درمیان بیٹھ گئے۔[2]

خود آپ کی تعلیمی مجلسیں مسجد نبوی میں لگتی تھیں، ان میں اصحاب صفہ بھی شریک ہوتے تھے اور مدینہ میں رہنے والے دیگر انصار اور مہاجرین بھی۔ بلکہ جو صحابہ اپنی مصروفیات کی وجہ سے پابندی سے شریک مجلس نہیں ہو پاتے تھے انھوں نے باریاں بنا رکھی تھیں، مثلاً حضرت عمر بن الخطابؓ نے اپنے انصاری پڑوسی کے ساتھ مل کر مسجد نبوی میں آں حضرت ﷺ کے درس میں شرکت کرنے کے لیے باری طے کر لی تھی۔ ایک دن وہ جاتے تھے، دوسرے دن ان کے پڑوسی شریک ہوتے تھے۔ اور ہر ایک جو کچھ رسول اللہ ﷺ سے سنتا تھا وہ اپنے ساتھی کو بتا دیتا تھا۔[3]

۳- نصاب

صفہ میں کن چیزوں کی تعلیم دی جاتی تھی، بہ الفاظِ دیگر اس کا نصاب کیا تھا؟ اس سلسلے میں زیادہ تفصیل نہیں ملتی، لیکن یہ بات بہ ہر حال طے ہے کہ قرآن کریم کے علاوہ دیگر چیزیں بھی سکھائی جاتی تھیں۔ مثلاً اس زمانے میں کتابت کا رواج نہ تھا، بہت کم لوگ پڑھنا لکھنا جانتے تھے۔ آں حضرت ﷺ نے اس کا اہتمام فرمایا۔ حضرت سعید

---

[1] خطبات بہاول پور، ڈاکٹر محمد حمید اللہ، ادارۂ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد، پاکستان ۱۹۹۹ء، ص: ۲۷۰

[2] سنن ابی داؤد، کتاب العلم، باب فی القصص، ۳۶۶۶

[3] صحیح البخاری، کتاب العلم، باب التناوب فی العلم، ۸۹

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بن عاص اموی ؓ لکھنا پڑھنا جانتے تھے، ہجرت مدینہ کے فوراً بعد آں حضرت ﷺ نے انھیں ذمہ داری دی تھی کہ وہ دوسروں کو لکھنا سکھا دیں۔[1]

صفہ کے مدرسین میں سے ایک حضرت عبادہ بن صامت ؓ بھی تھے۔ وہ فرماتے ہیں:

علّمت ناسا من اهل الصفة القرآن و الكتاب۔[2]

(میں نے اہل صفہ میں سے بہت سے لوگوں کو قرآن پڑھنا اور لکھنا سکھایا۔)

قرآن کے علاوہ یہ 'کتاب' کیا ہے جسے حضرت عبادہ ؓ دوسروں کو سکھاتے تھے؟ اس سے مراد 'کتابت' ہے، گویا اس سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ 'دینی علوم' کے ساتھ 'معاون علوم' کی تحصیل بھی ضروری اور منشأ نبوی کے عین مطابق ہے۔

۴۔ مفت تعلیم

فروغ تعلیم کے لیے آج بڑے پیمانے پر جو کوششیں ہو رہی ہیں اور سرکاری سطح پر بھی غیر معمولی اقدامات کیے جا رہے ہیں ان میں سے ایک اقدام مفت تعلیم کا انتظام ہے، لیکن اب بھی اس کا دائرہ صرف ابتدائی تعلیم تک محدود ہے۔ تمام مراحلِ تعلیم اس میں شامل نہیں ہو سکے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے صفہ کے ذریعہ مفت تعلیم کا انتظام فرمایا تھا اور معلّمین کو متعلّمین سے ادنیٰ منفعت حاصل کرنے سے بھی سختی سے روک دیا تھا۔

حضرت عبادہ بن صامت ؓ فرماتے ہیں کہ اصحاب صفہ میں سے ایک شخص نے، جسے میں نے قرآن سکھایا تھا، مجھے ایک کمان ہدیہ میں دی۔ میں نے سوچا کہ یہ بہت زیادہ قیمتی بھی نہیں ہے۔ دوسرے میں اس کے ذریعے اللہ کی راہ میں جہاد کروں گا، لیکن پھر بھی رسول اللہ سے دریافت کرلوں، میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور یہی بات

---

[1] عہد نبوی میں نظام حکمرانی، ڈاکٹر محمد حمید اللہ، ص: ۲۱۲، بحوالہ: الاستیعاب لابن عبد البر

[2] سنن ابی داؤد، کتاب البیوع، ۳۴۱۶، سنن ابن ماجہ، ابواب التجارات، ۲۱۵۷

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

آپ کے سامنے بھی رکھی۔ میری بات سن کر آپ نے فرمایا:

ان کنت تحبّ ان تطوّق طوقاً من نار فاقبلها [1]

(اگر تم اپنی گردن میں آگ کا طوق ڈالنا چاہتے ہو تو اسے قبول کرلو۔)

اسی طرح کی روایت حضرت ابی بن کعبؓ سے بھی مروی ہے۔ انھوں نے بھی ایک شخص کو قرآن سکھایا تھا۔ اس نے انہیں ایک کمان تحفہ میں دی۔ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے اس کا تذکرہ کیا تو آپ نے فرمایا:

ان أخذتها أخذت قوداً من نار [2]

(اسے اگر تم نے لے لیا تو آگ، یا آگ کی کمان لے لی۔)

۵- تربیت

صفہ کا ایک اسوہ یہ ہے کہ متعلمین کی تعلیم کے ساتھ ساتھ ان کی تربیت پر بھی بھرپور توجہ دی جائے۔ تعلیم ایک چیز ہے اور تربیت دوسری چیز۔ ضروری ہے کہ تعلیمی مدارج طے کرنے کے ساتھ طلبہ کی دینی و اخلاقی حالت میں بھی بہتری آئے۔ ان میں اخلاقی قدریں پروان چڑھیں، خاص طور سے ان میں صبر و تحمل، رواداری اور قناعت کی خوبیاں پیدا ہوں، جو اصحاب صفہ کا امتیاز تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس پہلو پر بھرپور توجہ دی تھی۔ آپؐ اصحاب صفہ کو رضائے الٰہی کے کاموں پر بارگاہ الٰہی میں بلند مقام اور اجر و انعام کی امید دلاتے اور آئندہ خوش حالی اور کشادگی کی بشارت دیتے۔ اس طرح انھیں نفسیاتی طور پر بڑا سکون ملتا۔ آپ انھیں دین کی باتیں بتاتے، مختلف تمثیلات کے ذریعے قرآن کی عظمت ان کے دلوں میں جاگزیں کرتے اور کوئی لغزش یا کوتاہی ہوجاتی تو انھیں ٹوکتے۔

ایک موقع پر آپ نے دس اصحاب صفہ کو اپنے گھر کھانے پر بلایا۔ جب کھانا

---

[1] حوالۂ سابق

[2] سنن ابن ماجہ، ابواب التجارات، ۲۱۵۷

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

لگا دیا گیا تو فرمایا:

كلوا وكلوا من اسفلها ولا تاكلوا من اعلاها، فان البركة تنزل من اعلاها۔[1]

(کھاؤ مگر نیچے سے (یعنی قریب سے) کھاؤ، اوپر سے نہ کھاؤ، اس لیے کہ برکت اوپر سے نازل ہوتی ہے۔)

ایک مرتبہ صفہ کی مجلس میں آپؐ نے دیکھا کہ ایک صحابی کی ران کھلی ہوئی ہے، آپ نے انھیں ٹوکا اور فرمایا:

اما علمت ان الفخذ عورة۔[2]

(ارے، تمھیں معلوم نہیں کہ ران ستر میں داخل ہے۔)

ایک مرتبہ اصحابِ صفہ میں سے کچھ لوگ بھوک کی شدت سے نماز میں غش کھا کر گر پڑے۔ نماز سے فارغ ہونے کے بعد رسول اللہ ﷺ ان کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا:

لو تعلمون مالكم عند الله لاحببتم ان تزدادوا فاقة وحاجة۔[3]

(اگر تم لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ تمھارے لیے بارگاہ الٰہی میں کیا کچھ ہے تو تم چاہو گے کہ مزید فاقہ اور فقر و احتیاج میں مبتلا رہو۔)

ایک مرتبہ اصحاب صفہ کی مسکنت دیکھ کر آپ نے انھیں مخاطب کر کے فرمایا:

لو تعلمون ماذخر لكم ماحزنتم على مازوى عنكم۔[4]

(اگر تمھیں معلوم ہو جائے کہ تمھارے لیے (بارگاہ الٰہی میں) کیا کچھ محفوظ ہے تو آج جن چیزوں سے تم محروم ہو ان پر تمھیں کچھ بھی غم نہ ہو۔)

---

1. مسند احمد: ۳/ ۴۹۰

2. سنن ابی داؤد، کتاب الحمام، باب النھی عن التعری، ۴۰۱۲

3. جامع ترمذی، ابواب الزہد، باب ماجاء فی معیشۃ اصحاب النبی ﷺ، ۲۳۶۸

4. مسند احمد: ۳/ ۱۲۵، ۱۲۸

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۶- کفالت

اصحاب صفہ نے جہاں خود کو رسول اللہ ﷺ کی مصاحبت، احادیث نبوی کی حفاظت اور دین کی نشر و اشاعت کے لیے وقف کر رکھا تھا، وہیں دیگر صاحب حیثیت اور مال دار صحابہ نے، خواہ وہ انصار ہوں یا مہاجرین، ان کی مالی امداد، تعاون اور خبر گیری میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی تھی۔ وہ ان کی ضروریات کی جانکاری رکھتے، ان کی تکمیل کی کوشش کرتے اور دوسروں کو بھی ان کی جانب متوجہ کرتے تھے۔

اصحاب صفہ کی معاشی کفالت کی ایک صورت یہ اختیار کی گئی تھی کہ جو انصار صحابہ کھجور کے باغات کے مالک تھے وہ کھجور کے خوشے لاکر مسجد نبوی میں لٹکا دیتے تھے۔ اصحاب صفہ حسب ضرورت ان میں سے کھجوریں توڑ توڑ کر کھاتے تھے۔[1]

حضرت سعد بن عبادہؓ کا شمار متمول صحابہ میں ہوتا تھا، وہ بسا اوقات اسی اصحاب صفہ تک کو کھانا کھلاتے تھے۔[2]

حضرت جعفر بن ابی طالبؓ کی فیاضی مشہور تھی، وہ وقتاً فوقتاً کچھ اصحاب صفہ کو کھانا کھلانے کے لیے اپنے گھر لے جایا کرتے تھے۔ ان کی فیاضی کی وجہ سے ان کا لقب 'ابوالمساکین' ہو گیا تھا۔[3]

ایک موقع پر آں حضرت ﷺ نے اعلان کیا کہ جس سے ہو سکے وہ اپنے ساتھ اصحاب صفہ میں سے کچھ کو کھانا کھلانے کے لیے لے جائے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ بیان کرتے ہیں کہ اس موقع پر میرے والد اپنے ساتھ تین آدمیوں کو لے کر آئے اور خود نبی کریم ﷺ اپنے ہم راہ دس افراد کو لے کر گئے۔[4]

---

[1] جامع ترمذی، ابواب تفسیر القرآن، سورۂ بقرہ: ۲۹۸۷

[2] الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ لابن حجر: ۳۰/۲

[3] صحیح بخاری، کتاب فضائل الصحابۃ، باب مناقب جعفر بن ابی طالب، ۳۷۰۸

[4] صحیح بخاری، کتاب المناقب، ۳۵۸۱

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جن اصحاب کے پاس اصحاب صفہ پر خرچ کرنے کے لیے کچھ نہ ہوتا وہ بھی اس سعادت سے پیچھے نہ رہتے تھے۔ وہ جنگل جا کر لکڑیاں کاٹتے، انھیں بازار میں لے جا کر فروخت کرتے اور جو رقم ملتی اس سے اصحاب صفہ کے لیے غلّہ خریدتے تھے۔[1]

اس سے واضح ہوتا ہے کہ اصحاب خیر کو اپنی ذمہ داری سے غافل نہیں رہنا چاہیے۔ ان کا فرض ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے انھیں مال و دولت کی نعمت سے نوازا ہے تو اس کے شکرانے کے طور پر وہ فروغِ دین اور اشاعتِ اسلام کے کاموں کی سرپرستی فرمائیں۔

۷- اموالِ صدقہ کا استحقاق

کتب حدیث میں صفہ میں قیام کرنے والوں میں سے ایک شخص کے متعلق ایک واقعہ کا ذکر ملتا ہے جو بڑا عبرت انگیز ہے۔ اس سے رسول اللہ ﷺ کے انداز تربیت پر روشنی پڑتی ہے اور اس میں ایک اہم رہنمائی بھی ملتی ہے۔

حضرت علیؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ دونوں سے روایت ہے اور اسی سے ملتی جلتی روایت حضرت ابوہریرہؓ سے بھی مروی ہے کہ اصحاب صفہ میں سے ایک شخص کا انتقال ہوگیا۔ ایک روایت میں اسے سیاہ فام غلام (عبد اسود) کہا گیا ہے۔ لوگوں کو اس کی چادر میں دو دینار ملے۔ رسول اللہ ﷺ کو خبر دی گئی تو آپ نے ناراضی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا: کیّتان من نار[2] ''یہ آگ کے دو انگارے ہیں''!

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ چاہتے تھے کہ اصحاب صفہ کے دلوں میں مال و دولت جمع کرنے کی حرص قطعاً نہ آنے پائے اور وہ فقر و فاقہ کو انگیز کرتے ہوئے اپنے مشن میں لگے رہیں۔ دوسرے، اس سے ہمیں یہ رہ نمائی ملتی ہے کہ صدقہ و خیرات کے اموال پر پرورش پانے کا حق ان لوگوں کو قطعاً نہیں ہے جو دورانِ تعلیم اپنے مصارف خود برداشت کر سکتے ہوں۔

---

[1] صحیح مسلم، کتاب الامارۃ، ۶۷۷، مسند احمد: ۳/ ۱۳۷، ۲۷۰

[2] مسند احمد: ۱/ ۱۰۱

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۸- ہمہ جہت خدمات

اصحاب صفہ نے رسول اللہ ﷺ کے عہد میں اور بعد کے زمانوں میں زندگی کے ہر میدان میں اہم خدمات انجام دیں۔ انھوں نے جہاد کے معرکوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، اسلامی لشکروں اور فوجی مہمات کی قیادت کی، مختلف شہروں کے والی اور حکام مقرر ہوئے۔ مختلف علاقوں میں 'معلم' بنا کر بھیجے گئے، علوم دینیہ کی نشر و اشاعت کی، افتاء و قضا کی ذمہ داریاں نبھائیں، غرض صفہ سے تعلق رکھنے والے یہ صحابہ عہد نبوی اور مابعد زمانے میں زندگی کے ہر میدان میں ممتاز نظر آتے ہیں۔ ان کا اسوہ واضح کرتا ہے کہ طالبانِ علوم نبوت کو بھی زندگی کے جملہ میدانوں میں سرگرم کردار ادا کرنے کے لیے تیار رہنا چاہیے۔

حاصل بحث

صفۂ مدینہ ایک مینارۂ نور ہے جس کی روشنی میں آج بھی راستے تلاش کیے جاسکتے ہیں۔ کہا گیا ہے: **لایصلح آخر هذه الأمة الا بما صلح به أوله** ۔ (اس امت کے آخری زمانے کی اصلاح اسی طریقے سے ممکن ہے جس طریقے سے ابتدائی زمانے میں اصلاح ہوئی تھی)۔ آج دینی مدارس کے نصاب تعلیم و نظام تعلیم میں اصلاح کی آوازیں اٹھ رہی ہیں اور ان کے مستقبل کی منصوبہ بندی کی جارہی ہے۔ ایسے میں ضروری ہے کہ صفہ کے اسوے کو پیش نظر رکھا جائے اور اس کی روح کو مدارس دینیہ کے معلمین، متعلمین اور جملہ وابستگان کے دلوں میں جاگزیں کرنے کی کوشش کی جائے۔

☆☆☆

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مناسکِ حج کی نبوی اصلاحات

مخصوص زمانے میں مقدس مقامات کی زیارت کا تصور، جسے اسلامی اصطلاح میں حج کہتے ہیں، تقریباً تمام ہی مذاہب میں پایا جاتا ہے۔ سامیوں کے نزدیک بھی یہ مذہبی شعائر میں سے تھا۔ چنانچہ لفظ 'حج' کی اصل، جیسا کہ ڈاکٹر جواد علی نے لکھا ہے، سامی اور عبرانی زبانوں میں موجود ہے۔[1] قدیم اہل عرب کے یہاں بھی حج کا تذکرہ ملتا ہے۔ یہ دراصل ان کے جدِ امجد حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت، ان کے بتائے ہوئے طریقۂ عبادت اور ان کی یادگاروں کی تمثیل سے عبارت ہے۔

حضرت ابراہیمؑ نے، جن کو آج دنیا کے تین بڑے مذاہب: 'یہودیت، عیسائیت اور اسلام' کے ماننے والے اپنا جدِ امجد تسلیم کرتے ہیں، آج سے ہزاروں سال قبل مشرکانہ ماحول سے کنارہ کشی اختیار کر کے ایک بے آب و گیاہ وادی میں خدائے واحد کی عبادت کے لیے ایک گھر کی بنا ڈالی تھی، اور اس کی زیارت اور طواف کرنے اور وہاں مراسمِ عبادت بجالانے کا اعلان عام کیا تھا۔[2] اللہ تعالیٰ نے ان کے جذبۂ اخلاص کو شرفِ قبولیت سے نوازا اور ان کی نسل میں حج ایک مقدس عبادت قرار پایا۔ چنانچہ عہدِ جاہلیت سے متعلق وارد تفصیلات سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل عرب کے نزدیک خانۂ کعبہ کو مقدس گھر اور حج کو ایک مقدس عبادت کی حیثیت حاصل تھی، اور انھیں یہ احساس

---

[1] المفصل فی تاریخ العرب قبل الاسلام، الدکتور جواد علی، مطبعۃ المجمع العلمی العراقی، بغداد ۱۹۵۵ء، جلد پنجم (القسم الدینی)، ص ۲۱۴

[2] قرآن نے حضرت ابراہیمؑ کے اس اعلان عام کا یوں تذکرہ کیا ہے: وَأَذِّن فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَأْتُوكَ رِجَالاً وَعَلَى كُلِّ ضَامِرٍ يَأْتِينَ مِن كُلِّ فَجٍّ عَمِيقٍ (۲۲/۲۷)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بھی تھا کہ یہ سارے مراسم ان کے جدِ امجد حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ سے منقول ہیں۔ اس کا ثبوت اس بات سے ملتا ہے کہ انھوں نے خانۂ کعبہ کے اندر جہاں بہت سے بت رکھ چھوڑے تھے وہیں حضرت ابراہیمؑ و اسماعیلؑ کی تصویریں بھی بنا رکھی تھیں۔[1]

اسلام نے بھی حج کو دین کا ایک اہم رکن قرار دیا ہے۔[2] اور اللہ کے آخری رسول حضرت محمد ﷺ نے (جو ملتِ ابراہیمی کے مجدد بنا کر بھیجے گئے تھے) لوگوں کو ملتِ ابراہیمی کی پیروی کا حکم دیتے ہوئے[3] انھیں مناسکِ حج کی تعلیم دی۔ البتہ اہلِ عرب نے ان مناسک میں کچھ تبدیلیاں کر لی تھیں اور ان میں اپنے من مانے رسوم شامل کر لیے تھے۔ قرآن نے ان پر نکیر کی اور اللہ کے رسول ﷺ نے بھی ان کی تردید فرمائی اور اپنے عمل کے ذریعہ حج کا صحیح طریقہ بتایا۔

عہدِ نبویؐ میں ادائیگی حج کے طریقے سے واقفیت حاصل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ ہم یہ جانیں کہ عہدِ جاہلیت میں حج کا کیا طریقہ تھا؟ مشرکین نے حضرت ابراہیمؑ کے بتائے ہوئے طریقہ میں کیا تبدیلیاں کر لی تھیں؟ اور قرآن نے اپنی آیات اور پیغمبرِ اسلام نے اپنے ارشادات کے ذریعے ان میں کیا اصلاحات کیں؟ نیز آں حضرت ﷺ نے حج کا عملی مظاہرہ کیوں کر کیا؟ اور حج کی کیسے تنظیم فرمائی؟۔

مناسکِ حج میں اہل عرب نے جو تبدیلیاں کر لی تھیں ان کا جائزہ لینے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں سے کچھ نسلی امتیازات پر مبنی تھیں، کچھ کا تعلق تقدس کے خود ساختہ معیارات سے تھا اور کچھ کاموں کو انھوں نے مہمل طریقے پر مراسمِ حج میں شامل کر لیا تھا۔ ذیل میں ہم ان کا تذکرہ کرتے ہوئے نبوی اصلاحات کی جانب اشارہ کریں گے:

---

[1] صحیح بخاری، کتاب المناسک، باب من کبر فی نواحی الکعبۃ، ۱۶۰۱

[2] ایک حدیث میں ہے کہ اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے۔ کلمہ طیبہ، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ (متفق علیہ)

[3] قرآن میں متعدد مقامات پر نبی ﷺ کی زبانی ملت ابراہیمی کی پیروی کا حکم دیا گیا ہے۔ مثلاً ملاحظہ کیجیے آل عمران: ۶۸، النحل: ۱۲۳

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نسلی امتیازات پر مبنی مراسم کی اصلاح

۱- قریش کو دوسرے قبائل کے مقابلے میں اپنی نسلی برتری کا احساس تھا اور اس بنیاد پر انھوں نے اپنے لیے کچھ امتیازات خاص کر لیے تھے۔ وہ سمجھتے تھے کہ ہم اولادِ ابراہیم، باشندگانِ مکہ، اہلِ حرم اور متولیانِ کعبہ ہیں۔ ہمیں جو حقوق حاصل ہیں وہ دوسرے عربوں کو حاصل نہیں اور نہ ان کا درجہ ہمارے برابر ہے۔ اس لیے اگر وہ حرم سے باہر کی کسی چیز کی تعظیم و توقیر کریں گے تو حرم کی قدر و منزلت دوسرے لوگوں کی نگاہوں میں کم ہو جائے گی۔ اسی بنیاد پر انھوں نے وقوفِ عرفہ کو، جو حج کا ایک اہم رکن تھا اور جس کے مناسکِ حج میں سے ہونے کا وہ بھی اعتراف کرتے تھے، خود سے ساقط کر لیا تھا۔ اس لیے کہ اس صورت میں انھیں حرم سے باہر نکلنا پڑتا۔ قرآن نے ان کے اس زعم باطل کی نکیر کی اور دوسرے لوگوں کی طرح انھیں بھی عرفات جا کر وہاں سے واپس آنے کا حکم دیا۔[1] فرمایا:

ثُمَّ أَفِيضُوا مِنْ حَيْثُ أَفَاضَ النَّاسُ وَاسْتَغْفِرُوا اللَّهَ

(البقرۃ:۱۹۹)

(پھر تم سب کو ضرور ہے کہ اسی جگہ ہو کر واپس آؤ جہاں اور لوگ جا کر وہاں سے واپس آتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے سامنے توبہ کرو۔)

۲- حج کی ایک خود ساختہ رسم حرم کے باہر سے آئے ہوئے حاجیوں کا خانۂ کعبہ کا عریاں طواف کرنا تھا۔ وہ کہتے تھے کہ ہم ان کپڑوں میں طواف نہیں کریں گے جن میں ہم نے گناہ کیے ہیں۔[2] یا اگر وہ کپڑے پہن کر طواف کرتے تھے تو طواف کے بعد ان کو اتار دیتے تھے اور پھر کبھی ہاتھ نہ لگاتے تھے۔ البتہ حُمس (یعنی اہل حرم) سے مانگے ہوئے

---

[1] صحیح مسلم، کتاب الحج، المفصل، جواد علی، ۵/۷۷، بلوغ الارب فی معرفۃ احوال العرب، السید محمود شکری الآلوسی، دار الکتاب العربی، مصر، طبع سوم، جلد دوم، ص ۳۸۹

[2] الازرقی، اخبار مکہ، ۱/۱۱۷

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کپڑوں میں طواف کی اجازت تھی۔ اس رسم کے پیچھے بھی حُمس کی برتری کا تصور کارفرما تھا۔ اس لیے کہ عام اہلِ عرب یہ سمجھتے تھے اور قریش نے انھیں یہ باور کرنے کا موقع دیا تھا کہ وہ دین میں متشدد اور بڑے عابد و زاہد لوگ ہیں۔ اس لیے طواف صرف انہی سے حاصل کیے ہوئے کپڑوں میں کرنا صحیح ہوگا۔ قرآن نے اس تصور کی تردید کی اور فرمایا:

یٰبَنِیۡۤ اٰدَمَ خُذُوۡا زِیۡنَتَكُمۡ عِنۡدَ كُلِّ مَسۡجِدٍ۔ (الاعراف:۳۱)

(اے اولاد آدم تم مسجد کی ہر حاضری کے وقت اپنی زینت اختیار کرو (یعنی اپنا لباس پہن لیا کرو۔)

۳- اہلِ عرب نے حج کو عبادت سمجھنے کے بجائے ایک میلہ کی حیثیت دے دی تھی اور اس میں ذکرِ الٰہی اور استغفار و انابت کے بجائے خاندانی مفاخرت ان کا شیوہ بن گیا تھا۔ چنانچہ تمام قبائل مناسکِ حج سے فارغ ہونے کے بعد منٰی میں قیام کرتے اور اپنے اپنے آباء و اجداد کے محاسن اور کارنامے بیان کرتے۔ قرآن نے اس پر نکیر کرتے ہوئے انھیں ذکرِ الٰہی کی ہدایت کی:

فَاِذَا قَضَيۡتُمۡ مَّنَاسِكَكُمۡ فَاذۡكُرُوا اللّٰهَ كَذِكۡرِكُمۡ اٰبَآءَكُمۡ اَوۡ اَشَدَّ ذِكۡرًا۔ (البقرۃ:۲۰۰)

(پھر جب تم اپنے اعمال حج پورے کر چکو تو حق تعالیٰ کا اس طرح ذکر کیا کرو جس طرح تم اپنے آباء (اجداد) کا ذکر کیا کرتے ہو۔ بلکہ یہ ذکر اس سے (بدرجہا) بڑھ کر ہو۔)

۴- حج کے ایک میلہ جیسی حیثیت ہوجانے کی وجہ سے ہی اس میں وہ تمام کام ہوتے تھے جو کسی میلہ میں ہوسکتے تھے۔ لڑائی جھگڑا، شور وغل، دنگا فساد، عورتوں سے چھیڑ خانی، غرض فسق و فجور کے سارے کام ہوتے تھے۔ قرآن نے یک لخت ان پر پابندی عائد کردی اور حج کو ذکر و انابت، تقدس و پرہیزگاری اور خیر و ورع کا مرقع بنادیا۔ فرمایا:

فَمَنۡ فَرَضَ فِيۡهِنَّ الۡحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوۡقَ وَلَا جِدَالَ فِى الۡحَجِّ وَمَا تَفۡعَلُوۡا مِنۡ خَيۡرٍ يَّعۡلَمۡهُ اللّٰهُ۔ (البقرۃ:۱۹۷)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

(سو جو شخص ان میں حج مقرر کرے تو پھر (اس کو) نہ کوئی فحش بات (جائز) ہے اور نہ کوئی بے حکمی (درست) ہے اور نہ کسی قسم کا نزاع حج کے سلسلے میں (زیبا) ہے، جو نیک کام کرو گے اللہ تعالیٰ کو اس کی اطلاع ہوتی ہے۔)

تقدس کے خود ساختہ معیارات کی اصلاح

اہلِ عرب نے تقدس کے کچھ خود ساختہ معیارات وضع کر لیے تھے۔ اسی بنا پر انھوں نے اپنے اوپر کچھ پابندیاں عائد کر لی تھیں۔ چوں کہ ان کا دین داری اور تقویٰ سے کوئی تعلق نہیں تھا اس لیے اسلام نے انھیں ساقط کر دیا۔ مثلاً:

۵- وہ قربانی کے جانوروں پر سواری جائز نہ سمجھتے تھے۔ آں حضرت ﷺ نے اس دستور کو ختم کیا۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ قربانی کے جانور ہانکے لیے جا رہا ہے۔ آپؐ نے فرمایا: اس پر سوار ہو لو۔ اس نے کہا: یہ قربانی کا جانور ہے۔ آپؐ نے پھر فرمایا: اس پر سوار ہو لو۔ اس نے پھر یہی جواب دیا تو آپؐ نے تیسری مرتبہ خفگی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا: تمہارا برا ہو، اس پر سوار ہو لو۔[1]

۶- وہ قربانی کے گوشت کا تین دن سے زیادہ استعمال جائز نہ سمجھتے تھے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے یہ پابندی اٹھا دی۔ حضرت جابرؓ بن عبداللہ فرماتے ہیں کہ ہم منیٰ میں تین دن سے زیادہ قربانی کا گوشت نہیں کھاتے تھے۔ نبی ﷺ نے ہمیں رخصت مرحمت کی اور فرمایا: ''اسے کھاؤ اور زادِ راہ بناؤ''۔ چنانچہ ہم نے (تین دن سے زیادہ بھی) اسے کھایا اور زادِ راہ بنایا۔[2]

۷- وہ حج کر کے واپس ہوتے تھے تو دروازوں سے گھر میں داخل ہونے کے

---

[1] صحیح بخاری، کتاب المناسک، باب رکوب البدن، ۱۶۸۹

[2] ایضاً، باب ومایاکل من البدن ومایتصدق، ۱۷۱۹

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بجائے پشت کی جانب سے کود پھاند کر یا نقب لگا کر آتے تھے۔ قرآن نے اس پر نکیر کرتے ہوئے فرمایا کہ اصل چیز تقویٰ ہے جو ان کا مقصود ہونا چاہیے۔ حضرت براءؓ بن العازب فرماتے ہیں: ''انصار جب حج سے فارغ ہوتے تو دروازے کی جانب سے گھر میں داخل نہیں ہوتے تھے، بلکہ پشت کی جانب سے آتے تھے۔ ایک مرتبہ ایک شخص اس دستور کی خلاف ورزی کر کے دروازے سے گھر میں آ گیا تو لوگوں نے اسے بڑی لعنت و ملامت کی۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی:[1]

وَلَيْسَ الْبِرُّ بِأَنْ تَأْتُوا الْبُيُوتَ مِن ظُهُورِهَا وَلَـٰكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقَىٰ وَأْتُوا الْبُيُوتَ مِنْ أَبْوَابِهَا وَاتَّقُوا اللَّهَ۔ (البقرۃ:۱۸۹)

(اور اس میں کوئی فضیلت نہیں کہ تم گھروں میں ان کی پشت کی طرف سے آیا کرو۔ ہاں، لیکن فضیلت یہ ہے کہ کوئی شخص (حرام چیزوں سے) بچے اور گھروں میں ان کے دروازوں سے آؤ۔ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو۔)

۸- وہ سفرِ حج میں زادِ راہ لے کر نہیں چلتے تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ اس سے توکل علی اللہ کی نفی ہوتی ہے۔ چنانچہ جب وہ مکہ پہنچتے تو وہاں لوگوں کے سامنے دستِ سوال دراز کرتے تھے۔[2]

اللہ تعالیٰ نے اسے ناپسندیدہ فعل قرار دیا اور ارشاد فرمایا:

وَتَزَوَّدُوا فَإِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوَىٰ۔ (البقرۃ:۱۹۷)

(اور (جب حج کو جانے لگو) ضروری خرچ لے لیا کرو۔ کیوں کہ سب سے بڑی بات خرچ میں گداگری سے بچا رہنا ہے۔)

۹- انھوں نے ایک 'خاموش حج' ایجاد کر لیا تھا۔ یعنی حج کا احرام باندھتے تھے تو حج مکمل ہونے تک چپ رہتے تھے۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے قبیلہ

---

[1] بخاری، کتاب العمرۃ، باب قول اللہ واتوا البیوت من ابوابھا، ۱۸۰۳

[2] بخاری، کتاب المناسک، باب قول اللہ وتزودوا فان خیر الزاد التقویٰ، ۱۵۲۳

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

خثعم کی زینب نامی ایک عورت کو خاموش دیکھا۔ وجہ دریافت کی تو معلوم ہوا کہ اس نے 'خاموش حج' کا احرام باندھ رکھا ہے۔ آپ نے اسے ناجائز بتاتے ہوئے فرمایا: **هذا من عمل الجاهلية** (یہ جاہلیت کا عمل ہے)۔

۱۰- وہ حج کے لیے پاپیادہ سفر کرنے کو متبرک اور کارِ ثواب سمجھتے تھے۔ حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے ایک بوڑھے شخص کو دیکھا، جو اپنے دو بیٹوں کے سہارے پیادہ پا جا رہا ہے۔ آپؐ نے وجہ دریافت کی۔ معلوم ہوا کہ اس نے پیدل چلنے کی نذر مانی ہے۔ آپؐ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اس سے بے نیاز ہے کہ یہ شخص اپنے نفس کو عذاب میں ڈالے۔ چنانچہ آپؐ نے اسے سواری پر جانے کا حکم دیا۔[۲] اسی طرح حضرت عقبہؓ فرماتے ہیں کہ میری بہن نے بیت اللہ تک پیدل جانے کی نذر مانی۔ میں نے اللہ کے رسول ﷺ سے اس سلسلہ میں دریافت کیا تو آپؐ نے ایسی نذر سے منع کیا اور فرمایا: ''وہ پیدل بھی چلے اور سوار بھی ہو''۔[۳]

۱۱- حج کے دوران وہ تجارت کو ناپسند کرتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ تجارتی لین دین حج کے تقدس کے خلاف ہے۔ نتیجتاً اکثر لوگ حج کی نیت ہی نہیں کرتے تھے اور ان کا مقصد عکاظ اور ذوالمجنہ کے بازاروں میں اکٹھا ہو کر محض تجارتی معاملات طے کرنا ہوتا تھا۔ دوسری جانب جو لوگ حج کی نیت سے آتے تھے وہ تجارتی منافع سے محروم رہتے تھے۔ اسلام نے اس تفریق کو ختم کرتے ہوئے کہا کہ تجارت تقدسِ حج کے خلاف نہیں ہے:[۴]

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَن تَبْتَغُوا فَضْلًا مِّن رَّبِّكُمْ۔ (البقرۃ:۱۹۸)

(اس میں ذرا بھی گناہ نہیں کہ (حج میں) معاش کی تلاش کرو جو تمھارے

---

۱ بخاری، کتاب مناقب الانصار، باب ایام الجاہلیۃ، ۳۸۳۴

۲ بخاری، کتاب جزاء الصید، باب من نذر المشی الی الکعبۃ، ۱۸۶۵

۳ ایضاً، ۱۸۶۶

۴ ایضاً، باب التجارۃ ایام الموسم والبیع فی اسواق الجاہلیۃ بروایۃ ابن عباس، ۱۷۷۰

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

پروردگار کی طرف سے ہے۔)

۱۲- حج کے مہینوں میں عمرہ کرنے کو وہ 'افجر الفجور' سمجھتے تھے۔ چنانچہ حضرت ابن عباسؓ کی روایت کے مطابق جب ذی الحجہ کی چار تاریخ کو آں حضرت ﷺ نے صحابہؓ کو عمرہ کی نیت کرنے کی ہدایت کی تو انھوں نے بڑی حیرت کا اظہار کیا (فتعاظم ذلک عندھم)، مگر اللہ کے رسول ﷺ نے خود بھی عمرہ کر کے عملاً اس بے ضرورت رسم کو ختم کر دیا۔[1]

مہمل اعمال کی اصلاح

کچھ اور مراسم بھی تھے جنھیں اہلِ عرب نے حج میں شامل کر لیا تھا اور انھیں وہ خدا کے تقرب کا ذریعہ سمجھتے تھے، مگر ان کی کوئی مذہبی حقیقت نہیں تھی۔ اسی لیے قرآن نے انھیں کالعدم قرار دیا اور اللہ کے رسول ﷺ نے بھی ان سے نہی فرمائی۔ مثلاً:

۱۳- وہ قربانی کرتے تھے تو اس کے خون کو خانہ کعبہ کی دیواروں پر لگاتے تھے اور سمجھتے تھے کہ اس کے ذریعے اللہ سے تقرب حاصل ہوگا۔ قرآن نے اس سے نہی کر دی:

لَن يَنَالَ اللَّهَ لُحُومُهَا وَلَا دِمَاؤُهَا وَلَٰكِن يَنَالُهُ التَّقْوَىٰ مِنكُمْ۔ (الحج: ۳۷)

(اللہ کے پاس نہ ان کا گوشت پہنچتا ہے اور نہ ان کا خون، لیکن اس کے پاس تمھارا تقویٰ پہنچتا ہے۔)

۱۴- صفا و مروہ کے درمیان کی وادی (جو بطحاء کہلاتی تھی) اس سے تیزی کے ساتھ دوڑ کر گزرتے تھے۔ اس عمل کو ان کے یہاں مذہبی دستور کی حیثیت حاصل ہو گئی تھی۔ اسلام نے اسے کوئی اہمیت نہیں دی۔ چنانچہ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ "یہ سنت نہیں ہے"۔[2]

---

[1] صحیح بخاری، کتاب المناسک، باب التمتع والاقران والافراد بالحج، ۱۵۶۴، مسلم، کتاب الحج، باب حجۃ النبیؐ، ۱۲۴۰

[2] صحیح بخاری، کتاب مناقب الانصار، باب القسامۃ فی الجاھلیۃ، ۳۸۴۷

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۱۵- وہ مزدلفہ سے اس وقت تک کوچ نہیں کرتے تھے جب تک کہ ثبیر کی پہاڑی سے سورج طلوع نہ ہو جائے۔ نبی ﷺ نے اس دستور کی مخالفت کرتے ہوئے طلوع آفتاب سے قبل کوچ کیا۔[1]

۱۶- بعض لوگ طواف کرتے تھے تو اپنے گناہ گار یا مجرم ہونے کا اظہار مختلف نامناسب طریقوں سے کرتے تھے۔ آں حضرت ﷺ نے ان تمام طریقوں کو ناپسندیدہ قرار دیا۔ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ آں حضرت ﷺ نے ایک شخص کو دیکھا جس نے رسی سے اپنا ہاتھ ایک شخص سے باندھ دیا ہے اور وہ اس کو طواف کرا رہا ہے۔ آپؐ نے اس کی رسی کاٹ دی۔[2]

۱۷- مناسکِ حج کی ادائیگی کے بعد واپسی کے سلسلہ میں ان کے دو گروہ ہو گئے تھے۔ بعض ایامِ تشریق میں واپسی کو گناہ سمجھتے تھے، جب کہ دوسرے لوگ واپسی میں تاخیر کو غلط قرار دیتے تھے۔ قرآن نے دونوں طریقوں کو صحیح بتاتے ہوئے کہا کہ اصل مطلوب چیز تقویٰ ہے:

وَاذْكُرُوا اللَّهَ فِي أَيَّامٍ مَّعْدُودَاتٍ فَمَن تَعَجَّلَ فِي يَوْمَيْنِ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ وَمَن تَأَخَّرَ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ لِمَنِ اتَّقَىٰ۔ (البقرۃ:۲۰۳)

(اور اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو کئی روز تک، پھر جو شخص دو دن میں (مکہ واپس آنے میں) تعجیل کرے، اس پر بھی کچھ گناہ نہیں اور جو شخص (دو دن) تاخیر کرے اس پر بھی کچھ گناہ نہیں، اس شخص کے لیے جو (اللہ سے) ڈرے۔)

۱۸- عہدِ جاہلیت میں تمام عرب صفا و مروہ کا بھی، جن پر اساف و نائلہ نامی بت نصب تھے، طواف کیا کرتے تھے، جب کہ انصار، جو اسلام لانے سے قبل مناۃ بت کی پوجا کرتے تھے، اس کا طواف ناپسند کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے پہلے خانہ کعبہ کے طواف کا

---

[1] صحیح بخاری، کتاب المناسک، باب متی یدفع من جمع، ۱۶۸۴

[2] صحیح بخاری، کتاب المناسک، باب اذا رای سیرا او شیئا یکرہ فی الطواف قطعہ، ۱۶۲۱

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حکم دیا اور صفا و مروہ کے طواف سے متعلق کوئی صریح حکم نازل نہ ہوا تو صحابہ کو شبہ ہوا کہ شاید شعائرِ جاہلیت میں سے ہونے کی وجہ سے اب ان کا طواف ممنوع ہے۔ انھوں نے آں حضرت ﷺ سے اس کے متعلق دریافت کیا۔ نیز انصار نے بھی آپؐ سے زمانۂ جاہلیت میں ان کے طواف سے متعلق اپنی ناپسندیدگی کا تذکرہ کیا! اس پر یہ آیت نازل ہوئی:

إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِن شَعَآئِرِ اللّٰهِ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ أَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ أَن يَطَّوَّفَ بِهِمَا۔ (البقرۃ:۱۵۸)

(یقیناً صفا اور مروہ منجملہ یادگار (دین) خداوندی ہیں۔ سو جو شخص حج کرے بیت اللہ کا یا (اس کا) عمرہ کرے، اس پر ذرا بھی گناہ نہیں، ان دونوں کے درمیان آمد و رفت کرنے میں (جس کا نام سعی ہے)۔

۱۹۔ بعض لوگ سفرِ حج میں عجلت پسندی کا اظہار کرتے تھے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے سکینت و وقار کے ساتھ مراسمِ حج ادا کرنے کی تلقین کی۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ وہ یومِ عرفہ میں نبی ﷺ کے ساتھ تھے۔ آپؐ نے ایک موقع پر زبردست چیخ و پکار سنی اور دیکھا کہ لوگ اونٹوں کو مار رہے ہیں۔ آپؐ نے اشارہ سے انھیں منع کیا اور فرمایا: "سکینت اختیار کرو۔ نیکی عجلت میں نہیں ہے"۔[2]

مناسکِ حج میں اضافات

اوپر ان اصلاحات کا تذکرہ کیا گیا جو اللہ کے رسول ﷺ نے مناسکِ حج میں کیں۔ اب حج کے بعض ان اعمال کا تذکرہ کیا جاتا ہے جنھیں جاہلیت میں انجام نہیں دیا جاتا تھا۔ اللہ کے رسول ﷺ نے انھیں مشروع قرار دیا اور انھیں مناسکِ حج میں داخل کیا:

۱۔ صلح حدیبیہ کے اگلے سال جب مسلمان عمرہ کرنے گئے تو طواف کرتے ہوئے انھیں دیکھ کر مشرکینِ قریش ان پر یہ آوازے کسنے لگے کہ انہیں مدینہ

---

۱ صحیح بخاری، کتاب المناسک، باب وجوب الصفا والمروۃ، ۱۶۴۳

۲ ایضاً، باب امر النبیؐ بالسکینۃ عند الافاضۃ، ۱۶۷۱

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کے بخار نے کم زور کر دیا ہے۔ یہ سن کر اللہ کے رسول ﷺ نے مسلمانوں کو دورانِ طواف رَمل کرنے کا حکم دیا۔ یہ ایک وقتی ضرورت تھی، مگر یہ سنت قرار پائی۔ چنانچہ حضرت عمرؓ بن الخطاب فرماتے ہیں کہ ہمارا رمل سے کیا تعلق؟ اس کے ذریعے ہم نے مشرکین کے سامنے اپنی قوت و طاقت کا مظاہرہ کیا تھا اور اب انھیں اللہ نے ہلاک کر دیا ہے۔ لیکن چوں کہ اسے اللہ کے رسول ﷺ نے کیا ہے اس لیے ہم اسے چھوڑنا بھی نہیں چاہتے۔[1]

۲- آں حضرت ﷺ نے مختلف اطراف سے حج کے لیے آنے والوں کے لیے میقات کی تعیین فرمائی۔ چنانچہ اہلِ مدینہ کے لیے ذوالحلیفہ، اہلِ شام کے لیے جحفہ، اہلِ نجد کے لیے قرن المنازل اور اہلِ یمن کے لیے یلملم کو میقات قرار دیا۔[2]

۳- اگر کوئی تکلیف ہو تو مُحرِم کے لیے حلقِ راس کی اجازت اور اس کے فدیہ کی ادائیگی کا حکم قرآن نے دیا ہے۔ (البقرۃ:۱۹۶)

مناسکِ حج کی ادائیگی کا عملی مظاہرہ

اللہ کے رسول ﷺ نے نہ صرف یہ کہ اپنے ارشادات کے ذریعے مراسم حج کی اصلاحات کیں اور حج کو اہلِ عرب کے غیر تعبدی اعمال و مراسم سے پاک کیا، بلکہ خود مناسکِ حج پر عمل کر کے طریقۂ حج کو صحیح اور منقح صورت میں پیش کیا۔ آپؐ نے اپنی زندگی میں اگرچہ متعدد عمرے کیے، لیکن حج صرف ایک ہی کیا اور وہ حجۃ الوداع ہے، جو ۱۰ھ میں ہوا۔ حضرت جابرؓ بن عبداللہ فرماتے ہیں کہ صحابہؓ کو جب علم ہوا کہ حضورؐ حج کا ارادہ رکھتے ہیں تو بڑی تعداد میں مدینہ میں اکٹھے ہو گئے۔ سب کی خواہش تھی کہ حج میں آپؐ کی اقتدا کریں اور آپ ہی کو دیکھ کر مناسکِ حج انجام دیں۔ چنانچہ جب آپؐ سفرِ حج کی غرض سے اپنی اونٹنی پر سوار ہوئے تو آگے پیچھے دائیں بائیں تاحدِ نظر ہر چہار جانب لوگوں کا

---

[1] صحیح بخاری، کتاب المناسک، باب الرمل فی الحج والعمرۃ، ۱۶۰۵

[2] بخاری: ۱۵۲۶، مسلم: ۱۱۸۱

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر تھا اور لوگ کہہ رہے تھے کہ اللہ کے رسول ﷺ ہمارے درمیان قرآن کی تشریح کرنے والے ہیں، اس لیے جس طرح آپ عمل کریں گے ویسے ہی ہم بھی عمل کریں گے۔ خود آں حضرت ﷺ نے بھی مناسکِ حج ادا کرتے ہوئے لوگوں سے بار بار یہی فرمایا:

قفوا علی مشاعرکم فانکم علی إرث من ارث ابراهیم۔[2]

(حج کے مناسک ادا کرو، کیوں کہ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ورثہ ہیں۔)

سفرِ حج میں اور دورانِ حج بھی جو باتیں صحابہؓ کے نزدیک دریافت طلب ہوتی تھیں ان کے بارے میں وہ آپؐ سے دریافت کرتے۔ چنانچہ روایتوں میں آتا ہے کہ مقام روحاء میں آپؐ ایک قافلہ سے ملے تو ایک عورت نے اپنے بچہ کی جانب اشارہ کرتے ہوئے آپؐ سے دریافت کیا: کیا اس پر حج ہے؟ آپؐ نے فرمایا: ''ہاں اور اس کا اجر تم کو ملے گا''۔[3] قبیلہ خثعم کی ایک عورت نے آپؐ سے دریافت کیا کہ میرے والد پر حج فرض ہے، مگر وہ اپنی ضعیفی کی وجہ سے اسے ادا نہیں کر سکتے۔ کیا میں ان کی طرف سے حج بدل کر سکتی ہوں؟ آپؐ نے فرمایا: ''ہاں''۔[4]

اسی طرح مناسکِ حج کی ادائیگی میں صحابہؓ سے تقدیم یا تاخیر ہو جاتی، یا کوئی غلطی سرزد ہو جاتی تو وہ آپؐ سے استفسار کرتے۔ چنانچہ روایات میں حجۃ الوداع کے موقع پر بہت سے صحابہؓ کے آں حضرت ﷺ سے استفسار کرنے کا تذکرہ ملتا ہے۔ ہر ایک کو آپؐ نے یہی جواب دیا: افعل ولا حرج[5] (کوئی حرج نہیں)۔

---

[1] صحیح مسلم، کتاب الحج، باب حجۃ النبیؐ، ۱۲۱۸

[2] سنن ابی داؤد، کتاب المناسک، باب موضع الوقوف بعرفۃ، ۱۹۱۹

[3] صحیح مسلم، کتاب الحج، باب صحۃ حج الصبی، ۱۳۳۶

[4] بخاری، کتاب جزاء الصید، ۱۸۵۴، مسلم: ۱۳۳۴

[5] صحیح بخاری، کتاب المناسک، باب الفتیا علی الدابۃ عند الجمرۃ، ۱۷۳۶

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حجۃ الوداع ہی میں مختلف مواقع پر آپؐ نے صحابہ کے درمیان خطبے دیے۔ ان میں آپؐ نے معاشرہ کے مختلف طبقات کے لیے جو حقوق و فرائض بیان کیے۔ انھیں ہم 'انسانیت کے منشور' کا نام دے سکتے ہیں۔ دنیا کا کوئی قانون حقوقِ انسانیت کا ایسا بے مثال منشور پیش کرنے سے قاصر ہے۔

تنظیمِ حج

فتح مکہ کے بعد عرب کے بڑے حصے کا نظم و نسق اسلامی ریاست کے تحت آ گیا تھا، اس لیے آپؐ نے حج کی بھی تنظیم فرمائی۔ چنانچہ ۹ھ کے حج میں آپؐ نے حضرت ابوبکرؓ کو امیر حج بنا کر مکہ بھیجا۔ اب وقت آ گیا تھا کہ خانۂ کعبہ، جو خالص خدائے واحد کی عبادت کے لیے قائم کیا گیا تھا، اس کے حدود میں شرک و جاہلیت کی تمام رسمیں بہ زور بند کر دی جائیں۔ یہی نہیں، بلکہ مشرکین کو اس گھر کے قریب بھی پھٹکنے نہ دیا جائے۔ اس لیے آں حضرت ﷺ نے حضرت ابوبکرؓ کو حج میں یہ اعلان کرنے کی ہدایت فرمائی کہ آئندہ سے کوئی برہنہ ہو کر طواف نہ کرے اور نہ کوئی مشرک بیت اللہ کے حدود میں داخل ہو۔[1] اسی موقع سے سورۂ توبہ کی آیات نازل ہوئیں، جن میں مشرکین عرب سے اعلان براءت کیا گیا تو آں حضرت ﷺ نے حضرت علیؓ کو بھیجا کہ حج کے موقع پر برسرِ عام لوگوں کو یہ آیات سنا دیں اور ان کے مطابق ان کے لیے جو طرزِ عمل تجویز کیا گیا ہے اس کا اعلان کر دیں۔

خلاصۂ بحث

گزشتہ تفصیلات سے یہ بات بہ خوبی عیاں ہو جاتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے عہد میں حج کی حقیقی تصویر کیا تھی؟ آپ نے اپنے ارشادات اور عمل کے ذریعے کس طرح نسلی امتیازات کا خاتمہ کیا اور تقدس حج کے خود ساختہ اور غیر شرعی معیارات کو باطل قرار

---

[1] صحیح بخاری، کتاب المناسک، باب لا یطوف بالبیت عریان، ۱۶۲۲

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

دیا؟ آج بھی امت کی بھلائی اسی میں ہے کہ سنت نبوی کو زندہ کیا جائے اور زندگی کے دوسرے معاملات کی طرح حج میں بھی جو غیر شرعی اور غیر مسنون طریقے در آئے ہیں اور تقویٰ و پاکیزگی کے جن خود ساختہ معیارات نے جنم لے لیا ہے، انھیں مردود قرار دے کر سنت کے سرچشمے کی طرف رجوع کیا جائے۔

☆☆☆

www.KitaboSunnat.com

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حلف الفضول

سیرتِ نبوی کے ماقبلِ بعثت اہم واقعات میں سے ایک 'حلف الفضول' ہے۔ اُس دور میں جب مظلومین کے لیے حصول انصاف کا کوئی منظم ادارہ موجود نہیں تھا، بعض قبائل کے سربرآوردہ افراد کی کوششوں سے اس معاہدے کی تشکیل عربوں کا ایک قابلِ فخر کارنامہ ہے، لیکن اس معاہدے کی صرف تاریخی حیثیت ہی نہیں ہے، بلکہ آج کے دور میں بھی اس کی معنویت تلاش کی جاسکتی ہے۔

اہمیت

اسلام سے قبل عربوں میں خاندانی اور قبائلی نظام بہت مستحکم تھا۔ افراد اپنے خاندان اور قبیلے سے شدید وابستگی رکھتے تھے۔ کوئی کام صحیح ہو یا غلط، کوئی فیصلہ درست ہو یا نادرست، عدل پرمبنی ہو یا ظلم پر، کسی کی حمایت کرنی ہو یا مخالفت، کسی کو مدد پہنچانی ہو یا اس کے خلاف لڑنا ہو، تمام افرادِ قبیلہ اس میں برابر کے شریک رہتے تھے۔ درید بن الصمۃ نے اس کی ترجمانی یوں کی ہے:

وھل انا الا من غُزَیّۃ ان غوت
غویت وان ترشد غزیۃ ارشد[1]

(میں تو قبیلۂ غزیہ کا ایک فرد ہوں، اگر وہ غلط راہ پر چلے گا تو میں بھی غلط راہ پر چلوں گا اور اگر وہ صحیح راستے پر ہوگا تو میں بھی اسی راستے کو اختیار کروں گا۔)

اسی طرح قبیلے کے کسی بھی فرد کی حق تلفی اور اس پر ظلم وزیادتی پورے قبیلے کی

[1] ابن منظور، لسان العرب، دار صادر، بیروت، ۱۵/۱۴۰، مادہ 'غوی'

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مخالفت مول لینے کے مترادف تھی۔ قبائلی عصبیت ہی کی بنا پر ان میں باہم آویزشیں اور جنگیں ہوتی رہتی تھیں، جن کا سلسلہ سالوں تک دراز رہتا تھا۔ ایسے ماحول میں مختلف قبائل سے تعلق رکھنے والے چند سنجیدہ، بااثر اور صاحبِ حیثیت لوگوں کا قبائلی عصبیت سے اوپر اٹھ کر انسانی اور اخلاقی بنیادوں پر اکٹھا ہونا اور ہر حال میں ظلم کے ازالہ اور مظلوم کے دفاع کا عہد کرنا ایک غیر معمولی واقعہ تھا۔ اسی بنا پر اس معاہدے کو عربوں کی تاریخ میں سب سے محترم، بابرکت اور افضل معاہدہ قرار دیا گیا ہے۔

حضرت حکیم بن حزامؓ (م ۵۴ھ) فرماتے ہیں:

وکان أشرف حلف کان قطّ۔[1]

(یہ تاریخ کا سب سے قابلِ احترام معاہدہ تھا۔)

محمد بن حبیب بغدادی (م ۲۴۵ھ) نے لکھا ہے:

کان حلفاً لم یسمع الناس بحلف قط کان اکرم منه ولا افضل منه۔[2]

(یہ ایسا معاہدہ تھا کہ اس سے زیادہ قابلِ احترام و اکرام اور اس سے افضل کسی اور معاہدہ کا لوگوں نے کبھی تذکرہ نہیں سنا۔)

سہیلی (م ۵۸۱ھ) اور ابن کثیر (م ۷۷۴ھ) نے لکھا ہے:

وکان حلف الفضول أکرم حلف سمع به وأشرفه فی العرب۔[3]

---

[1] ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، دار صادر بیروت، ۱۳۷۶ھ/ ۱۹۵۷ء، جلد اول، ص ۱۲۸، ابن حبیب بغدادی، کتاب المنمق فی اخبار قریش، تحقیق خورشید احمد فارق، دائرۃ المعارف العثمانیۃ حیدرآباد دکن، ۱۹۶۴ء، ص ۲۱۸۔ ابن الجوزی، الوفا باحوال المصطفیٰ، دار الکتب الحدیثہ، مصر، ۱۹۶۶ء، جلد اول، ص ۱۳۸، حسین بن محمد بن الحسن الدیار بکری، تاریخ الخمیس فی احوال انفس نفیس، المطبعۃ العامرۃ العثمانیۃ، مصر، ۱۳۰۲ھ، جلد اول، ص ۲۹۵

[2] بغدادی، ص ۴۵

[3] عبدالرحمٰن السہیلی، الروض الانف فی شرح السیرۃ النبویۃ لابن ہشام، تحقیق و تعلیق و شرح: عبدالرحمٰن وکیل، مطبع وسنہ طبع ندارد، جلد دوم، ص ۷۲، ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ، دار الریان للتراث مصر، ۱۴۰۸ھ/ ۱۹۸۸ء، طبع اول، جلد دوم، ص ۲۷۰

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

(حلف الفضول عرب کا سب سے زیادہ قابلِ تکریم اور محترم معاہدہ تھا
جس کا تذکرہ سنا گیا ہو۔)

جو قبائل اس معاہدہ میں شریک نہیں ہو سکے تھے ان کے سربرآوردہ افراد اس کو رشک کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور اس میں عدم شرکت کو اپنی محرومی تصور کرتے تھے۔ عتبہ بن ربیعہ نے، جو عہدِ جاہلیت میں مکہ میں سرداروں میں سے تھا اور قبیلۂ بنو عبد شمس سے تعلق رکھتا تھا، ایک مرتبہ حلف الفضول کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا تھا:

''یہ بہت اچھا معاہدہ تھا۔ اللہ کی قسم اگر میں اپنی قوم سے الگ ہو کر کسی معاہدہ میں شریک ہو سکتا تو حلف الفضول میں ضرور شرکت کرتا''[1]

زمانہ

مورخین اور اصحابِ سیر نے لکھا ہے کہ حلف الفضول کا زمانہ حرب الفجار چہارم کے بعد کا ہے۔ عرب کے مختلف قبائل کے درمیان عہدِ جاہلیت میں ہونے والی جنگوں میں حرب الفجار بہت مشہور ہے۔ یہ جنگ وقفے وقفے سے سالوں تک جاری رہی تھی۔ اس نام سے ہونے والی چوتھی جنگ، جسے حرب البرّاض کا بھی نام دیا گیا ہے، عام الفیل کے بیسویں سال شوال میں ہوئی تھی۔ اس کے اگلے ماہ ذی قعدہ میں یہ معاہدہ وجود میں آیا تھا۔[2] ابن حبیب بغدادی کی ایک دوسری روایت کے مطابق یہ معاہدہ بعثتِ نبوی سے پانچ سال قبل طے پایا تھا۔[3] اس اعتبار سے اس کا زمانہ ۳۵ عام الفیل قرار پاتا ہے۔

سہیلی اور ابن کثیر حلف الفضول کا زمانہ تو بعثت سے بیس سال قبل ماہ ذی قعدہ

---

[1] بغدادی، المنمق، ص ۴۴۳

[2] بغدادی، المنمق، ص ۲۱۸، علی بن الحسین المسعودی، مروج الذہب ومعادن الجواہر، المطبعۃ البہیۃ مصر ۱۳۴۶ھ، ص ۳۹۶-۳۹۷، ابن الجوزی، ۱/ ۱۳۸

[3] بغدادی، المنمق، ص ۴۵

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہی قرار دیتے ہیں، لیکن وہ کہتے ہیں کہ حرب الفجار اس سے ایک ماہ قبل شوال میں نہیں، بلکہ تین ماہ قبل شعبان میں ہوئی تھی۔[1]

سبب

اس معاہدہ کا سبب کیا تھا؟ اس سلسلے میں بعض مورخین، مثلاً ابن قتیبہ (م ۲۷۶ھ) ابن الجوزی (م ۵۹۷ھ) اور دیار بکری (م ۹۶۶ھ) نے لکھا ہے کہ قبائلِ قریش حرم کے تقدس کو پامال کرتے ہوئے اس میں ایک دوسرے پر ظلم کرتے تھے۔[2] اس سے انھیں روکنے کے لیے یہ معاہدہ وجود میں آیا۔ علامہ شبلی (م ۱۹۱۴ء) نے بھی اس کا عمومی سبب بیان کیا ہے۔ انھوں نے لکھا ہے:

> ''لڑائیوں کے متواتر سلسلے نے سیکڑوں گھرانے برباد کر دیے تھے اور قتل وسفا کی موروثی اخلاق بن گئے تھے، یہ دیکھ کر بعض طبیعتوں میں اصلاح کی تحریک پیدا ہوئی''۔[3]

بعض حضرات نے لکھ دیا ہے کہ اس کے بہت سے اسباب تھے۔[4] لیکن بیش تر مورخین واصحابِ سیر نے اس کا سبب یہ بیان کیا ہے کہ یمن کے قبیلے زبید کا ایک تاجر مکہ مکرمہ آیا۔ اس نے قبیلۂ سہم کے ایک شخص عاص بن وائل[5] کے ہاتھ اپنا کچھ سامان فروخت کیا۔ اس نے سامان تو لے لیا، لیکن اس کی قیمت ادا کرنے میں ٹال مٹول کی۔ جب براہِ راست مطالبوں سے کام نہ چلا اور اسے قیمت ملی نہ اپنا مال واپس ملا تو اس نے

---

[1] سہیلی، ۲/۷۲، ابن کثیر، ۲/۲۷۰

[2] ابن قتیبہ، المعارف، تحقیق ڈاکٹر ثروت عکاشہ، مطبعۃ دارالکتب قاہرہ، ۱۹۶۰ء، ص ۶۰۴، ابن الجوزی، ۱/۱۳۵، دیار بکری، ۱/۲۹۵

[3] شبلی نعمانی، سیرت النبی، مطبع معارف، اعظم گڑھ، ۱۴۰۰ھ/ ۱۹۸۰ء، جلد اول، ص ۱۸۲، ۱۸۳

[4] محمد محی الدین عبدالحمید، محقق سیرۃ النبی لابن ہشام، المکتبۃ التجاریۃ الکبریٰ، ۱۳۵۶ھ/ ۱۹۳۷ء، ص ۱۴۴ (حاشیہ)

[5] بغدادی نے ابن ابی ثابت کی سند سے ایک روایت نقل کی ہے، اس میں حذیفہ بن قیس السہمی مذکور ہے۔ المنمق، ص ۳۳۶

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بعض قبائل سے مدد چاہی، مگر کسی نے اس کی مدد نہیں کی، بلکہ الٹا اسے ڈانٹا پھٹکارا۔ مایوس ہو کر ایک دن صبح سویرے زبیدی کوہِ ابوقبیس پر چڑھا اور وہاں سے ہجو وطنز کے چند اشعار میں اپنی مظلومی کی داستان سنائی۔ اس وقت قبائلِ قریش کے سردار خانۂ کعبہ کے اردگرد اپنی مجلسوں میں موجود تھے۔ انھوں نے اپنے دلوں پر اشعار کی چوٹ محسوس کی۔ ان کی مجلسوں میں اس معاملہ کا چرچا ہوا، بالآخر کچھ با اثر اور انصاف پرور لوگوں نے نہ صرف اس زبیدی کا مال واپس دلوایا، بلکہ ان کی کوششوں سے 'حلف الفضول' کی شکل میں ایک تاریخی معاہدہ بھی تشکیل پایا۔

معاہدہ میں شریک قبائل اور نمایاں افراد

عربوں میں مختلف اسباب سے خانہ جنگی برپا رہتی تھی، اس لیے قبائل ایک دوسرے کے حلیف بن جاتے تھے اور باہم مل کر ایک اتحاد قائم کر لیتے تھے۔ ایک موقع پر قبائلِ قریش دو گروں میں بٹ گئے تھے۔ ایک 'مطیبین' کہلاتا تھا اور دوسرا 'احلاف'۔ مطیبین میں بنوعبد مناف بن قصی، بنواسد بن عبدالعزیٰ بن قصی، بنوزہرہ بن کلاب، بنوتیم بن مرہ اور بنوالحارث بن فہر شامل تھے، جب کہ احلاف میں بنوعبدالدار بن قصی، بنوسہم بن عمرو، بنوجمح بن عمرو، بنومخزوم بن یقظہ اور بنوعدی بن کعب تھے۔

مورخین نے اس موقع کا بھی تذکرہ کیا ہے جب یہ دو اتحاد وجود میں آئے تھے۔ قصی کے بیٹوں میں عبدالدار معاشی اعتبار سے کچھ کم زور تھے۔ اس لیے انھوں نے حجابہ، ندوہ، سقایہ، رفادہ اور لواء کے مناصب ان کو دیے تھے۔ کچھ عرصہ کے بعد دوسرے بیٹوں کے خاندانوں کو، جن میں بنوعبد مناف پیش پیش تھے، اپنی حق تلفی کا احساس ہوا اور انھوں نے کچھ مناصب بنوعبدالدار سے لے لینے کا ارادہ کیا۔ دوسری جانب بنوعبدالدار ان میں سے ایک منصب بھی چھوڑنے پر تیار نہ تھے۔ اس موقع پر جو خاندان بنوعبد مناف کے حمایتی تھے انھوں نے خوشبو کے ایک برتن میں ہاتھ ڈال کر عہد کیا تھا کہ وہ ہمیشہ ایک دوسرے کا ساتھ دیں گے، اس لیے وہ 'مطیبین' کہلائے۔ دوسرے گروہ نے اونٹ ذبح

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کر کے اس کے خون میں ہاتھ ڈبو کر اور خون چاٹ کر ساتھ جینے اور ساتھ مرنے کا عہد کیا تھا، اس لیے ان کا نام 'احلاف' پڑا۔ بہ ہر حال اس موقع پر ان کے درمیان جنگ کی نوبت نہیں آئی تھی اور باہم اس بات پر صلح ہوگئی تھی کہ لواء اور حجابہ کے مناصب عبدالدار کے پاس اور سقایہ اور رفادہ کے مناصب بنو عبد مناف کے پاس رہیں گے۔[1]

حلف الفضول میں صرف 'مطیبین' شریک ہوئے تھے، 'احلاف' اس میں شامل نہ تھے۔ اس کا سبب یہ تھا کہ زبیدی تاجر کا مال ہڑپ کرنے والا شخص بنو سہم سے تعلق رکھتا تھا، اس لیے 'احلاف' میں شامل قبائل کے سرداروں نے اس اندیشے سے اس کی دادرسی نہیں کی تھی کہ کہیں بنو سہم اپنے آدمی کی حمایت میں ہمارے گروہ ہی سے نہ نکل جائیں، جس کی بنا پر ہم مطیبین کے مقابلے میں کم زور ہو جائیں۔ 'احلاف' کی جانب سے اس کم زوری کے مظاہرہ کی وجہ سے معاہدہ طے پاتے وقت انھیں اس میں شریک نہیں کیا گیا تھا۔[2] یہ بھی ہو سکتا ہے کہ معاملہ بنو سہم کے ایک شخص کا تھا، اس لیے احلاف بلائے جانے کے باوجود وہاں نہ گئے ہیں۔

مورخین نے صراحت کی ہے کہ اس معاہدے کے محرک اور داعی آں حضرت ﷺ کے چچا جناب زبیر بن عبدالمطلب تھے۔ ان کی تحریک پر 'مطیبین' میں شامل قبائل بنو تیم کے سردار عبداللہ بن جدعان کے گھر میں اکٹھا ہوئے اور وہیں یہ معاہدہ تشکیل پایا۔[3] البتہ مسعودی (م ۳۴۶ھ) کا بیان ہے کہ قبائل قریش پہلے دارالندوہ میں جمع ہوئے، جہاں وہ اہم امور میں باہم مشورہ کے لیے اکٹھا ہوا کرتے تھے۔ وہاں انھوں نے معاہدہ طے کیا، پھر عبداللہ بن جدعان کے گھر جا کر سب نے اس معاہدہ پر حلف لیا۔[4]

---

[1] محمد بن حبیب البغدادی، کتاب المحبر، دائرۃ المعارف العثمانیہ حیدرآباد دکن، ۱۳۶۱ھ، ۱۹۴۲ء، ص ۱۶۶-۱۶۷

[2] ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے لکھا ہے: "غالباً اس دعوت میں احلاف کو بلایا بھی نہیں گیا تھا"۔ اردو دائرۃ المعارف الاسلامیہ، دانش گاہ پنجاب، لاہور، مقالہ 'حلف الفضول' جلد ۸، ص ۵۱۳

[3] ابن سعد، ۱/ ۱۲۸، مسعودی، ۱/ ۳۹۶، ابن الجوزی، ۱/ ۱۳۸، سہیلی، ۲/ ۷۲، ابن کثیر، ۲/ ۲۷۰، علی بن برہان الدین الحلبی، انسان العیون فی سیرۃ الامین المامون المعروف بالسیرۃ الحلبیۃ، المطبعۃ العامرۃ مصر، ۱۲۹۲ھ، جلد اول، ص ۱۷۲

[4] مسعودی، ص ۳۹۶-۳۹۷

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جناب زبیر بن عبدالمطلب بنو ہاشم بن عبد مناف کے سردار تھے، ان کے والد عبدالمطلب نے انھیں اپنی زندگی ہی میں اپنا وصی اور سربراہِ خاندان مقرر کر دیا تھا اور اہم کاموں کی ذمہ داری سونپ دی تھی جن میں دو مناصب سقایا اور رفادہ بھی تھے۔ حرب الفجار میں انھوں نے ہی بنو ہاشم کی قیادت کی تھی اور ابن اسحاق (م ۱۵۱ھ) اور ابن ہشام (۲۱۳ھ) کا بیان ہے کہ انھوں نے خانۂ کعبہ کی تعمیر میں بھی حصہ لیا تھا۔[1]

عبداللہ بن جدعان قبیلۂ بنو تیم کے سردار تھے۔ عہدِ جاہلیت کے سخی اور فیاض لوگوں میں ان کا شمار ہوتا تھا۔ شراب اور جوئے سے اجتناب کرنے لگے تھے، غلاموں کو خرید کر آزاد کرتے تھے، حضرت صہیب (بن سنان) رومیؓ کو انھوں نے ہی خرید کر آزاد کیا تھا۔ قحط سالی کے زمانے میں وہ بڑے پیمانے پر عام لوگوں کی روزی کا سامان مہیا کرتے تھے۔ انھوں نے اتنی بڑی لگن بنوا رکھی تھی کہ سوار اپنی سواری پر بیٹھے بیٹھے اس میں سے نکال کر کھا سکتا تھا اور آدمی دھوپ سے بچنے کے لیے اس کے سایہ میں کھڑا ہو سکتا تھا۔ ایک مرتبہ اس میں ایک بچہ گر کر ڈوب گیا تھا۔[2]

صحیح مسلم میں ہے کہ ایک موقع پر حضرت عائشہؓ نے آں حضرت ﷺ کے سامنے ان کا تذکرہ کرتے ہوئے عرض کیا:

یا رسول اللہ ابن جدعان کان فی الجاھلیۃ یصل الرحم ویطعم المسکین... الخ[3]

(اے اللہ کے رسول- ابن جدعان جاہلیت میں صلہ رحمی کرتے تھے اور مسکین کو کھانا کھلاتے تھے...الخ۔)

---

[1] جناب زبیر بن عبدالمطلب کے بارے میں تفصیل کے لیے ملاحظہ کیجیے ڈاکٹر محمد یٰسین مظہر صدیقی کا مقالہ 'عم نبوی زبیر بن عبدالمطلب اور سیرت نبوی'، سہ ماہی تحقیقات اسلامی، علی گڑھ، جلد ۱۵، شمارہ ۱۳، جولائی-ستمبر ۱۹۹۶ء، ص ۲۷-۶۰

[2] بغدادی، المحبر، ۱۳۷، ۲۳۷، ۲۴۰، ابن قتیبہ، ۱۷۵، ۲۶۴، ابن کثیر، ۲/۲۰۲، حلبی، ۱/۱۷۲

[3] صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب الدلیل علی ان من مات علی الکفر لا ینفعہ عمل، ۲۱۴

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

محمد بن حبیب بغدادی نے حضرت عائشہؓ کے بعض بیانات نقل کیے ہیں، جن سے عبداللہ بن جدعان کی شخصیت پر مزید روشنی پڑتی ہے۔ ان کے مطابق وہ قریش کے بڑے سرداروں میں سے تھے، ہر سخت گھڑی میں لوگوں کے کام آتے تھے، حرب فجار جس کے لیے لوگوں نے ایک سال تک زبردست تیاری کی تھی، اس کے لیے قریش انہی کے گھر سے نکلے تھے، اس جنگ میں انھوں نے ہی قیادت کی تھی، فوجیوں کے لیے اسلحے فراہم کیے تھے اور ان کے درمیان مال تقسیم کیا تھا۔[1]

سہیلی نے عبداللہ بن جدعان کو 'ابن عمّ عائشة' (حضرت عائشہؓ کا چچازاد بھائی) لکھا ہے،[2] غالباً انہی کی متابعت میں مولانا محمد ادریس کاندھلوی اور مولانا مودودی نے بھی یہی لکھ دیا ہے[3] لیکن یہ صحیح نہیں معلوم ہوتا۔ ابن کثیر نے ان کا پورا سلسلۂ نسب بیان کرتے ہوئے صراحت سے لکھا ہے کہ وہ حضرت ابوبکر کے والد کے چچازاد بھائی تھے (وهو ابن عم والد ابی بكر الصديق رضی الله عنه)۔[4]

اس معاہدے کے محرک اور داعی زبیر بن عبدالمطلب تھے، لیکن لوگ عبداللہ بن جدعان کے گھر پر کیوں اکٹھا ہوئے؟ اس کی وجہ غالباً یہ تھی کہ عبداللہ بن جدعان قبائلِ قریش کے سرداروں میں سب سے بااثر، سب سے مال دار اور سب سے معمر تھے۔ ابن ہشام نے لکھا ہے:

فاجتمعوا فی دار عبدالله بن جدعان لشرفه وسنّه، فكان حلفهم عنده۔[5]

---

[1] بغدادی، المنمق، ص ۲۰۳

[2] سہیلی، ۲/۷۵

[3] محمد ادریس کاندھلوی، سیرۃ المصطفیٰ، انشاء پریس لاہور، ۱۳۷۵ھ، ص ۷۷، ابوالاعلیٰ مودودی، سیرت سرورعالم، مرکزی مکتبہ اسلامی، دہلی، حصہ دوم، ص ۱۱۱

[4] ابن کثیر، ۲/۲۰۲

[5] ابن ہشام، ۱/۱۳۵

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

(یہ لوگ عبداللہ بن جدعان کے گھر میں اکٹھا ہوئے، ان کے بااثر اور معمر ہونے کی وجہ سے، اور انہی کے پاس ان لوگوں نے حلف لیا۔)

ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے بھی اسی جانب اشارہ کیا ہے:

''عبداللہ بن جدعان کے مکان میں لوگ ضیافت کی دعوت پر جمع ہوئے۔ وہ بہت بوڑھا اور بااثر بھی تھا، اور بعض دفینوں کے ملنے سے بہت مال دار بھی تھا اور غالباً اسی کا مکان سب سے کشادہ بھی تھا...اس لیے ممکن ہے محرک زبیر ہوں اور محض ان کی کم سنی اور کم مالی کی وجہ سے ابن جدعان کی سرپرستی حاصل کی گئی ہو اور اس کے گھر پر جلسہ کیا گیا اور حسب عادت ضیافت ہوئی ہو۔''[1]

آں حضرت ﷺ کی شرکت

اس معاہدے میں آں حضرت ﷺ بھی شریک تھے۔ صحابیِ رسول حضرت حکیم ابن حزامؓ (ام المومنین حضرت خدیجہؓ کے بھتیجے، جو حرب الفجار میں شریک تھے اور انھیں آں حضرت ﷺ کی بعثت سے قبل بھی آپ کی دوستی کا شرف حاصل تھا) فرماتے ہیں:

''ابن جدعان کے گھر میں جو معاہدہ ہوا تھا اس میں میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا تھا، معاہدہ کی دستاویز زبیر بن عبدالمطلب نے لکھی تھی''۔[2]

خود آں حضرت ﷺ نے فخریہ انداز میں اس معاہدہ میں اپنی شرکت کا ذکر فرمایا ہے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا:

شهدت حلف المطيبين مع عمومتي وأنا غلام فما أحبّ أنّ لي حمر النعم وأني أنكثه۔[3]

---

[1] محمد حمید اللہ، اردو دائرۃ المعارف الاسلامیہ، ۸/۵۱۳

[2] بغدادی، المنمق، ص ۲۲۱

[3] مسند احمد، تحقیق احمد محمد شاکر، دار المعارف مصر، ۱۹۵۰، حدیث نمبر: ۱۶۵۵/۳/۱۱۹-۱۲۰، حدیث نمبر: ۱۶۷۶/۳/۱۳۶

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

(میں نے اپنی نوعمری میں اپنے چچاؤں کے ساتھ حلف المطیبین میں شرکت کی تھی، اس معاہدے کو توڑنے کے لیے اگر مجھے سرخ اونٹ بھی دیے جاتے تو میں اس پر تیار نہ ہوتا۔)

مسند احمد کے محقق احمد محمد شاکر (م ۱۳۷۷ھ) فرماتے ہیں کہ اس حدیث کی سند صحیح ہے۔[1] علامہ ابن حجر (م ۸۵۲ھ) فرماتے ہیں "امام احمد کے علاوہ اس حدیث کو ابویعلی، ابن حبان اور حاکم نے بھی حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ سے مرفوعاً روایت کیا ہے اور ابن حبان نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔[2]

حافظ ابن کثیر نے اپنی تاریخ البدایۃ والنہایۃ میں اس روایت کو بیہقی سے نقل کیا ہے، لیکن اس میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کا واسطہ نہیں ہے، اسی طرح انھوں نے اس روایت کو حضرت ابوہریرہؓ سے بھی نقل کیا ہے۔[3]

روایتِ بالا میں 'حلف المطیبین' کے الفاظ ہیں۔ عموماً مورخین نے اس سے مراد وہ معاہدہ لیا ہے جو قریش کے بعض قبائل کے درمیان بعض مناصب (رفادہ، حجابہ، سقایہ، لواء وغیرہ) کے سلسلہ میں ہوا تھا اور جس کے موقع پر انھوں نے خوشبو کے برتن میں ہاتھ ڈال کر حلف اٹھایا تھا اور مطیبین کہلائے تھے۔ وہ معاہدہ آں حضرت ﷺ کی پیدائش سے قبل کا ہے۔ اس لیے یہاں 'حلف المطیبین' سے مراد حلف الفضول ہے۔ اس میں لفظ 'المطیبین' یا تو کسی راوی کی جانب سے ادراج (اضافہ) ہے، یا چوں کہ اس معاہدہ میں بھی صرف وہی قبائل شریک تھے جن پر مطیبین کا اطلاق ہوتا تھا، اس لیے اس کو بھی 'حلف المطیبین' کہہ دیا گیا۔[4]

اس معاہدہ کے وقت آں حضرت ﷺ کی عمرِ مبارک عام مورخین و اصحابِ سیر

---

[1] احمد محمد شاکر، حوالہ سابق

[2] ابن حجر، فتح الباری بشرح صحیح البخاری، دارالمعرفۃ بیروت، جلد ۱۰، ص ۵۰۲

[3] ابن کثیر، ۲/۲۷۰

[4] ابن کثیر، ۲/۲۷۰، حلبی، ۱/۱۲۴

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کے مطابق بیس سال تھی۔ منمق کی ایک روایت میں اسے بعثت نبوی سے پانچ سال قبل کا واقعہ بتایا گیا ہے۔[1] اس اعتبار سے اس وقت حضور کی عمر ۳۵ سال قرار پاتی ہے۔

وجہ تسمیہ

اس معاہدہ کا نام 'حلف الفضول' کیوں پڑا؟ مورخین واصحاب سیر نے اس کے مختلف اسباب بیان کیے ہیں:

۱- اس طرح کا معاہدہ سب سے پہلے قبیلۂ جرہم وقطورا سے تعلق رکھنے والے مکہ کے اولین آبادکاروں نے کیا تھا۔ مورخین نے ان کی تعداد تین بیان کی ہے، لیکن ان کے ناموں میں اختلاف ہے۔

ابن کثیر، ابن قتیبہ، ابن الاثیر صاحب النہایۃ: الفضل بن الحارث، الفضل بن وداعۃ، الفضل بن فضالۃ۔

ابن الاثیر صاحب الکامل: الفضیل بن الحرث الجرہمی، الفضیل بن وداعۃ القطوری، المفضل بن فضالۃ الجرہمی۔

ابن کثیر، سہیلی، ابن الجوزی: الفضیل بن قضاعۃ (قزاعۃ) الفضل بن شراعۃ۔ الفضل بن بضاعۃ۔

سہیلی، زبیر: فضیل بن شراعۃ، فضل بن وداعۃ، فضل بن قضاعۃ۔

دیار بکری: الفضیل بن قضاعۃ، الفضیل بن شراعۃ، الفضل بن بضاعۃ۔

ابن حجر: فضل، فضالۃ، مفضل۔

بعض مورخین نے کچھ اور نام بھی بیان کیے ہیں۔ بہ ہر حال ان کے نام کچھ بھی ہوں، چوں کہ ہر ایک کے نام میں 'فضل' کا مادہ شامل ہے اس لیے ان کے کیے گئے معاہدہ کو حلف الفضول کا نام دیا گیا تھا۔ جب 'مطیبین' نے بھی اسی طرح کا معاہدہ کیا تو انھوں نے کہا: "حلفٌ کحلف الفضول" یعنی ہم بھی اسی طرح کا معاہدہ کرتے ہیں

---

[1] بغدادی، المنمق، ص ۴۵

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جس طرح 'فضول' نے معاہدہ کیا تھا۔ اس طرح ان کے کیے گئے معاہدے کو بھی حلف الفضول کہا جانے لگا۔[1]

۲- انھوں نے یہ معاہدہ کیا تھا کہ جو فضل کسی صاحبِ حق سے کوئی ظالم چھینے گا، اسے وہ واپس دلا کر رہیں گے۔ اسی وجہ سے ان کا معاہدہ 'حلف الفضول' کہلایا۔ منمق کی ایک روایت میں ہے:

سمّی حلف الفضول لأنهم تحالفوا ألاّ یترکوا عند احد فضلا یظلمه احد الا اخذوه منه۔[2]

(اس معاہدہ کا نام حلف الفضول اس لیے پڑا، کیوں کہ انھوں نے حلف اٹھایا تھا کہ اگر کوئی شخص ظلم و زیادتی کر کے کسی کا فضل چھینے گا تو اس سے چھین کر صاحبِ حق کو واپس دلائیں گے۔)

ابن کثیر نے حمیدی سے ایک مرفوع روایت نقل کی ہے، اس میں یہ الفاظ بھی ہیں:

تحالفوا أن یردّوا الفضول علی اهلها۔[3]

(انھوں نے حلف اٹھایا تھا کہ فضل کو اس کے حق داروں کی طرف پلٹائیں گے۔)

سہیلی نے اس قول کو ترجیح دی ہے اور لکھا ہے کہ اگرچہ جرہم والی وجہ تسمیہ بھی مناسب ہے، لیکن چوں کہ یہ وجہ تسمیہ ایک مرفوع حدیث سے معلوم ہوتی ہے اس لیے یہ زیادہ قوی اور قابلِ قبول ہے۔[4]

---

[1] سہیلی، ۲/۷۰، ابن الجوزی، ۱/۱۳۷، ابن الاثیر (م ۶۰۶ھ) النہایہ فی غریب الحدیث، المطبعۃ العثمانیہ مصر، ۱۳۱۱ھ، جلد ۳، ص ۲۰۵-۲۰۶، مادہ 'فضل'، ابن الاثیر (م ۶۳۰ھ) الکامل فی التاریخ، دار الکتاب العربی بیروت ۱۴۰۶ھ/ ۱۹۸۶ء، طبع ۶، جلد دوم، ص ۲۵-۲۶، ابن کثیر، ۲/۲۷۱، ابن حجر، ۴/۳۷۳، دیار بکری، ۱/۲۹۵، حلبی، ۱/۱۷۶

[2] بغدادی، المنمق، ص ۳۳۱

[3] ابن کثیر، ۲/۲۷۰، مزید ملاحظہ کیجیے حلبی، ۱/۱۷۳

[4] سہیلی، ۲/۷۱

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۳- ایسے زمانے میں جب کہ لوگ اپنے اپنے قبائل اور خاندانوں کی عصبیتوں میں گرفتار تھے، ان لوگوں نے قبائل سے اوپر اٹھ کر اور ان کے دائرے سے باہر نکل کر یہ معاہدہ کیا تھا، اسی لیے ان کے معاہدے کو حلف الفضول کا نام دیا گیا:

وإنما سمّي حلف الفضول لأنه حلف خرج من حلف المطيّبين والاحلاف، فكان فضلاً بينهما عليهما۔[1]

(اس معاہدے کا نام حلف الفضول پڑا اس لیے کہ وہ مطیبین اور احلاف دونوں کے معاہدوں سے الگ اور ان سے مختلف نوعیت کا تھا۔)

۴- قریش کے جو قبائل اس معاہدے میں شریک نہیں ہوئے تھے انھوں نے اس کا مذاق اڑایا، اسے فضول قرار دیا اور کہا کہ ان لوگوں نے اپنے دائرہ اختیار سے باہر جا کر کام کیا ہے، بعد میں ان کا یہی دیا ہوا نام چل پڑا۔

فسمّت قريش ذلك الحلف حلف الفضول وقالوا لقد دخل هولاء في فضل من الامر۔[2]

(قریش نے اس معاہدہ کو حلف الفضول کا نام دیا اور کہا کہ ان لوگوں نے ضرورت سے زائد ایک کام کیا۔)

سمّوه حلف الفضول عيباً له وقالوا هذا من فضول القوم۔[3]

(انھوں نے اس معاہدہ کا نام حلف الفضول بہ طور عیب رکھا اور کہا کہ یہ ان لوگوں کا ایک بے فائدہ کام ہے۔)

۵- ایک وجہ یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ ان لوگوں نے اس معاہدہ کے انعقاد کے لیے اپنا مال بھی خرچ کیا تھا، اس لیے یہ نام پڑا:

---

[1] بغدادی، المنمق، ص ۴۷، ۳۳۱

[2] سہیلی، ۲/۷۳، ابن کثیر، ۲/۱۷۱

[3] ابن الجوزی، ۱/۱۳۷، مزید دیکھیے ابن ہشام، ۱/۱۴۵، ابن سعد، ۱/۱۳۹، حلبی، ۱/۱۷۶، دیار بکری، ۱/۲۹۵، محمد حمید اللہ، اردو دائرۃ المعارف الاسلامیہ، ۸/۵۱۴

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

وقيل لأنهم أي هؤلاء الذين تحالفوا كانوا أخرجوا فضول أموالهم للأضياف۔[1]

(ایک وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ حلف اٹھانے والے ان لوگوں نے مہمانوں کے لیے اپنا مال خرچ کیا تھا، اس لیے یہ نام پڑا۔)

دفعات

اس معاہدے کی دفعات کے بارے میں کتب سیر و تاریخ میں کہیں اجمال ہے تو کہیں تفصیل۔ ابن ہشام اور ابن اثیر (م ۶۳۰ھ) نے یہ الفاظ نقل کیے ہیں:

تحالفوا وتعاقدوا ان لا يجدوا بمكة مظلوماً من أهلها او من غيرهم من سائر الناس الا قاموا معه وكانوا على من ظلمه حتى تردّ عليه مظلمته۔[2]

(انھوں نے حلف دے کر عہد کیا تھا کہ شہر مکہ میں کسی پر بھی ظلم ہو، خواہ وہ مکہ کا رہنے والا ہو یا کہیں باہر کا ہو تو وہ سب مظلوم کی تائید و مدافعت میں اور ظالم کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں گے، یہاں تک کہ مظلوم کو اس کا حق واپس مل جائے۔)

کتاب المنمق کی ایک روایت میں یہ اضافہ ہے: "شريفٌ أو وضيعٌ، منّا أو من غيرنا" [3] یعنی مظلوم خواہ شریف ہو یا وضیع (کم تر درجہ کا) ہم میں سے ہو یا کہیں اور کا، ہم ہر حال میں اس کا ساتھ دیں گے۔

کتاب الاغانی کی ایک روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں: "غريب ولا قريب، ولا حرّ ولا عبد" [4] یعنی خواہ وہ پردیسی ہو یا مقامی، آزاد ہو یا غلام۔

---

[1] حلبی، ۱/۱۷۶

[2] ابن ہشام، ۱/۱۳۵، ابن اثیر صاحب الکامل، ۲/۲۶

[3] بغدادی، المنمق، ص ۴۵

[4] ابوالفرج اصفہانی، کتاب الاغانی، تحقیق عبدالستار احمد فراج، دارالثقافۃ بیروت، ۱۹۵۹ء، جلد ۱۷، ص ۲۱۲

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ابن کثیر نے یہ الفاظ نقل کیے ہیں:

تعاقدوا و تعاهدوا بالله ليكونن يداً واحدةً مع المظلوم على الظالم حتى يودّى اليه حقهٗ، ما بلّ بحر صوفة وما رسىٰ ثبير و حراء مكانهما۔[1]

(انھوں نے باہم عہد و پیمان کیا کہ اللہ کی قسم ہم سب ظالم کے خلاف مظلوم کی حمایت میں ایک ہاتھ بن کر اٹھیں گے، یہاں تک کہ مظلوم کو اس کا حق مل جائے۔ ہمارا یہ عہد اس وقت تک باقی رہے جب تک سمندر گھونگھوں کو بھگوتا رہے اور ثبیر اور حراء نامی پہاڑ اپنی جگہ قائم رہیں۔)

معاہدہ کے آخری جزء کا مطلب یہ ہے کہ یہ کوئی وقتی اور عارضی معاہدہ نہیں ہے، بلکہ ہمیشہ کے لیے ہے۔[2]

منتمق کی ایک روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں:

لانقض هذا الحلف ما بلّ بحر صوفة۔[3]

(ہم اس حلف کی خلاف ورزی نہ کریں گے جب تک سمندر گھونگھے کو بھگوتا رہے۔)

کتاب الاغانی کی ایک روایت میں ہے کہ اس معاہدہ کی ایک دفعہ یہ بھی تھی:

وعلى الأمر بالمعروف والنهى عن المنكر۔[4]

(ہم اس بات کا بھی عہد کرتے ہیں کہ معروف کا حکم دیں گے اور منکر سے روکیں گے۔)

---

[1] ابن کثیر، ۲/۲۷۱، ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے صوفۃ کا ترجمہ ایک جگہ 'گھونگھا' کیا ہے (رسول اکرم کی سیاسی زندگی، دارالاشاعت کراچی، ص ۶۶) اور دوسری جگہ اسفنج (اردو دائرۃ المعارف الاسلامیۃ، مقالہ حلف الفضول، ۸/۵۱۴

[2] حلبی، ۱/۱۴۷

[3] بغدادی، المنمق، ص ۲۲۱

[4] اصفہانی، ۱۷/۲۱۳

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ابن سعد (م ۲۳۰ھ) بغدادی، سہیلی اور ابن کثیر نے معاہدہ کی ایک دفعہ یہ بھی نقل کی ہے:

وعلی التاسی فی المعاش [1]

(اور اس بات پر عہد کرتے ہیں کہ ہم سب باہم مالی اعانت کریں گے۔)

اس دفعہ کا منشا یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص کسی موقع پر مالی تعاون کا ضرورت مند ہو تو سب مل کر اس کی مدد کریں گے۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے اس دفعہ کے بارے میں لکھا ہے:

"اس کا آخری فقرہ بھی غور طلب ہے۔ مورخ ساکت سے ہیں کہ اس کا منشا کیا تھا؟ بہر حال یہ تو یقین ہے کہ مدد کو جانے والے جب اپنی جان سے حاضر تھے تو اپنے مال کی کیا پروا کرتے ہوں گے"۔ [2]

اثرات

تمام مورخین اور اصحابِ سیر نے لکھا ہے کہ اس معاہدہ کا حلف لینے کے بعد حلف لینے والے عاص بن وائل کے پاس گئے اور اسے دھمکاتے ہوئے کہا کہ جب تک تم اس زبیدی تاجر کا مال اسے واپس نہیں کرو گے ہم تمھیں نہیں چھوڑیں گے۔ بالآخر اسے مال واپس ہی کرتے بنی۔ منمق میں ہے کہ اس کے بعد حال یہ ہو گیا تھا کہ مکہ میں اگر کسی شخص پر ظلم ہوتا تھا تو یہ لوگ اس کی حمایت میں اٹھ کھڑے ہوتے تھے (فمکثوا کذلک لا یُظلم أحد بمکة الا اخذوه له) [3] مورخین نے ایسے متعدد واقعات بیان کیے ہیں جب کسی پر ظلم ہوا اور اس نے حلف الفضول کی دہائی دی تو فوراً اس کی حمایت میں لوگ اٹھ کھڑے ہوئے اور اس کا حق واپس دلایا:

---

[1] ابن سعد، ۱/۱۲۹، بغدادی، المنمق، ص ۳۴۱، سہیلی ۲/۳/۷، ابن کثیر، ۲/۲۷۱

[2] محمد حمید اللہ، رسول اکرم کی سیاسی زندگی، ص ۶۶

[3] بغدادی، المنمق، ص ۴۷

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۱- قبیلۂ ثمالہ کا ایک شخص، جس کا نام لمیس بن سعد البارقی تھا، ازد سے سامانِ تجارت لے کر مکہ آیا۔ ابی بن خلف جمحی نے اس کا سامان خرید لیا، لیکن قیمت ادا کرنے میں ٹال مٹول سے کام لیا۔ ثمالی نے تقاضا کیا تو الٹا اسے برا بھلا کہا۔ اس نے اپنی رقم حاصل کرنے کے سلسلے میں بعض لوگوں سے مدد چاہی، لیکن کوئی اس کی مدد کرنے کو تیار نہ ہوا۔ کسی نے ہمدردی میں اس سے کہا کہ حلف الفضول والوں کے پاس جاؤ، وہ تمھاری مدد کریں گے۔ وہ ان لوگوں کے پاس گیا تو انھوں نے کہا: ''ابی کے پاس جا کر کہو کہ حلف الفضول والوں نے بھیجا ہے، پھر بھی اگر وہ تمھارے سامان کی قیمت نہ دے تو ہمارے پاس واپس آؤ''۔ اصحاب حلف الفضول کا نام سن کی ابی نے فوراً اس کی قیمت ادا کر دی۔[1]

۲- قبیلۂ خثعم کا ایک شخص حج یا عمرہ کرنے کے ارادے سے مکہ آیا۔ اس کے ساتھ اس کی بیٹی بھی تھی، جو بہت خوب صورت تھی۔ نبیہ بن الحجاج سہمی[2] جو قریش کے مشہور شہ سواروں میں سے تھا، اس سے زبردستی اس کی بیٹی چھین کر اپنے گھر لے گیا۔ باپ نے بنو سہم کے پاس فریاد کی، مگر انھوں نے اس کی کچھ مدد نہ کی۔ وہ قریش کے دوسرے قبائل کے پاس گیا، مگر انھوں نے بھی اس کی کچھ مدد کرنے سے انکار کیا۔ کسی نے کہا کہ حلف الفضول والوں کے پاس چلے جاؤ۔ اس نے کعبہ کے پاس کھڑے ہو کر آواز لگائی۔ ''اے حلف الفضول والو!'' فوراً چاروں طرف سے لوگ تلواریں سونتے ہوئے نکل آئے اور کہنے لگے: ''کیا بات ہے؟ ہم مدد کے لیے حاضر ہیں''۔ اس نے اپنی بپتا سنائی۔ فوراً وہ لوگ اس کے ساتھ گئے اور اس کے بیٹی برآمد کرا دی۔[3]

۳- حضرت معاویہؓ کے بھتیجے اور مدینہ کے گورنر ولید بن عتبہ اور حضرت حسین بن علیؓ کے درمیان ایک جائیداد کے سلسلے میں جھگڑا ہو گیا۔ اس موقع سے حضرت حسین

---

[1] بغدادی، حوالہ سابق، ص ۳۴۸، ۳۴۳

[2] نبیہ بن الحجاج سہمی غزوۂ بدر میں مشرکین کے لشکر میں تھا اور قتل کیا گیا تھا۔ اس کا شمار جاہلیت کے مشہور شعراء میں ہوتا ہے۔ اس کا مفصل تذکرہ ابوالفرج اصفہانی نے کتاب الاغانی میں کیا ہے، ۱۷/۲۰۴-۲۰۹

[3] بغدادی، المنمق، ۴۸-۴۹، اصفہانی، ۱۷/۲۰۷، سہیلی، ۲/۷۳، ابن کثیر، ۲/۲۷۱، حلبی، ۱/۱۷۶

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نے دھمکی دی کہ اگر انھیں انصاف نہ ملا تو وہ حلف الفضول کی دہائی دیں گے۔ فوراً عبداللہ بن زبیر ہاشمی، مسور بن مخرمہ زہری اور عبدالرحمٰن بن عثمان تیمی نے تائید کی اور اس پکار پر لبیک کہنے کا عندیہ ظاہر کیا۔ یہ دیکھ کر ولید بن عتبہ نے ان کا حق دے دیا۔[1]

خاتمہ

خلافتِ بنوامیہ کے آغاز تک حلف الفضول کا تذکرہ ملتا ہے، اس کے بعد اس کا سراغ نہیں ملتا۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے لکھا ہے:

> ''اس حلف کی خامی یہ تھی کہ نئے لوگ اس میں بھرتی نہیں ہوتے تھے، نتیجہ یہ ہوا کہ خلافتِ بنوامیہ کے آغاز پر جب اس کے شرکاء میں سے آخری شریک انتقال کر گیا تو یہ ادارہ بھی ستر اسی سال کی شاندار روایتیں چھوڑ کر ختم ہو گیا''۔[2]

> ''اسے مستقل ادارہ بنانے اور وقت بہ وقت نئے ارکان کو بھرتی کرنے کی جانب توجہ نہیں کی گئی، جس کے باعث ایک ہی نسل کے بعد یہ انجمن ختم ہو گئی''۔[3]

یہ بات صحیح نہیں معلوم ہوتی، اس لیے کہ حضرت حسین اور ولید بن عتبہ کے درمیان نزاع کے موقع پر جن لوگوں نے حلف الفضول کے نام پر حضرت حسین کا ساتھ دینے کا عندیہ ظاہر کیا تھا وہ بہ ذاتِ خود حلف الفضول میں شریک نہیں تھے، بلکہ محض حلف الفضول میں شریک قبیلوں سے تعلق رکھنے کی وجہ سے انھوں نے اپنی حمایت ظاہر کی تھی۔

اس کے بجائے ڈاکٹر محمد حمید اللہ ہی کی دوسری بات قرینِ قیاس معلوم ہوتی ہے:

> ''یہ ممکن تھا کہ حلف الفضول کا ادارہ ترقی کر کے ایک مستقل نظام کی

---

[1] ابن ہشام، ۱/۱۳۶، سہیلی، ۲/۸۱، ابن اثیر صاحب الکامل، ۲/۲۶-۲۷، حلبی، ۱/۱۷۶-۱۷۷

[2] محمد حمید اللہ، اردو دائرۃ المعارف الاسلامیۃ، ۸/۵۱۴

[3] محمد حمید اللہ، رسول اکرم کی سیاسی زندگی، ص ۲۶

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حیثیت اختیار کر لیتا۔ لیکن جلد ہی اسلام کا زمانہ آ گیا، جس کے بعد یہ ادارہ غیر ضروری ہو گیا، کیوں کہ اسلامی حکومت نے ایک نہایت منظم مرکزی نظامِ عدالت قائم کر لیا اور خود عہدِ نبوی میں پورا جزیرہ نمائے عرب اور جنوبی فلسطین اسی مرکزی نظام عدالت کے تحت آ چکے تھے"۔[1]

عصری معنویت

حافظ ابن کثیر نے حمیدی کے حوالے سے حضرت ابوبکرؓ کے صاحب زادوں محمد اور عبدالرحمٰن سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لقد شهدت في دار عبدالله بن جدعان حلفاً لو دُعيت به في الاسلام لأجبت۔[2]

(میں عبداللہ بن جدعان کے گھر میں ایک ایسے معاہدے میں شریک ہوا ہوں کہ اگر مجھے اس کا نام لے کر بلایا جائے تو میں اس پر لبیک کہوں گا۔)

ابن ہشام، ابن سعد، بغدادی، ابن اثیر صاحب الکامل، ابن حجر اور دیار بکری وغیرہ نے بھی یہ روایت نقل کی ہے۔[3] سہیلی اور حلبی نے اس کا مطلب یہ بتایا ہے:

يريد لو قال قائل من المظلومين يا لحلف الفضول لأجبت۔[4]

(آپؐ کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی مظلوم حلف الفضول کی دہائی دے تو میں اس کی مدد کو ضرور پہنچوں گا۔)

---

[1] محمد حمید اللہ، عہد نبوی میں نظام حکمرانی، اسلامک بک فاؤنڈیشن نئی دہلی، ۱۹۹۶ء، ص ۶۵

[2] ابن کثیر، ۲/۲۷۰

[3] ابن ہشام، ۱/۴۶، ابن سعد، ۱/۱۲۹، بغدادی، المنمق، ص ۲۲۰، ۳۴۱، ۳۴۴، ابن اثیر صاحب الکامل، ۲/۲۶، ابن حجر، ۴/۳۷۳، دیار بکری، ۱/۲۹۵

[4] سہیلی، ۲/۸۲، حلبی، ۱/۱۷۴

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

یہی مفہوم ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے ترجمے سے بھی نکلتا ہے:

''اگر اب زمانہ اسلام میں بھی مجھے کوئی اس کی دہائی دے کر پکارے تو اس کی مدد کو دوڑوں''۔[1]

جب کہ علامہ شبلی نے اس کا ترجمہ یہ کیا ہے:

''آج بھی ایسے معاہدے کے لیے کوئی بلائے تو میں حاضر ہوں''۔[2]

مولانا مودودی (م ۱۹۷۹ء) کا ترجمہ بھی اسی سے ملتا جلتا ہے:

''اگر آج دورِ اسلام میں بھی ایسے کسی معاہدے کی طرف دعوت دی جائے تو میں اسے قبول کروں گا''۔[3]

یہاں ایک سوال یہ ذہن میں آتا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے حلف الفضول کے بارے میں اپنی پسندیدگی کا اظہار کیا، اس کے سلسلے میں کلماتِ تحسین ادا فرمائے اور اس میں اپنی شرکت پر فخر جتایا، بلکہ اس سے آگے بڑھ کر یہ بھی ارشاد فرمایا کہ ''اگر آج زمانہ اسلام میں بھی کوئی ایسے معاہدے میں شرکت کے لیے دعوت دے تو اس کی دعوت کو قبول کروں گا'' تو آپ نے خود سبقت کر کے ایسے کسی معاہدے کو تشکیل دینے اور دوسروں کو اس میں شریک کرنے کی کوشش کیوں نہیں فرمائی؟

اس کا سبب یہ سمجھ میں آتا ہے کہ اسلام نے ایک طرف مختلف عصبیتوں کو ختم کیا ہے اور تمام انسانوں کو مختلف وابستگیوں سے اوپر اٹھ کر اسلام کے نام پر یکجا ہونے کی تعلیم دی ہے، دوسری طرف تمام انسانوں کو بنیادی حقوق سے بہرہ ور کیا ہے اور کسی بھی حق کے تلف ہونے کی صورت میں دادرسی اور حصولِ انصاف کا حق دیا ہے۔ اس معاملہ میں اس

---

[1] محمد حمید اللہ، رسول اکرم کی سیاسی زندگی، ص ۶۶، عہد نبوی میں نظام حکمرانی، ص ۱۴۵ (حاشیہ)

[2] شبلی، ۱/۱۸۳

[3] مودودی، ۲/۱۱۱، اسی سیاق میں مولانا مودودی نے دوسری جگہ یہ ترجمہ کیا ہے ''ایسے معاہدہ میں شرکت کی اگر مجھے اسلام کے زمانے میں دعوت دی جائے تو میں اسے پسند کروں گا'' (۲/۱۱۰) یہاں مولانا نے عربی متن میں لفظ ''اجبت'' (ا ج ب ت) کو ''احببت'' (ا ح ب ب ت) پڑھ کر اس کے اعتبار سے ترجمہ کر دیا ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کی نظر میں امیر و غریب، آقا و خادم، حاکم و رعیت اور اعلیٰ و ادنیٰ کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے۔ یہ اس کی صرف نظری تعلیم نہیں ہے، بلکہ دنیا نے عملاً اس کا مشاہدہ کیا ہے کہ حق تلفی کی صورت میں اسلامی ریاست کے عام شہری نے حکمرانِ وقت کے خلاف عدالت میں اپنا مقدمہ دائر کیا اور انصاف پایا۔ حلف الفضول جیسا معاہدہ جن بنیادی حقوق کو تحفظ فراہم کرتا تھا ان سے کہیں زیادہ وسیع پیمانے پر اسلام انسانوں کے بنیادی حقوق کی ضمانت دیتا اور ان کے تحفظ کے لیے اسلامی ریاست کو پابند کرتا ہے۔ اس لیے اسلام کے نفاذ اور اسلامی ریاست کے قیام و استحکام کے بعد اس معاہدے کے احیاء یا اس جیسے کسی دوسرے معاہدے کی تشکیل کی ضرورت نہ تھی، لیکن چونکہ حلف الفضول ایک اچھے کام کے لیے وجود میں آیا تھا، ایسا کام جس کا اسلام بھی داعی ہے، اس لیے رسول اللہ ﷺ نے اس کی تائید و توثیق فرمائی اور اس میں شامل رہنے اور اسے نافذ کرنے کا اظہار فرمایا۔

حضرت جبیر بن مطعمؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لا حلف فی الاسلام وأیما حلف کان فی الجاھلیة لم یزدہ الإسلام الاشدة۔[1]

(اسلام میں کوئی معاہدہ نہیں، رہا جاہلیت میں کیا گیا معاہدہ تو اسلام اسے تقویت ہی دیتا ہے۔)

یہی حدیث مسند احمد میں عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کی سند سے مروی ہے۔[2]

مسند احمد میں اسی سند سے ایک دوسری روایت کے الفاظ یہ ہیں:

وأوفوا بحلف الجاھلیة فان الاسلام لم یزدہ الا شدة، ولا تحدثوا حلفا فی الاسلام۔[3]

1۔ صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة، باب مواخاة النبی ﷺ بین اصحابہ، حدیث نمبر: ۲۵۳۰، سنن ابی داؤد، کتاب الفرائض، باب فی الحلف

2۔ مسند احمد، تحقیق احمد محمد شاکر، ۱۱/ ۱۸۷-۱۸۸، حدیث نمبر: ۷۰۱۲

3۔ مسند احمد، ۱۱/ ۱۷۴، حدیث نمبر: ۶۹۹۳

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

(جاہلیت میں کیے گئے معاہدہ کو پورا کرو، اس لیے کہ اسلام اسے تقویت دیتا ہے، البتہ اسلام میں ایسا کوئی معاہدہ نہ کرو۔)

مذکورہ بالا حدیث میں کوئی معاہدہ کرنے کی مطلق ممانعت نہیں ہے، بلکہ اس طرح کا معاہدہ کرنے سے روکا گیا ہے جیسا عہد جاہلیت میں مختلف قبائل جنگ و جدال، غارت گری اور ظلم و زیادتی کے کاموں میں بھی ایک دوسرے کا ساتھ دینے کے لیے کیا کرتے تھے، رہے عہد جاہلیت کے ایسے معاہدے جو اچھے کاموں کی انجام دہی کے لیے کیے گئے ہوں تو اسلام نہ صرف ان کی توثیق کرتا ہے، بلکہ ایسے معاہدے آئندہ بھی کرنے کی اجازت دیتا ہے۔[1] حضرت انس بن مالکؓ کی درج ذیل وضاحت سے اس کا اشارہ ملتا ہے:

حضرت عاصم الاحول کہتے ہیں کہ میں نے حضرت انس بن مالکؓ کے سامنے عرض کیا: کیا آپ کو معلوم ہے کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے: "لاحلف فی الاسلام" (اسلام میں کوئی معاہدہ نہیں ہے) انھوں نے فرمایا: "خود رسول اللہ ﷺ نے میرے گھر میں قریش (یعنی مہاجرین) اور انصار کے درمیان (اخوت و بھائی چارے کا) معاہدہ کرایا تھا"۔[2]

ایسے معاشروں میں جہاں اسلام کو قوتِ نافذہ حاصل اور اس کا نظامِ عدل پوری طرح قائم ہو، حلف الفضول جیسے معاہدے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اس لیے کہ اسلام از خود وہ تحفظات فراہم کرتا اور حکم رانوں کو ظالموں کی سرکوبی کرنے اور مظلوموں کی دادرسی کرنے کا پابند کرتا ہے۔ لیکن جن معاشروں میں اسلام غالب و نافذ نہیں ہے، وہاں ظلم و زیادتی کی صورت میں حصولِ انصاف کو یقینی بنانے کے لیے ایسے معاہدوں سے فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔

کہا جاسکتا ہے کہ ایسے ملکوں میں جہاں کا عدالتی نظام مضبوط بنیادوں پر قائم

---

[1] ابن حجر، ۱۰/۵۰۲

[2] صحیح بخاری، کتاب الادب، باب الاخاء والحلف، ۶۰۸۳، صحیح مسلم: ۲۵۲۹

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہو اور جہاں ظلم و زیادتی کی صورت میں عدالتی چارہ جوئی کے ذریعہ انصاف حاصل کیا جاسکتا ہو، حلف الفضول جیسے معاہدے کی کیا معنویت رہ جاتی ہے؟ یہ بات پورے طور پر درست نہیں ہے۔ یہ صحیح ہے کہ آج کے دور میں عدالتی چارہ جوئی انتہائی آسان ہوگئی ہے، لیکن اس کے مصارف نہایت گراں بار اور ہوش ربا ہوتے ہیں، عموماً مظالم کا شکار سماجی اور معاشی لحاظ سے کم زور لوگ بنتے ہیں اور ان کے لیے ان مصارف کا برداشت کرنا آسان نہیں ہوتا۔ ایسے میں اگر مختلف بستیوں اور علاقوں میں حلف الفضول جیسے معاہدے تشکیل دیے جائیں جن میں مختلف مذاہب، طبقات اور براوریوں کے سربرآوردہ لوگوں کو شریک کیا جائے تو ان سے مظالم کے خاتمے، حق تلفیوں کے ازالے، اخلاقی قدروں کے فروغ اور سماج سدھار میں بہ خوبی مدد مل سکتی ہے۔

حلف الفضول کے بارے میں آں حضرت ﷺ کی تصویب و توثیق سے ایک بات یہ بھی مستنبط ہوتی ہے کہ کثیر مذاہب معاشروں میں مشترکہ امور کے سلسلہ میں دوسرے مذاہب کے ماننے والوں کے ساتھ تعاون کیا جاسکتا ہے اور ایسی قدروں کے فروغ کے لیے، جن کا اسلام بھی علم بردار ہے، ان کے ساتھ مل کر کام کیا جاسکتا ہے۔ اس سلسلے میں اسلام کا زریں اصول: تَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَى وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ (المائدۃ:۲) ہماری رہ نمائی کرتا ہے۔

☆☆☆

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

صلحِ حدیبیہ کی بعض شرائط کی منسوخی کا مسئلہ

عصر حاضر کے مشہور سیرت نگار محترم پروفیسر محمد یٰسین مظہر صدیقی نے اپنے ایک مقالہ[1] میں صلحِ حدیبیہ سے متعلق ایک روایت کا خلاصہ بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

''اس سے قبل (امام بخاریؒ نے) یہی حدیثِ نبوی حضراتِ مروانؒ و مسور بن مخرمہؓ سے مختصراً کتاب الشروط کے آغاز میں نقل کی ہے۔ اس کی بنیادی تعلیمات یہ ہیں ... جب رسول اللہ ﷺ سے سہیل بن عمرو نے معاہدہ طے کیا تو سہیل نے یہ شرط رکھی کہ مکہ والوں میں سے اگر کوئی آپ کے پاس آئے گا تو اسے واپس کرنا ہوگا، خواہ وہ آپ ہی کے دین پر ہو۔ مسلمانوں کو یہ شرط ناپسند تھی، مگر سہیل نے اسی شرط پر معاہدہ کرنے پر اصرار کیا۔ لہٰذا رسول اکرم ﷺ نے شرط قبول کر لی اور اس کے مطابق حضرت ابوجندلؓ اور تمام مسلمانوں کو جو حاضرِ خدمت نبوی ہوئے، واپس کر دیا۔ البتہ جب مومن خواتین، جن میں حضرت ام کلثوم بنتِ عقبہ امویؓ بھی شامل تھیں، ہجرت کر کے مدینہ پہنچیں تو آپؐ نے ان کے اہل و خاندان والوں کے اصرار کے باوجود انھیں واپس کرنے سے انکار کر دیا۔ کیوں کہ سورۂ ممتحنہ آیت ۱۰ نے ان کی واپسی ممنوع اور اس سے متعلق شرط منسوخ کر دی تھی۔''[2]

---

[1] ملاحظہ کیجیے موصوف کا مقالہ 'حضرت مروان بن حکم اموی اور امام بخاریؒ'، شائع شدہ در سہ ماہی تحقیقات اسلامی علی گڑھ، جنوری - مارچ ۲۰۰۱ء

[2] تحقیقات اسلامی، حوالہ سابق، ص ۲۶-۲۷

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

آگے انھوں نے ایک دوسری روایت کے جو بنیادی نکات نقل کیے ہیں، ان میں سے ایک نکتہ یہ ہے:

''مومنات مہاجرات اور حضرت ام کلثوم امویہؓ کے باب میں حکمِ الٰہی کے سبب شرطِ مذکور کی منسوخی''۔[1]

کیا صلح حدیبیہ کی بعض شرائط منسوخ کر دی گئی تھیں؟

اس بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے صلح حدیبیہ کی شرائط کے مطابق مومن خواتین کو واپس کرنے سے اس لیے انکار کر دیا تھا، کیوں کہ آپؐ نے حکمِ الٰہی کے بہ موجب شرائط کی اس شق کو منسوخ کر دیا تھا۔ یہ فاضل مقالہ نگار کا استنباط ہے، متونِ روایات میں اس کی صراحت نہیں ہے۔ الفاظ یہ ہیں:

فجاء أهلها يسألون النبي ﷺ أن يرجعها اليهم، فلم يرجعها اليهم، لما أنزل الله فيهن إِذَا جَاءَكُمُ الْمُؤْمِنَاتِ مُهٰجِرٰتٍ۔[2]

فجاء أهلها يسألون رسول الله ﷺ أن يرجعها اليهم، حتى أنزل الله تعالىٰ في المومنات ما أنزل۔[3]

ان روایات سے بہت سے محدثین و مفسرینِ کرام نے یہ استنباط کیا ہے کہ آں حضرت ﷺ نے مومن خواتین کو واپس نہ کرنے کا فیصلہ مذکورہ شرط کی منسوخی کے سبب کیا تھا اور انہی کی متابعت میں فاضل مقالہ نگار نے بھی یہ بات لکھ دی ہے۔

اس استنباط پر واقع ہونے والے اشکالات

اس استنباط پر چند زبردست اشکالات وارد ہوتے ہیں:

۱- اسلام میں عہد کی پاس داری پر بہت زور دیا گیا ہے اور مسلمانوں کو ڈرایا

---

[1] تحقیقات اسلامی، حوالہ سابق، ص ۲۷-۲۸

[2] صحیح بخاری، کتاب الشروط، باب ما یجوز من الشروط فی الاسلام، ۲۷۱۱، ۲۷۱۲

[3] صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب غزوۃ الحدیبیۃ، ۴۱۸۰، ۴۱۸۱

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

گیا ہے کہ اس معاملہ میں انھوں نے کوتاہی کی تو قیامت میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ان سے باز پرس ہوگی۔ عہد کے لوازم میں سے ہے کہ فریقِ ثانی کی موافقت کے بغیر اس کی کسی شق کو اپنے طور پر کالعدم نہ کر دیا جائے۔ پھر اللہ کے رسول ﷺ نے مشرکینِ مکہ کی منظوری کے بغیر معاہدۂ حدیبیہ کی ایک شرط کو کیوں منسوخ قرار دے دیا؟!

۲- صلحِ حدیبیہ کی ایک شرط یہ بھی تھی کہ قبائلِ عرب کو اختیار ہوگا کہ مسلمانوں اور مشرکین قریش میں سے جس کے ساتھ چاہیں معاہدہ میں شریک ہو جائیں۔ اس بنا پر بنو خزاعہ مسلمانوں کے اور بنو بکر قریش کے حلیف بن گئے تھے۔ بنو بکر نے اس معاہدہ کی خلاف ورزی کی اور بنو خزاعہ پر حملہ کر کے ان کے بہت سے لوگوں کو قتل کر دیا، حتیٰ کہ حدودِ حرم کی بھی رعایت نہ کی۔ قریش کے سرداروں نے علانیہ ان کی مدد کی۔ یہ خلاف ورزی معاہدۂ صلح توڑ دینے کے مترادف تھی اور چوں کہ اس کی پہل قریش کی جانب سے ہوئی تھی اس لیے اب مسلمان بھی اس کے پابند نہیں رہے تھے۔ چناں چہ اللہ کے رسول ﷺ نے خفیہ تیاری کر کے مکہ پر چڑھائی کر دی اور بغیر خون خرابہ کے اسے فتح کر لیا۔ اگر مومن خواتین کی عدم واپسی متعلقہ شرط کی منسوخی کے سبب مان لی جائے تو اس سے لازم آتا ہے کہ قریش سے قبل اللہ کے رسول ﷺ بھی معاہدۂ صلح کی ایک شرط کی خلاف ورزی کر چکے تھے۔ پھر قریش ہی نقضِ معاہدہ کے قصوروار کیوں ٹھہرے؟!

۳- ایک اشکال یہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ اگر رسول اللہ ﷺ نے بعض مصالح کے پیشِ نظر شرائطِ معاہدۂ صلح کی ایک شق کو اپنے طور پر منسوخ کر کے مومن خواتین کو واپس کرنے سے انکار کر دیا تھا تو قریش نے اسے ٹھنڈے پیٹوں کیوں کر برداشت کر لیا؟ انھوں نے مسلمانوں پر معاہدہ توڑنے کا الزام کیوں نہیں لگایا؟ روایات میں آتا ہے کہ ابھی معاہدہ کی دستاویز لکھی جا رہی تھی کہ حضرت ابو جندلؓ بیڑیوں میں گھسٹتے ہوئے وہاں آ گئے۔ اس موقع پر مشرکین نے اسی معاہدہ کا حوالہ دے کر ان کی واپسی کا مطالبہ کیا تھا اور اس پر اس قدر اصرار کیا تھا کہ اللہ کے رسول ﷺ اور مسلمانوں کو ان کا مطالبہ تسلیم کرنا پڑا تھا۔ جب مشرکین نے مردوں کے سلسلے میں اتنا سخت رویہ اختیار کیا تو انھوں نے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

عورتوں کے معاملے میں اس قدر کم زوری کا مظاہرہ کیوں کیا؟ اور جب اللہ کے رسول ﷺ نے عورتوں کو واپس کرنے سے انکار کیا تو انھوں نے معاہدۂ صلح کا حوالہ دے کر احتجاج کیوں نہیں کیا؟

قدیم مفسرین ومحدثین کی توجیہات

قدیم مفسرین ومحدثین کی توجہ ان اشکالات کی طرف نہیں گئی، چناں چہ انھوں نے اس خیال کا اظہار کیا ہے کہ سورۂ ممتحنہ کے ذریعہ معاہدۂ صلح کی ایک شرط منسوخ کر دی گئی، یا اس میں تخصیص پیدا کر دی گئی۔ قرطبیؒ فرماتے ہیں:

اكثر العلماء على أن هذا ناسخ لما كان عليه الصلوة والسلام عاهد عليه قريشاً من أنّه يردّ اليهم من جاء منهم مسلماً فنسخ من ذلك النساء۔[1]

(آں حضرت ﷺ نے قریش سے جو معاہدہ کیا تھا اس کی ایک دفعہ یہ تھی کہ مکہ سے اگر کوئی شخص مسلمان ہو کر آپ کے پاس آئے گا تو اسے واپس کر دیں گے۔ اکثر علماء کا خیال ہے کہ اس آیت نے عورتوں کے معاملے میں معاہدہ کی شق کو منسوخ کر دیا۔)

ابن کثیرؒ نے لکھا ہے:

فعلى هذه الرواية تكون هذه الآية مخصصة للسنة، وهذا من أحسن أمثلة ذلك، وعلى طريقة بعض السلف ناسخة۔[2]

(اس روایت کی رو سے یہ آیت سنت کی تخصیص کرنے والی ہے۔ قرآن کے ذریعہ سنت کی تخصیص کی یہ ایک بہترین مثال ہے۔ سلف میں سے بعض حضرات اسے ناسخ قرار دیتے ہیں۔)

---

[1] الجامع لاحکام القرآن، ابوعبداللہ القرطبی، الہیئۃ المصریۃ العامۃ للکتاب، ۱۹۸۷ء، ۱۸/۶۲

[2] تفسیر القرآن العظیم، ابن کثیر، مطبع مصطفیٰ محمد مصر، ۱۳۵۶ھ، ۴/۳۵۰

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

عصر حاضر کے علماء کی تحقیقات

البتہ عصرِ حاضر کے بعض علماء کو ان اشکالات کی وجہ سے یہ توجیہات کھٹکی ہیں، مثلاً شیخ محمد علی صابونیؒ فرماتے ہیں:

''ان اقوال کی تحقیق و تمحیص کی ضرورت ہے۔ اس لیے کہ یہ اسلامی شریعت کی روح کے منافی ہیں، جس کی رُو سے عہد کی پاس داری مسلمانوں پر لازم ہے اور کسی فریق کے لیے زیبا نہیں کہ وہ دوسرے فریق کی موافقت کے بغیر اپنے طور پر معاہدہ کی کسی شق کو مستثنیٰ یا کالعدم کردے''۔[1]

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے اس موضوع پر بہت تفصیل سے لکھا ہے اور ان اشکالات کا تذکرہ کر کے انھیں حل کرنے کی کوشش کی ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں ان کی پوری بحث نقل کر دی جائے:

''اس مقام پر احادیث کی روایت بالمعنیٰ سے ایک بڑی پیچیدگی پیدا ہوگئی ہے جسے حل کرنا ضروری ہے۔ صلح حدیبیہ کی شرائط کے متعلق احادیث میں جو روایتیں ہمیں ملتی ہیں وہ اکثر و بیش تر بالمعنیٰ روایات ہیں۔ زیرِ بحث شرط کے متعلق ان میں سے کسی روایت کے الفاظ یہ ہیں: من جاء منکم لم نردّہ علیکم ومن جاء کم منا رددتموہ علینا (تم میں سے جو شخص ہمارے پاس آئے گا اسے ہم واپس نہ کریں گے اور ہم میں سے جو تمھارے پاس جائے گا اسے تم واپس کرو گے) کسی میں یہ الفاظ ہیں: من أتی رسول اللہ من أصحابہ بغیر إذن ولیّہ ردّہ علیہ (رسول اللہ کے پاس ان کے اصحاب میں سے جو شخص اپنے ولی کی اجازت کے بغیر آئے گا اسے وہ واپس

---

[1] روائع البیان فی تفسیر آیات الاحکام، محمد علی صابونی، مکتبۃ الغزالی دمشق، ۱۹۷۷ء، طبع دوم، ۲/۵۶۰

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کردیں گے) اور کسی میں ہے من أتی محمداً من قریش بغیر إذن ولیه رده علیهم (قریش میں سے جو شخص محمد ﷺ کے پاس اپنے ولی کی اجازت کے بغیر جائے گا اسے وہ قریش کو واپس کردیں گے) ان روایات کا طرزِ بیان خود یہ ظاہر کر رہا ہے کہ ان میں معاہدہ کی اس شرط کو ان الفاظ میں نقل نہیں کیا گیا ہے جو اصل معاہدہ میں لکھے گئے تھے، بلکہ راویوں نے ان کا مفہوم خود اپنے الفاظ میں بیان کردیا ہے۔ لیکن چوں کہ بہ کثرت روایات اسی نوعیت کی ہیں اس لیے عام طور پر مفسرین و محدثین نے اس سے یہی سمجھا کہ معاہدہ عام تھا جس میں عورت مرد سب داخل تھے اور عورتوں کو بھی اس کی رُو سے واپس ہونا چاہیے تھے۔

اس کے بعد جب ان کے سامنے اللہ تعالیٰ کا یہ حکم آیا کہ مومن عورتیں واپس نہ کی جائیں تو ان حضرات نے اس کی یہ تاویل کی کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں مومن عورتوں کی حد تک معاہدہ توڑ دینے کا فیصلہ فرمادیا۔ مگر یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے جس کو اس آسانی کے ساتھ قبول کرلیا جائے۔ اگر معاہدہ فی الواقع بلا تخصیص مرد و زن سب کے لیے عام تھا تو آخر یہ کیسے جائز ہوسکتا تھا کہ ایک فریق اس میں یک طرفہ ترمیم کردے، یا اس کے کسی جزء کو بطورِ خود بدل ڈالے؟ اور بالفرض ایسا کیا بھی گیا تھا تو یہ کیسی عجیب بات ہے کہ قریش کے لوگوں نے اس پر کوئی احتجاج نہیں کیا۔ قریش والے تو رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کی ایک ایک بات پر گرفت کرنے کے لیے خار کھائے بیٹھے تھے۔ انھیں اگر یہ بات ہاتھ آجاتی کہ آپ شرائطِ معاہدہ کی صریح خلاف ورزی کر گزرے ہیں تو وہ زمین و آسمان سر پر اٹھا لیتے۔ لیکن ہمیں کسی روایت میں اس کا شائبہ تک نہیں ملتا کہ انھوں نے قرآن کے اس فیصلے پر ذرّہ برابر بھی چوں چرا کی ہو۔ یہ ایسا سوال تھا جس پر غور کیا جاتا تو معاہدے کے اصل

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

الفاظ کی جستجو کر کے اس پیچیدگی کا حل تلاش کیا جاتا، مگر بہت سے لوگوں نے تو اس کی طرف توجہ نہ کی اور بعض حضرات (مثلاً قاضی ابوبکر ابن عربی) نے توجہ کی بھی تو انھوں نے قریش کے اعتراض نہ کرنے کی یہ توجیہ تک کرنے میں تامل نہ کیا کہ اللہ تعالیٰ نے بطور معجزہ اس معاملہ میں قریش کی زباں بندی کر دی تھی۔[1] تعجب ہے کہ اس توجیہ پر ان حضرات کا ذہن کیسے مطمئن ہوا۔

اصل بات یہ ہے کہ معاہدۂ صلح کی یہ شرط مسلمانوں کی طرف سے نہیں، بلکہ کفارِ قریش کی طرف سے تھی اور ان کی جانب سے ان کے نمائندے سہیل بن عمرو نے جو الفاظ معاہدے میں لکھوائے تھے وہ یہ تھے: علی أن لا یاتیک منّا رجل وإن کان علی دینک الّا رددته الینا (اور یہ کہ تمھارے پاس ہم میں سے کوئی مرد بھی آئے، اگرچہ وہ تمھارے دین ہی پر ہو، تم اسے ہماری طرف واپس کرو گے) معاہدے کے یہ الفاظ بخاری، کتاب الشروط، باب الشروط فی الجہاد والمصالحۃ[2] میں قوی سند کے ساتھ نقل ہوئے ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ سہیل نے رجل کا لفظ شخص کے معنی میں استعمال کیا ہو، لیکن یہ اس کی ذہنی مراد ہوگی۔ معاہدے میں جو لفظ لکھا گیا ہے وہ رجل ہی تھا جو عربی زبان میں مرد کے لیے بولا جاتا ہے۔ اسی بنا پر جب ام کلثوم بنتِ عقبہؓ کی واپسی کا مطالبہ لے کر ان کے بھائی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو (امام زہری کی روایت کے مطابق) رسول اللہ ﷺ نے ان کو واپس

---

[1] ابن العربی کے الفاظ یہ ہیں: وکان ذلک من المعجزات، إلا ان الله عزّ و جلّ قبض ألسنتهم من أن یقولوا غدر محمد، حتی انزل الله ذلک فی النساء، وذلک أحد معجزاته: احکام القرآن، مطبعۃ السعادۃ مصر، ۱۳۳۱ھ، ۲/۲۵۰

[2] اس روایت میں علی انه لا یاتیک ... کے الفاظ ہیں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کرنے سے یہ کہہ کر انکار فرمایا کہ کان الشرط فی الرجال دون النساء (شرط مردوں کے بارے میں تھی، نہ کہ عورتوں کے بارے میں) (احکام القرآن، ابن عربی، تفسیر کبیر، امام رازی[1]) اس وقت تک خود قریش کے لوگ بھی اس غلط فہمی میں تھے کہ معاہدے کا اطلاق ہر طرح کے مہاجرین پر ہوتا ہے، خواہ وہ مرد ہوں یا عورت۔ مگر جب حضورؐ نے ان کو معاہدے کے ان الفاظ کی طرف توجہ دلائی تو وہ دم بہ خود رہ گئے اور انھیں ناچار اس فیصلے کو ماننا پڑا"۔[2]

مولانا امین احسن اصلاحیؒ نے بھی اس موضوع پر اچھی بحث کی ہے۔ انھوں نے یہ نکتہ اٹھایا ہے کہ اگر اسی روایت کو تسلیم کر لیا جائے جس کے مطابق معاہدہ میں 'احد' کا لفظ تھا (نہ کہ رجل تھا) تو بھی یہ لفظ عورتوں کے معاملہ میں صریح اور قطعی نہیں ہے۔ فرماتے ہیں:

"اس دفعہ کے بارے میں اگرچہ راویوں کے درمیان اختلاف ہے، لیکن عروہ، ضحاک، عبدالرحمٰن بن زید، زہری، مقاتل بن حیان اور سدی سے جو روایت ہے اس کے الفاظ یہ ہیں: علی أنه لا یاتیک منا أحد، وإن کان علی دینک، إلا رددته الینا ...

اس دفعہ کو مسلمانوں نے مردوں کی حد تک تو قبول کر لیا... لیکن عورتوں کے باب میں مسلمانوں نے ان الفاظ کو واضح نہیں تسلیم کیا اور جو شخص بھی عربی زبان سے واقف ہے، وہ اس امر سے انکار نہیں کر سکتا کہ یہ الفاظ عورتوں کی واپسی کے بارے میں واضح ہیں بھی نہیں۔

معاہدہ کے الفاظ جو اوپر نقل ہوئے ہیں، اس میں 'احد' کا لفظ اپنے اندر اگرچہ عموم کا مفہوم رکھتا ہے، لیکن غور سے دیکھیے تو معلوم ہوگا کہ بعد میں

---

[1] احکام القرآن، ۲/۲۵۰، تفسیر کبیر، رازی، المطبعۃ العامرۃ، مصر ۱۳۰۸ھ، ۸/۱۳۵

[2] تفہیم القرآن، مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی، طبع اول، ۱۹۷۱ء، ۵/۴۳۴-۴۳۶

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جتنی ضمیریں اور فعل بھی آئے ہیں سب مذکر ہیں۔ ایسی صورت میں ایک شخص یہ تو کہہ سکتا ہے کہ 'احد' کے عموم میں عورتیں بھی داخل ہیں، لیکن کوئی عاقل یہ دعویٰ نہیں کرسکتا کہ مردوں کی طرح عورتوں کے باب میں بھی یہ الفاظ قطعی ہیں۔ بلکہ اس کے برعکس یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ اگر فریقین کا منشا یہ ہوتا کہ عورتوں پر بھی یہ دفعہ قطعی طور پر حاوی ہو تو 'احد' کے بعد "ذکر کان أو انثی" یا اس کے ہم معنی کوئی تصریح ضرور بڑھائی جاتی، لیکن جب اس طرح کی کوئی تصریح نہیں بڑھائی گئی، درآں حالے کہ معاہدہ کا مزاج اس کا مقتضی تھا تو اس کے صاف معانی یہ ہیں کہ معاہدہ کے وقت فریقین کے ذہن میں عورتوں کا مسئلہ نہیں تھا۔ اس اجمال نے قدرتی طور پر مسلمانوں اور قریش کے درمیان ایک قضیہ کی صورت اختیار کرلی اور یہ قضیہ معلوم ہوتا ہے، اس سورت کے زمانۂ نزول میں زیادہ اہمیت حاصل کرگیا۔ اس لیے کہ بہت سی عورتیں بھی ہجرت کر کے مدینہ پہنچیں اور ضروری ہوا کہ مسلمان اس باب میں کوئی قطعی پالیسی اختیار کریں۔ چناں چہ اللہ تعالیٰ نے ایک قطعی فیصلہ فرمایا اور ساتھ ہی یہ تصریح بھی فرمادی کہ ذٰلِكُمْ حُكْمُ اللّٰهِ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ، وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ (یہ اللہ کا فیصلہ ہے جو وہ تمھارے درمیان کررہا ہے اور اللہ علیم وحکیم ہے)۔[1]

مولانا سید جلال الدین عمری نے بھی اپنے ایک مضمون میں اس موضوع سے بحث کی ہے۔ انھوں نے 'نسخ' اور 'تخصیص' کی توجیہات ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے:

"ان دونوں توجیہات سے ہٹ کر ایک اور توجیہ بھی ہوسکتی ہے۔ وہ یہ کہ بخاری کی ایک روایت میں معاہدہ کی اس دفعہ میں 'احد' (کوئی) کی جگہ 'رجل' (مرد) کا لفظ آیا ہے... اس کا مطلب یہ ہے کہ معاہدہ

---

[1] تدبر قرآن، فاران فاؤنڈیشن لاہور، ۱۹۷۹ء، طبع اول، ۷/۳۳۶-۳۳۷

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

میں صراحت کے ساتھ مردوں کا تو ذکر ہے، لیکن عورتوں کے بارے میں وہ خاموش ہے۔ اس بنا پر جو عورتیں اسلام لانے کے بعد مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ آئیں رسول اللہ ﷺ نے انھیں واپس نہیں بھیجا۔ مشرکین کی طرف سے کبھی اعتراض ہوا بھی تو آپ نے فرمایا "معاہدہ مردوں سے متعلق ہے، عورتوں سے متعلق نہیں ہے"۔ وہ اس کی تردید نہیں کر سکے"۔[1]

اسی توجیہ کی طرف سید قطب کی تفسیر میں بھی اشارہ ملتا ہے۔ فرماتے ہیں:

ویظهر أن النص لم یکن قاطعاً فی موضوع النساء۔[2]

(معلوم ہوتا ہے کہ معاہدہ کا متن عورتوں کے معاملے میں قطعی نہیں تھا۔)

بعض قدیم مفسرین کی صحیح توجیہ

یہ توجیہ قدیم مفسرین میں سے امام رازی نے کی ہے۔ سورۂ ممتحنہ کی آیت نمبر ۱۰ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

فنزلت بیاناً لأن الشرط إنما کان للرجال دون النساء۔[3]

(اس آیت نے معاہدہ کی تشریح کر دی۔ اس لیے کہ معاہدہ صرف مردوں کے بارے میں تھا، اس کا اطلاق عورتوں پر نہیں ہوتا تھا۔)

علامہ آلوسی نے بھی یہی توجیہ پیش کی ہے:

فالآیة علی ما قیل نزلت بیاناً، لأن الشرط فی کتاب المصالحة انما کان فی الرجال دون النساء۔[4]

---

[1] سہ ماہی تحقیقات اسلامی، علی گڑھ، جلد ۱۵، شمارہ ۲، اپریل-جون ۱۹۹۶ء، ص ۸، مضمون 'مسلمانوں اور غیر مسلموں کے درمیان ازدواجی تعلقات'

[2] فی ظلال القرآن، طبع پنجم ۱۹۶۷ء، جلد ۸، جزء ۲۸، ص ۶۷

[3] تفسیر کبیر، ۸/۱۳۵

[4] روح المعانی، آلوسی، ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر، جزء ۲۸، ص ۷۷

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

(کہا گیا ہے کہ یہ آیت معاہدہ کی تشریح کرنے والی ہے۔ اس لیے کہ دستاویزِ معاہدہ میں شرط صرف مردوں کے بارے میں تھی، اس میں عورتیں شامل نہ تھیں۔)

اس تفصیل سے واضح ہوتا ہے کہ سورۂ ممتحنہ کی آیات نے معاہدۂ صلحِ حدیبیہ کی شرائط میں سے کسی شرط کو منسوخ نہیں کیا تھا، بلکہ معاہدہ میں جو ابہام تھا اسے کھول دیا تھا اور آں حضرت ﷺ نے الفاظِ معاہدہ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس کے اطلاق سے مسلمان خواتین کو مستثنیٰ قرار دے دیا تھا اور مشرکین کو ناچار اسے تسلیم کرنا پڑا تھا۔

☆☆☆

www.KitaboSunnat.com

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

دہشت گردی کے حوالے سے بعض واقعاتِ سیرت کی تنقیح

اسلام اور امتِ مسلمہ کے خلاف عالمی سازشوں کا نقطۂ عروج یہ ہے کہ اسلام کو دہشت گردی کے ہم معنیٰ بنا دیا گیا ہے اور مسلمانوں کو ایک دہشت گرد قوم کی حیثیت دے دی گئی ہے۔ دنیا کے کسی کونے میں دہشت گردی کا کوئی واقعہ رونما ہوتا ہے تو فوراً اس کا الزام مسلمانوں کے سر ڈال دیا جاتا ہے، تحقیقات کا رخ بھی یک طرفہ طور پر مسلمانوں کے خلاف طے کر دیا جاتا ہے اور بالآخر کھینچ تان کر کہیں نہ کہیں سے اس کے ڈانڈے مسلمانوں سے ملا دیے جاتے ہیں۔ پھر اس کا سرچشمہ اسلام کی تعلیمات اور سیرت نبوی کے واقعات میں ڈھونڈا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ مسلمان اپنی دہشت گردانہ سرگرمیوں کے لیے ان تعلیمات سے تحریک پاتے اور ان واقعات کو نمونہ بناتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ اسلام نے انسانی جان کے احترام پر بہت زیادہ زور دیا ہے۔ اس نے ایک انسان کے ناحق قتل کو پوری انسانیت کا قتل قرار دیا ہے (المائدۃ:۳۲) لیکن ساتھ ہی اس نے اجتماعی فتنہ وفساد کے ازالے کے لیے جنگ کو مشروع قرار دیا ہے۔ اس لیے کہ اس کی نگاہ میں فتنہ وفساد قتل سے زیادہ سنگین جرم ہے: اَلْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ۔ (البقرۃ:۱۹۱)

جس زمانے میں اللہ کے رسول ﷺ کی بعثت ہوئی جنگ کے وحشیانہ طریقے رائج تھے۔ کسی طرح کے اخلاقی حدود کی پابندی نہیں کی جاتی تھی۔ دشمن کے غیر مقاتلین پر بھی ظلم وستم ڈھایا جاتا تھا۔ اسیروں کے ساتھ بدسلوکی اور مقتولین کی تحقیر وتذلیل کی جاتی تھی۔ دشمن پر غلبہ پانے کے لیے ہر طرح کی کارروائی بلا روک ٹوک کی جاتی تھی، حتی کہ ان کے کیے ہوئے معاہدوں کو توڑ دیا جاتا تھا اور غفلت میں ان پر حملہ کر دیا جاتا تھا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

روم وایران، جو اس زمانہ میں متمدن قومیں سمجھی جاتی تھیں، وہ بھی اسی طریق جنگ پر عمل پیرا تھیں۔ اسلام نے وحشت و بربریت پر مبنی ان قوانین جنگ کی اصلاحات کیں۔ اس نے معاہدوں کی پاس داری کا حکم دیا، دشمن پر غفلت میں حملہ کرنے سے منع کیا۔ غیر مقاتلین، مثلاً عورتوں، بچوں، بوڑھوں، زخمیوں، بیماروں اور مذہبی شخصیات سے تعرض نہ کرنے کی تاکید کی۔ ہتھیار ڈال دینے والوں اور قیدیوں کو قتل کرنے سے روکا۔ مقتولوں کا مثلہ کرنے، جانوروں کو ہلاک کرنے، پھل دار درختوں کو کاٹنے اور کھیتوں کو برباد کرنے سے منع کیا۔ مسلمان فوجوں نے ہمیشہ ان تعلیمات و ہدایات کو اپنے پیش نظر رکھا اور سختی سے ان پر عمل کیا۔

سیرت نبوی کے بعض واقعات اسلام کی ان عمومی تعلیمات سے متصادم نظر آتے ہیں۔ اسی لیے مخالفین اسلام نے ان پر اعتراضات کیے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ پیغمبر اسلام نے بعض مواقع پر خود ان تعلیمات سے انحراف کیا ہے، اپنے دشمنوں کو دھوکے سے قتل کروایا ہے، اپنے کیے ہوئے معاہدوں کو توڑا ہے اور اپنے مخالفوں کے ساتھ سنگ دلانہ رویہ اختیار کیا ہے۔ سطور ذیل میں ان واقعات کی تنقیح مقصود ہے۔

کعب بن اشرف اور ابورافع کا قتل

کعب بن اشرف اور ابورافع کے قتل کا واقعہ غزوۂ بدر (رمضان ۲ھ) اور غزوۂ احد (شوال ۳ھ) کے درمیانی عرصہ میں پیش آیا۔ ان دونوں کا تعلق یہود سے تھا۔ ان کی اسلام دشمنی جب حد سے زیادہ بڑھ گئی تو اللہ کے رسول ﷺ نے انھیں خفیہ طریقے سے قتل کروادیا۔ صحیح بخاری کتاب المغازی میں ان کے قتل کا واقعہ تفصیل سے مذکور ہے۔ کعب بن اشرف کو قبیلۂ اوس سے تعلق رکھنے والے کچھ نوجوانوں نے اور ابورافع کو قبیلۂ خزرج کے نوجوانوں نے قتل کیا۔ کعب کو قتل کرنے کا کام حضرت محمد بن مسلمہؓ نے انجام دیا۔ کعب بن اشرف یہود کے سرمایہ داروں میں سے تھا۔ روایتوں میں ہے کہ اس نے یہودی علماء کے روزینے مقرر کر رکھے تھے۔ وہ ضرورت مندوں کو سود پر قرض دیا کرتا تھا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حضرت محمد بن مسلمہؓ اس کے پاس گئے اور اس سے کچھ قرض مانگا۔ انھوں نے اس کی ہم دردی حاصل کرنے کے لیے اس سے کہا: ''ہم نے محمد (ﷺ) کو پناہ دے کر تمام عرب کو اپنا دشمن بنالیا ہے۔ ہم سے بار بار صدقہ مانگا جاتا ہے، اب تمھی سے کچھ قرض لینا ہے''۔ بالآخر طے پایا کہ ہتھیار رہن رکھ کر قرض دیا جاسکتا ہے۔ اس کے لیے رات کا وقت طے ہوا۔ حضرت محمد بن مسلمہؓ اپنے کچھ ساتھیوں کے ساتھ مقررہ وقت پر پہنچے اور کعب بن اشرف کو آواز دی۔ وہ اپنے بالا خانے سے اترا۔ اِدھر اُدھر کی باتیں ہونے لگیں۔ دفعۃً اسے غافل پاکر حضرت محمد بن مسلمہؓ نے اس کے سر کے بال پکڑ لیے اور ان کے ساتھیوں نے اس پر وار کر کے اس کا کام تمام کر دیا۔ یہ واقعہ ربیع الاول ۳ھ میں پیش آیا۔

ابورافع کو حضرت عبداللہ بن عتیکؓ نے اپنے کچھ ساتھیوں کے ساتھ مل کر قتل کیا۔ وہ خیبر سے قریب سرزمین حجاز کی سمت میں ایک قلعے میں رہتا تھا۔ یہ قلعہ ایک چہار دیواری سے گھرا ہوا تھا، جس کے مرکزی دروازے میں سرِ شام تالا لگا دیا جاتا تھا۔ حضرت عبداللہؓ نے اپنے ساتھیوں کو چہار دیواری سے باہر رکنے کو کہا اور خود بڑی ہوشیاری سے دروازہ بند ہونے سے عین قبل اندر پہنچ گئے۔ وہاں انھوں نے کچھ دیر انتظار کیا۔ جب ابورافع کی مجلس ختم ہوگئی اور لوگ سونے کے لیے اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے تو حضرت عبداللہ بن عتیکؓ ابورافع کے بالا خانے پر گئے۔ وہاں اندھیرا تھا۔ انھوں نے ابورافع کو پکارا اور اس کا جواب ملنے پر پے در پے کئی وار کر کے اس کا خاتمہ کر دیا۔

روایات میں کعب بن اشرف اور ابورافع کے قتل کی تفصیل ملتی ہے کہ کس طرح انھیں قتل کرنے والوں نے ان کی غفلت سے فائدہ اٹھایا اور انھیں دھوکے اور بے خبری میں قتل کیا۔

ان واقعات پر مخالفین اسلام کا اعتراض یہ ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے اپنے دشمنوں کو دھوکے سے اور خفیہ طریقے سے قتل کرایا۔ یہ وہی طریقہ ہے جو عہد جاہلیت میں رائج تھا اور جسے اصطلاح میں 'فتک' کہا جاتا تھا۔ اسلام میں بھی اسی طریقے کو اختیار کیا گیا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کعب بن اشرف اور ابورافع کی سیرت و کردار اور احوال کی تفصیلات سامنے ہوں تو یہ جاننا آسان ہوگا کہ ان کو اس طریقے سے قتل کروانے کی کیوں ضرورت پڑی۔

کعب کا باپ اشرف قبیلۂ طے کی شاخ 'نبہان' سے تعلق رکھتا تھا۔ عہد جاہلیت میں اس سے ایک خون ہوگیا تھا، جس کی بنا پر وہ مدینہ آ گیا تھا اور اس نے یہود بنی نضیر سے حلیفانہ تعلقات قائم کر لیے تھے اور ان کے درمیان اتنا اعتبار اور عزت حاصل کر لی تھی کہ ایک یہودی سردار ابی الحقیق کی بیٹی عقیلہ سے شادی کر لی تھی، جس کے بطن سے کعب پیدا ہوا۔ کعب بہت بڑا شاعر اور بہت دولت مند تھا۔ اس کو اسلام سے سخت عداوت تھی۔ اللہ کے رسول ﷺ نے ہجرت کے بعد باشندگانِ مدینہ کے ساتھ جو معاہدہ کیا تھا اس میں یہود بنی نضیر بھی شریک تھے۔ اس رو سے کعب بن اشرف بھی اس معاہدہ کا پابند تھا، لیکن غزوۂ بدر کے بعد اس نے مسلمانوں اور اللہ کے رسول ﷺ کی ہجو کی اور مکہ جا کر کفارِ قریش کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکایا۔ ابن ہشام نے بیان کیا ہے کہ جب بدر میں سردارانِ قریش کے مارے جانے کی خبر ملی تو اسے سخت صدمہ پہنچا۔ اس کا اظہار اس نے ان الفاظ میں کیا:

والله لئن كان محمد أصاب هولاء القوم لبطن الأرض خير من ظهرها۔[1]

(اللہ کی قسم! اگر محمد (ﷺ) نے ان لوگوں کو قتل کر دیا ہے تو زمین کا پیٹ اس کی پیٹھ سے بہتر ہے۔)

پھر وہ مکہ گیا، جہاں مقتولین بدر کے پُر درد مرثیے سناتا تھا، جن میں مسلمانوں سے انتقام لینے کی ترغیب ہوتی تھی۔ سنن ابی داؤد کی ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں:

كان شاعراً وكان يهجو رسول الله ﷺ و يحرّض عليه كفار قريش۔[2]

---

[1] سیرۃ النبی، ابن ہشام، طبع مصر ۱۹۳۶ء، ۲/۳۳۱

[2] سنن ابی داؤد، کتاب الخراج والامارۃ، باب کیف کان اخراج الیہود من المدینۃ، حدیث نمبر ۳۰۰۰

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

(وہ شاعر تھا۔ رسول اللہ ﷺ کی ہجو کرتا تھا اور کفار قریش کو آپؐ کے خلاف بھڑکاتا تھا۔)

ابن حجرؒ نے ایک روایت نقل کی ہے جس میں ہے کہ اس نے مکہ جا کر مشرکین قریش کو حرم میں اکٹھا کیا اور خانہ کعبہ کے پردوں کو تھام کر مسلمانوں کے خلاف جنگ کرنے کا حلف لیا۔[1]

مدینہ واپس آیا تو یہاں رسول اللہ ﷺ کی ہجو کے علاوہ مسلمان خواتین کے بارے میں گندے عشقیہ اشعار کہتا۔ حافظ ابن حجرؒ نے لکھا ہے:

"تشبّب بنساء المسلمين حتى أذاهم"[2]

(اس نے مسلمانوں کی عورتوں کے بارے میں عشقیہ اشعار کہے اور مسلمانوں کو تکلیف پہنچائی۔)

اسلام اور مسلمانوں کے خلاف دشمنی میں وہ اسی حد تک نہ رہا، بلکہ اس نے ایک بار خود اللہ کے رسول ﷺ کو ایک دعوت میں بلا کر دھوکے سے قتل کرنے کا منصوبہ بنایا۔ اس نے یہود کی ایک جماعت کو تیار کیا اور اپنا پورا منصوبہ سمجھا دیا کہ وہ آپ کو ایک دعوتِ ولیمہ میں بلائے گا، آپ آ جائیں تو زندہ واپس نہ جانے دیا جائے۔ آپ کو اس منصوبے کی خبر مل گئی اور آپ محفوظ رہے۔[3]

اسی طرح کی اسلام دشمنی کا مظاہر ابورافع بن ابی حقیق کی جانب سے بھی ہو رہا تھا۔ بخاری کی روایت میں ہے:

كان أبو رافع يؤذي رسول الله ﷺ ويعين عليه۔[4]

(ابورافع رسول اللہ ﷺ کو اذیت پہنچاتا تھا اور آپ کے خلاف

---

[1] فتح الباری، ابن حجر، طبع بیروت، ۷/۳۳۷

[2] ایضاً، ۷/۳۳۷

[3] اس واقعہ کو ابن کثیرؒ نے اپنی سیرت، ابن حجرؒ نے فتح الباری اور یعقوبی نے اپنی تاریخ میں بیان کیا ہے۔

[4] بخاری، کتاب المغازی، باب قتل ابی رافع، حدیث: ۱۰۳۹

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

دوسروں کی مدد کرتا تھا۔)

وہ کعب بن اشرف کا قریبی رشتہ دار تھا (کعب بن اشرف اس کا بہنوئی تھا) اس لیے مسلمانوں کے خلاف سازشوں میں وہ اس کا برابر کا شریک تھا۔ ابن الاثیر نے لکھا ہے:

کان یظاھر کعب بن الاشرف علی رسول اللہ ﷺ [1]

(وہ رسول اللہ ﷺ کے خلاف کعب بن اشرف کی مدد کرتا تھا۔)

بعض روایات میں صراحت ہے کہ وہ مشرکین عرب کے مختلف قبائل کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکاتا تھا اور انھیں اپنا ہم نوا بنانے کے لیے ان پر بے دریغ مال خرچ کرتا تھا۔[2]

کعب بن اشرف اور ابورافع دونوں کی یہ حرکات اس معاہدہ کے خلاف تھیں جو مسلمانوں اور یہود کے درمیان ہوا تھا اور جس کے وہ بھی پابند تھے۔ محض ان کی حرکتوں کی وجہ سے ان کی قوم کے خلاف اعلان جنگ نہ کیا جا سکتا تھا۔ ان کی قوم سے بھی امید نہ تھی کہ انھیں معاہدہ کی خلاف ورزی سے روکیں گے۔ یہ لوگ خود کبھی کھلے میدان میں لڑنے نہیں آئے کہ انھیں تہ تیغ کرنا ممکن ہوتا، بلکہ ہمیشہ انھوں نے پردہ کے پیچھے سے خفیہ طریقے سے اپنی اسلام دشمن سرگرمیاں جاری رکھیں۔ اسی لیے ان کے شر سے محفوظ رہنے کی واحد صورت یہی تھی کہ اسی طرح خفیہ طریقے سے ان کی زندگی کا خاتمہ کر دیا جائے۔

مخالفین اسلام نے اس طریقۂ قتل پر اعتراض کیا ہے۔ اس کے جواب میں علامہ شبلیؒ نے لکھا ہے:

"اس وقت تک عرب میں ان طریقوں سے قتل کرنا معیوب بات نہ تھی۔ (بعد میں) آں حضرت ﷺ نے تدریج کے ساتھ عرب کے ان طریقوں کی اصلاح کی"۔[3]

---

[1] ابن الاثیر، الکامل فی التاریخ، دار الکتاب العربی، بیروت، ۱۹۸۶ء، ۱۰۲/۲

[2] فتح الباری، ۳۴۳/۷

[3] سیرت النبی، شبلی نعمانی، مطبع معارف اعظم گڑھ، طبع ۱۹۸۱ء، ۴۰۸/۱

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مولانا مودودیؒ نے اس اعتراض کا جواب دیتے ہوئے لکھا ہے:

"اس واقعہ سے یہ نتیجہ نکالنا صحیح نہیں ہے کہ خفیہ طریقے سے دشمن کے سرداروں کو قتل کرا دینا اسلام کے قانونِ جنگ کی کوئی مستقل دفعہ ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو یقیناً آں حضرت ﷺ سب سے پہلے ابوجہل اور ابوسفیان جیسے دشمنوں کو قتل کراتے اور صحابہؓ میں ایسے فدائیوں کی کمی نہ تھی جو اس قسم کے تمام دشمنوں کو ایک ایک کر کے قتل کر سکتے تھے۔ لیکن عہد رسالت اور عہد صحابہؓ کی پوری تاریخ میں ہم کو کعب بن اشرف اور ابورافع کے سوا کسی اور شخص کا نام نہیں ملتا جسے اس طرح خفیہ طریقہ سے قتل کیا گیا ہو، حالاں کہ آپؐ کے دشمن صرف یہی دو شخص نہ تھے۔ پس یہ واقعہ خود اس بات کا کافی ثبوت ہے کہ خفیہ طریقہ سے دشمن کو قتل کرنا اسلام کی کوئی مستقل جنگی پالیسی نہیں ہے، بلکہ ایسے مخصوص حالات میں اس کی اجازت ہے جب کہ دشمن خود سامنے نہ آتا ہو اور پردے کے پیچھے بیٹھ کر خفیہ سازشیں کیا کرتا ہو"۔[1]

بنونضیر کی جلاوطنی

بنونضیر کی جلاوطنی کا واقعہ ربیع الاول ۴ھ میں پیش آیا۔ آں حضرت ﷺ نے ابتدا میں ان سے امن اور بقائے باہم کا معاہدہ کیا تھا، لیکن بعد میں ان کی سرکشی اور پیہم بدعہدی کی بنا پر انھیں جلاوطن کرنے کا فیصلہ کیا۔ مخالفین اسلام آں حضرت ﷺ کے اس فیصلے کو بھی اعتراض کا نشانہ بناتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ جب آپؐ کم زور تھے تو آپ نے ان سے معاہدہ کیا، لیکن جب طاقت ور ہو گئے تو اپنے کیے ہوئے معاہدے کو توڑ ڈالا اور انھیں مدینے سے نکال باہر کیا۔ اگر اس واقعہ کی تمام تفصیلات نگاہوں کے سامنے ہوں تو یہ اعتراض قائم نہیں رہ سکتا اور آں حضرت ﷺ کے فیصلے کی معقولیت سمجھی جا سکتی ہے۔

---

[1] الجہاد فی الاسلام، ابوالاعلیٰ مودودی، مرکزی مکتبہ اسلامی، دہلی، طبع ۱۹۸۱ء، ص ۳۱۳-۳۱۴

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

آں حضرت ﷺ نے مدینہ تشریف لانے کے بعد تمام قبائل سے ایک معاہدہ کیا تھا جس کی ایک بنیادی دفعہ یہ تھی:

وادعهم على أن لا يحاربوه ولا يمالئوا عليه عدوّه۔[1]

(آپ نے ان سے اس بات پر معاہدہ کیا تھا کہ وہ آپ سے نہ جنگ کریں گے اور نہ آپ کے خلاف آپ کے دشمنوں کی مدد کریں گے۔)

بنونضیر نے اس معاہدہ کی پاس داری نہ کی۔ انھوں نے کفار قریش سے ساز باز رکھی اور انھیں مسلمانوں کے خلاف جنگ کے لیے اکساتے رہے۔ موسیٰ بن عقبہ نے اپنی مغازی میں لکھا ہے:

كانت نضير قد دسّوا الى قريش وحضّوهم على قتال رسول الله ﷺ ودلّوهم على العورة۔[2]

(بنونضیر قریش سے سازشیں کرتے تھے، انھیں رسول اللہ ﷺ کے خلاف جنگ کرنے کے لیے اکساتے تھے اور انھیں خفیہ اطلاعات فراہم کرتے تھے۔)

یہی نہیں، بلکہ انھوں نے متعدد مرتبہ خود رسول اللہ ﷺ کو ہلاک کرنے کی خفیہ تدبیریں کی تھیں۔ کتب سیرت میں ان واقعات کا تذکرہ ملتا ہے۔ ایک مرتبہ انھوں نے آں حضرت ﷺ کو کہلا بھیجا کہ آپ اپنے تین ساتھیوں کے ساتھ آئیے، ہم بھی اپنے تین علماء کو بھیجتے ہیں۔ اگر وہ آپ پر ایمان لے آئیں گے تو ہم بھی آپ کے پیرو بن جائیں گے۔ ان یہودی علماء نے اپنے ساتھ خنجر چھپالیا۔ منصوبہ یہ تھا کہ جب یہ لوگ اکٹھا ہوں گے تو دھوکے سے یہ آپ کو اور آپ کے ساتھیوں کو ہلاک کردیں گے۔ خود ایک یہودی عورت نے اس سازش کا افشا کردیا اور آپ وہاں تشریف نہیں لے گئے۔[3]

---

[1] فتح الباری، ۷/۳۳۰

[2] بہ حوالہ فتح الباری، ۷/۳۳۲

[3] فتح الباری، ۷/۳۳۱

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ایک دوسرے موقعہ پر دیت کے ایک معاملے میں آں حضرت ﷺ بنونضیر کے پاس تشریف لے گئے۔ انھوں نے بہ ظاہر آپ سے اچھا برتاؤ کیا اور دیت کا ایک حصہ ادا کرنے پر آمادگی ظاہر کی، لیکن در پردہ یہ سازش کی کہ ایک شخص چپکے سے بالا خانے پر چڑھ کر ایک بڑا سا پتھر آپ کے اوپر گرا دے، جس سے آپ ہلاک ہو جائیں۔ آپ کو اس کی خبر ہو گئی اور آپ دیت کا معاملہ طے کیے بغیر مدینہ واپس آ گئے۔

بنونضیر رسول اللہ ﷺ سے غدّاری اور بدعہدی پر آمادہ تھے۔ ایک طرف کفار قریش غزوۂ بدر میں مسلمانوں کے ہاتھوں زبردست شکست کھانے کے بعد انھیں مسلمانوں کے خلاف ورغلا رہے تھے، دوسری طرف منافقین انھیں اپنے بھرپور تعاون کی جھوٹی امیدیں دلا رہے تھے۔ ان حالات میں انھیں مدینہ میں رہنے دینا خود کو خطرے میں ڈالنے کے مترادف تھا۔ اسی لیے اللہ کے رسول ﷺ نے انھیں الٹی میٹم دے دیا کہ غداری کی بنا پر انھوں نے مدینہ میں رہنے کا حق کھو دیا ہے۔ اب اگر انھوں نے دس دن کے اندر مدینہ خالی نہیں کر دیا تو ان سے جنگ کی جائے گی۔ انھوں نے اس الٹی میٹم کی مطلق پروا نہ کی۔ وہ مضبوط قلعوں کے مالک تھے، ان قلعوں میں پناہ گزیں ہو گئے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے پندرہ دنوں تک ان کا محاصرہ جاری رکھا۔ بالآخر محاصرہ کی شدت سے وہ پریشان ہو گئے۔ نہ دوسرے یہودی قبیلہ بنوقریظہ نے ان کا ساتھ دیا اور نہ منافقین ان کی مدد کے لیے سامنے آئے۔ بالآخر انھوں نے خود ہی یہ تجویز رکھی کہ ان کا خون معاف کر دیا جائے اور انھیں اجازت دی جائے کہ جو کچھ مال و اسباب اونٹوں پر لادا جا سکتا ہو، اسے لے کر اور بقیہ سامان یہیں چھوڑ کر وہ اذرعات (شام) چلے جائیں۔ آں حضرت ﷺ نے ان کی جاں بخشی کر دی اور ان کی تجویز منظور کر لی۔

اس تفصیل سے واضح ہے کہ معاہدے کو رسول اللہ ﷺ نے نہیں، بلکہ بنونضیر نے توڑا تھا۔ اس کے باوجود رسول اللہ ﷺ نے ان کا محاصرہ کر لینے اور ان پر غلبہ پانے کے باوجود ان سے انتقام نہیں لیا، بلکہ خود ان کی شرائط مان لیں اور انھیں اپنے مال و اسباب کے ساتھ اپنے پسندیدہ مقام پر جانے دیا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بنوقریظہ کا قتل عام

غزوۂ بنوقریظہ، جس کا خاتمہ یہودی قبیلہ بنوقریظہ کے تمام جنگ جوؤں کے قتلِ عام پر ہوا، غزوۂ احزاب (۵ھ) کے معاً بعد پیش آیا۔ غزوۂ احزاب کے موقع پر بنوقریظہ نے بدعہدی کی اور دشمنوں سے مل گئے۔ چنانچہ غزوۂ احزاب سے فارغ ہوکر آں حضرت ﷺ نے صحابہ کے ساتھ بنوقریظہ کے قلعوں کا محاصرہ کرلیا اور بالآخران کے تمام جنگجوؤں کو، جن کی تعداد چار سو اور بعض روایات میں چھ سو بتائی گئی ہے، قتل کردیا گیا اور ان کے بچوں اور عورتوں کو غلام اور ان کے تمام مال واسباب کو مال غنیمت بنالیا گیا۔ مخالفین اسلام نے اس واقعہ پر بھی اعتراضات کیے ہیں اور آں حضرت ﷺ پر بدعہدی اور سنگ دلی کے الزامات عائد کیے ہیں۔

بنوقریظہ ان یہودی قبائل میں سے تھے جو مدینہ کے اطراف میں آباد تھے۔ آں حضرت ﷺ مدینہ تشریف لائے تو آپ نے ان سے دوستانہ معاہدہ کیا۔ بعد میں قریش کے بھڑکانے پر وہ آمادۂ بغاوت ہوگئے تو آپؐ نے معاہدہ کی تجدید کرنی چاہی۔ بنونضیر نے انکار کیا، چناں چہ ان کو جلاوطن کردیا گیا۔ بنوقریظہ تجدیدِ معاہدہ پر رضامند ہوگئے، چناں چہ انھیں امان دے دی گئی۔

غزوۂ احزاب کے موقع پر بنونضیر کے بھڑکانے پر جب عرب کے تمام بڑے بڑے قبائل مسلمانوں کا صفایا کرنے کے لیے امڈ آئے تھے، بنوقریظہ نے بھی مسلمانوں سے کیا ہوا معاہدہ توڑ دیا اور بنونضیر کے سردار حیی بن اخطب کے بہکانے پر شریکِ جنگ ہوگئے۔ آں حضرت ﷺ کو بنوقریظہ کی غدّاری کا علم ہوا تو آپؐ نے انھیں سمجھانے بجھانے کے لیے حضرت سعد بن معاذؓ اور حضرت سعد بن عبادہؓ کو ان کے پاس بھیجا، مگر انھوں نے بے رخی سے جواب دے دیا کہ ہمارا کوئی معاہدہ نہیں۔

بنوقریظہ کی عہد شکنی اور غدّاری کے نتیجے میں مسلمان سخت پریشانی اور الجھن کے عالم میں تھے۔ وہ دو اطراف سے محصور ہوکر رہ گئے تھے۔ ایک طرف تمام قبائلِ عرب

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کی فوجیں ڈیرہ ڈالے ہوئے تھیں اور دوسری طرف بنوقریظہ آمادۂ شر تھے۔ مسلمانوں نے اپنی عورتوں اور بچوں کو حفاظت کے لیے ایک قلعہ میں بھیج دیا تھا، وہ بنوقریظہ کے نشانے پر تھا۔ دشمنوں کا محاصرہ طویل ہوتا جا رہا تھا۔ مسلمان اس وقت جس عالم اضطراب سے گزر رہے تھے اس کا نقشہ خود قرآن نے یوں کھینچا ہے:

إِذْ جَاؤُوكُم مِّن فَوْقِكُمْ وَمِنْ أَسْفَلَ مِنكُمْ وَإِذْ زَاغَتِ الْأَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّونَ بِاللَّهِ الظُّنُونَا۔ (الاحزاب:۱۰)

(جب دشمن اوپر سے اور نیچے سے تم پر چڑھ آئے، جب خوف کے مارے آنکھیں پتھرا گئیں، کلیجے منہ کو آ گئے اور تم لوگ اللہ کے بارے میں طرح طرح کے گمان کرنے لگے۔)

مسلمان اس وقت خود کو کتنا بے بس محسوس کر رہے تھے اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ آں حضرت ﷺ نے مدینہ کی پیداوار کا ایک حصہ دے کر دشمنوں سے مصالحت کرنے کا ارادہ کر لیا تھا۔ لیکن بالآخر اللہ تعالیٰ کی مدد آئی اور دشمن نامراد اپنے پیر واپس چلے گئے۔

بنوقریظہ کی اس غداری کے بعد ان کے ساتھ کسی طرح کی رعایت برتنا خود کو ہلاکت میں ڈالنے کے مترادف تھا۔ آں حضرت ﷺ نے غزوۂ احزاب سے فارغ ہونے کے معاً بعد صحابہ کو بنوقریظہ کی طرف کوچ کرنے کا حکم دیا اور ان کے قلعوں کا محاصرہ کر لیا۔ یہ محاصرہ پندرہ دن اور بعض روایات کے مطابق پچیس دن جاری رہا۔ بالآخر خود بنوقریظہ نے یہ پیش کش کی کہ حضرت سعد بن معاذؓ ان کے بارے میں جو فیصلہ کریں گے وہ انھیں منظور ہوگا۔ حضرت سعدؓ کا قبیلہ 'اوس' بنوقریظہ کا حلیف تھا۔ اس لیے انھیں امید تھی کہ وہ ان کے بارے میں ہمدردانہ فیصلہ کریں گے۔ لیکن انھوں نے یہ فیصلہ کیا کہ تمام بالغ مردوں کو قتل کر دیا جائے، عورتوں اور بچوں کو غلام بنا لیا جائے اور مال و اسباب کو مسلمانوں میں تقسیم کر دیا جائے۔ ان کا یہ فیصلہ توریت[1] کے عین مطابق تھا۔ اس لیے بنوقریظہ کے

[1] عہد نامہ قدیم، کتاب استثناء، باب ۲۰، آیات: ۱۰-۱۴

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کسی ایک شخص نے بھی اس کے خلاف کچھ نہ کہا۔

عہدِ نبوی کے مذکورہ بالا تینوں واقعات کی تفصیلات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں رسول اللہ ﷺ کی جانب سے کوئی زیادتی نہیں کی گئی تھی، نہ کسی بدعہدی کا ارتکاب کیا گیا تھا۔ بلکہ متعلقہ افراد اور قبائل کو جو سزائیں دی گئیں وہ ان کی بدعہدی اور غدّاری کے عین مطابق تھیں اور وہ انہی کے مستحق تھے۔

☆☆☆

www.KitaboSunnat.com

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

عصر حاضر میں محروم و مظلوم طبقات کے مسائل اور سیرت نبوی ﷺ

موجودہ دور میں آزادی، مساوات اور عدل کے خوب چرچے ہیں۔ انھیں حیاتِ انسانی کے زرّیں اصولوں کی حیثیت سے پیش کیا جاتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ صدیوں کی طویل جدوجہد اور کافی قربانیوں کے بعد ان کا حصول ممکن ہوسکا ہے۔ پہلے بہت سے انسان غلامی کی بیڑیوں میں جکڑے ہوئے تھے۔ جو آزاد تھے وہ بھی اپنے بنیادی انسانی حقوق سے محروم اور اپنے جیسے دوسرے انسانوں کی چیرہ دستیوں کا شکار تھے۔ وہ ارادہ و اختیار کی آزادی سے بے بہرہ تھے۔ طاقت و اقتدار کا مالک طبقہ ان پر اپنی مرضی تھوپتا اور اپنا حکم چلاتا تھا۔ رفتہ رفتہ ان میں بیداری آئی، اپنی محرومی اور مظلومیت کا احساس پیدا ہوا، اپنے حقوق کے حصول کے لیے انھوں نے منصوبہ بند کوششیں کیں، بالآخر انھیں حاصل کرنے میں کامیاب ہوگئے۔ مختلف ممالک میں انسانی حقوق، بنیادی حقوق اور مساوی حقوق کے اعلامیے تیار کیے گئے۔ ان کوششوں کا نقطۂ عروج 'حقوق انسانی کا بین الاقوامی منشور' ہے، جسے ۱۰ر دسمبر ۱۹۴۸ء کو اقوام متحدہ میں پیش کیا گیا تھا۔

اس منشور کے اجراء پر چھ دہائیاں گزر چکی ہیں۔ بین الاقوامی سطح پر اس کا زبردست استقبال کیا گیا، تمام ممالک نے اس کی دفعات اپنے دستوروں میں شامل کیں اور ان کے نفاذ کا وعدہ کیا، بہت سے کمیشن قائم کیے گئے کہ وہ اس میدان میں پیش رفت کا جائزہ لیتے رہیں اور ان کے نفاذ کو یقینی بنائیں، لیکن عملی صورت حال کو دیکھا جائے تو اس میں کوئی قابل ذکر اور امید افزا تبدیلی نظر نہیں آتی۔ ہمارے ملک میں اب بھی سماج کے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

متعدد طبقات پست اور حقیر سمجھے جاتے ہیں۔ انھیں مساویانہ حقوق حاصل نہیں ہیں۔ یہی نہیں، بلکہ وہ ہر طرح کے ظلم و تعدی کا شکار ہیں اور ان کی دادرسی اور ان کے ساتھ عدل و انصاف کی کوئی امید نظر نہیں آتی۔ عالمی منظر نامہ بھی مایوسی اور تاریکی کی تصویر پیش کرتا ہے۔ طاقت ور ممالک نے کم زور ممالک کو اپنا غلام بنا رکھا ہے۔ سیاسی، معاشی اور دیگر میدانوں میں انہی کا حکم چلتا ہے اور جو ممالک ذرا بھی اس سے انحراف کرتے ہوئے نظر آتے ہیں ان پر بدترین مظالم ڈھائے جاتے ہیں اور کوئی ان کی دادرسی کی ہمت نہیں کر پاتا۔

عصر حاضر میں سماج کے کم زور اور محروم و مظلوم طبقات کے گوناگوں مسائل ہیں، جن میں سے بنیادی اور اہم مسائل کو درج ذیل تین نکات میں سمیٹا جا سکتا ہے:

۱- پست سماجی حیثیت: سماجی حیثیت سے انسانوں کو مختلف طبقات میں تقسیم کیا گیا ہے۔ کچھ کو اعلیٰ و اشرف اور کچھ کو ادنیٰ و ارذل قرار دیا گیا ہے۔ جن طبقات کو ادنیٰ سماجی حیثیت دی گئی ہے، انھیں عزت و احترام کی نظر سے نہیں دیکھا جاتا۔ بعض سماجوں میں یہ تقسیم صدیوں سے جاری ہے اور اسے مذہبی سند بھی حاصل ہے۔ موجودہ دور کی روشن خیالی اور حریت پسندی کے باوجود اس رویہ میں کوئی تبدیلی نہیں آ سکی ہے۔

۲- حقوق سے محرومی: عدل و مساوات کے بلند بانگ دعووں کے باوجود سماج کے بعض طبقات کو بہت سے حقوق سے محروم رکھا جاتا ہے۔ اس کے مظاہر ہمارے ملک میں بھی نظر آتے ہیں اور عالمی سطح پر بھی اس کی مثالیں موجود ہیں۔ مثلاً امریکہ نے گوانتاناموبے کے قیدیوں کو حصولِ انصاف کے وہ حقوق نہیں دیے ہیں جو امریکی شہریوں کو حاصل ہیں۔

۳- طاقت کی حکم رانی عام ہے۔ طاقت ور افراد ہوں یا قومیں یا ممالک، وہ اپنے سے کم زور کو دبانے کے لیے ہر طرح کے حربے اختیار کرتے ہیں اور ہر طرح کا ظلم روا رکھتے ہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

عہد نبوی کا سماج

اسلام محروم، دبے کچلے اور مظلوم طبقات کا نجات دہندہ بن کر سامنے آتا ہے۔ اس نے ان کے مسائل کو ماضی میں بھی کامیابی کے ساتھ حل کیا ہے اور موجودہ دور میں بھی وہ اس کی اہلیت رکھتا ہے۔ آج سے چودہ سو سال قبل جب سرزمینِ عرب میں پیغمبر اسلام حضرت محمد ﷺ کی بعثت ہوئی تھی، اس زمانے کا سماج انتشار، بد امنی، لوٹ کھسوٹ، ظلم و جور اور حقوق کی پامالی کی انتہا پر تھا۔ آپ کی تعلیمات کے نتیجے میں امن و امان کا دور دورہ ہو گیا۔ آپ نے تمام طبقات کے حقوق بیان کیے، ان کی ادائی کی تاکید کی اور ان کی حق تلفی کے برے انجام سے ڈرایا۔ آپؐ نے کم زور طبقات کے ساتھ حسن سلوک کرنے کا حکم دیا، کسی کے ساتھ ظلم و زیادتی کی سخت ترین الفاظ میں مذمت کی۔ اس طرح آپ کی تعلیمات کے نتیجے میں اس عہد کا سماج امن و امان کا گہوارہ بن گیا، ظلم و زیادتی کا خاتمہ ہو گیا اور تمام افراد شیر و شکر ہو کر رہنے لگے۔

رسول اللہ ﷺ نے کم زوروں کے حقوق بیان کیے

اُس زمانے میں سماج کے جو طبقات کم زور تھے آپؐ نے ان کے حقوق بیان کیے۔ سب سے زیادہ کم زور اور بے وقعت غلاموں کا طبقہ تھا۔ انھیں کسی طرح کی آزادی اور اختیار حاصل نہ تھا۔ ان کے ساتھ جانوروں سے بھی بدتر سلوک کیا جاتا تھا۔ ان پر ہر طرح کا ظلم اور زیادتی روا رکھی جاتی تھی، جس پر وہ کوئی شکوہ و فریاد نہ کر سکتے تھے۔ آپؐ نے انھیں بنیادی انسانی حقوق عطا کیے۔ فرمایا:

> ''تمھارے یہ غلام تمھارے بھائی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں تمھارے زیر دست رکھا ہے۔ پس جس کا بھائی اس کے ماتحت ہو اسے وہ کھلائے جو خود کھاتا ہو اور وہ پہنائے جو خود پہنتا ہو۔''[1]

---

[1] بخاری، کتاب الایمان، باب المعاصی من أمر الجاھلیۃ، ۳۰

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

آپؐ نے مالکوں کو اپنے غلاموں پر ناروا زیادتی سے روکا اور انھیں آزاد کرنے کی ترغیب دی۔ آپؐ نے فرمایا:

''جو شخص اپنے غلام کو کسی وجہ سے مارے اس کا کفارہ یہ ہے کہ اسے آزاد کر دے۔''[1]

ایک صحابی اپنے غلام کو مار رہے تھے، اچانک وہاں اللہ کے رسول ﷺ آ گئے۔ صحابی نے شرمندہ ہو کر کہا: آئندہ میں کسی غلام کو نہ ماروں گا اور یہ غلام آزاد ہے۔ آپؐ نے فرمایا:

''اگر تم اسے آزاد نہ کرتے تو جہنم کی آگ تمھیں چھو جاتی۔''[2]

اس زمانے میں عورتوں کی کوئی حیثیت نہ تھی۔ انھیں مردوں سے فروتر سمجھا جاتا تھا اور بسا اوقات ان کے ساتھ غیر انسانی رویہ اختیار کیا جاتا تھا۔ اللہ کے رسول ﷺ نے انھیں مردوں کے برابر کا مقام عطا کیا اور ان پر دست درازی سے منع کیا۔ آپؐ نے بیویوں کے حقوق بیان کرتے ہوئے فرمایا:

''جو خود کھاتے ہو وہ انھیں بھی کھلاؤ، جو خود پہنتے ہو وہ انھیں بھی پہناؤ، نہ ان کے ساتھ مار پیٹ کرو اور نہ انھیں برا بھلا کہو۔''[3]

بیوہ عورت کے ساتھ اس زمانے میں بدترین سلوک کیا جاتا تھا۔ اسے نحوست کی علامت سمجھا جاتا تھا۔ آپؐ نے اسے حسنِ سلوک اور ہم دردی کا مستحق قرار دیا۔ فرمایا:

''بیوہ اور مسکین کے سلسلے میں دوڑ دھوپ کرنے والا اس شخص کی مانند ہے جو مسلسل اللہ کی راہ میں جہاد کرتا ہے، مسلسل نماز پڑھتا اور مسلسل روزے رکھتا ہے۔''[4]

---

[1] مسلم، کتاب الایمان، باب صحبۃ المالک وکفارۃ من لطم عبدہ، ۱۶۵۷

[2] مسلم، کتاب الایمان، حوالہ سابق، ۱۶۵۹

[3] ابوداؤد، کتاب النکاح، باب فی حق المرأۃ علی زوجہا، ۲۱۴۴

[4] بخاری، کتاب الادب، باب الساعی علی الأرملۃ، ۶۰۰۶؛ مسلم، کتاب الزھد والرقائق، ۲۹۸۲

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

لڑکیوں کو اس زمانے میں باعثِ ننگ و عار سمجھا جاتا تھا۔ بسا اوقات انھیں پیدا ہوتے ہی زندہ درگور کر دیا جاتا تھا اور اگر زندہ رکھا جاتا تو بوجھ سمجھ کر ان کی پرورش کی جاتی تھی۔ آپؐ نے ان کی پرورش اور تعلیم و تربیت کو باعثِ اجر قرار دیا اور اس پر جنت کی بشارت دی۔ حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا:

''جس شخص نے تین لڑکیوں کی پرورش کی، ان کو ادب اور سلیقہ سکھایا، ان کی شادی کی اور ان کے ساتھ اچھا سلوک کیا اس کے لیے جنت ہے۔''[1]

کسی شخص کا انتقال ہو جاتا تو اس کے بچوں کا کوئی پرسان حال نہ ہوتا تھا۔ اس کے رشتہ دار اس کا مال ہڑپ کر لیتے تھے اور اس کے بچوں کی خبر گیری نہ کرتے تھے۔ آپؐ نے یتیموں کی پرورش اور نگہ داشت کو بڑا کارِ ثواب قرار دیا۔ فرمایا:

''میں اور یتیم کی پرورش کرنے والا جنت میں اتنے قریب ہوں گے''

یہ کہتے ہوئے آپؐ نے انگشتِ شہادت اور درمیانی انگلی کو ملا کر اشارہ کیا۔[2]

مسکینوں اور محتاجوں کی مدد پر ابھارا

سماج میں جو لوگ مالی حیثیت سے کم زور ہوتے ہیں اور معاشی دوڑ دھوپ میں پیچھے رہ جانے کے سبب دوسروں کے دست نگر اور محتاج ہو جاتے ہیں، انھیں اچھی نظروں سے نہیں دیکھا جاتا ہے، انھیں بوجھ سمجھا جاتا ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے ان کے حقوق بیان کیے اور ان کے ساتھ حسنِ سلوک کی تلقین کی۔ ایک موقع پر آپؐ نے فرمایا:

''تمھیں تمھارے کم زوروں ہی کی وجہ سے رزق دیا جاتا اور مدد کی جاتی ہے۔''[3]

ایک شخص نے اپنے دل کی سختی کا علاج دریافت کیا تو فرمایا:

''مسکین کو کھانا کھلاؤ اور یتیم کے سر پر ہاتھ پھیرو۔''[4]

---

[1] ابوداؤد، کتاب الادب، باب فی فضل من عال یتیما، ۵۱۴۷، صححہ الالبانی

[2] بخاری، کتاب الادب، باب فضل من یعول یتیما، ۶۰۰۵

[3] بخاری، کتاب الجهاد، باب من استعان بالضعفاء والصالحین فی الحرب، ۲۸۹۶

[4] مسند احمد، ۶/۱۳۹

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ آپؐ نے فرمایا:

"جس شخص نے کسی مصیبت زدہ کی مدد کی اللہ اس کے نامۂ اعمال میں ستر مغفرتیں لکھ دے گا۔"[1]

مساوات کی تاکید و تلقین

اللہ کے رسول ﷺ نے اونچ نیچ کے تمام تصورات کو کالعدم قرار دیا اور تمام انسانوں کے درمیان مکمل مساوات کی تاکید کی۔ خواہ وہ کسی رنگ و نسل کے ہوں، کوئی زبان بولتے ہوں اور کسی علاقے کے رہنے والے ہیں۔ آپؐ نے ایک موقع پر لوگوں کے درمیان خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

"لوگو، خوب اچھی طرح سن لو، تمھارا رب ایک ہے، تمھارا باپ ایک ہے، خوب اچھی طرح سن لو، نہ کسی عربی کو کسی عجمی پر فضیلت حاصل ہے، نہ کسی عجمی کو کسی عربی پر، نہ کسی گورے کو کسی کالے پر، نہ کسی کالے کو کسی گورے پر۔ اگر کسی کو کسی دوسرے پر کوئی فضیلت حاصل ہو سکتی ہے تو صرف تقویٰ کی بنیاد پر۔"[2]

عہدِ نبوی میں دو افراد کا کسی معاملے میں جھگڑا ہو گیا۔ ان میں سے ایک کالا کلوٹا حبشی تھا۔ دوسرے شخص نے اسے اس کی ماں کا طعنہ دیا۔ اللہ کے رسول ﷺ تک یہ بات پہنچی تو آپؐ نے اس پر ناراضی کا اظہار کیا اور فرمایا:

"کیا تو نے اسے اس کی ماں کا طعنہ دیا ہے۔ یہ تو جاہلیت کی بات ہے۔"[3]

قبیلۂ بنو مخزوم کی ایک عورت نے چوری کی۔ اسے آپؐ نے سزا دیے جانے کا حکم دے دیا۔ معزز قبیلہ سے ہونے کی وجہ سے لوگوں نے سفارش کی کہ اسے معاف کر دیا

---

[1] بیہقی، شعب الایمان

[2] مسند احمد، ۵/۴۱۱

[3] بخاری، کتاب العتق، ۲۵۴۵، مسلم، کتاب الایمان، باب اطعام المملوک، ۱۶۶۱

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جائے۔ آپؐ نے اس پر سخت الفاظ میں اپنی ناگواری ظاہر کی اور فرمایا:

''اللہ کی قسم، اگر محمد کی بیٹی فاطمہ چوری کرتی تو میں اس کا بھی ہاتھ کٹوا دیتا۔''[1]

ظلم کی مذمّت اور مظلوم کی حمایت و مدد

کم زور افراد ہوں یا طبقات، ہر زمانے میں طاقت ور افراد اور طبقات کے ظلم و تعدّی کا شکار رہے ہیں۔ اللہ کے رسول ﷺ نے سخت ترین الفاظ میں کم زوروں پر ظلم و ستم کرنے سے روکا ہے اور ایسا کرنے والوں کو روز قیامت کی وعید سنائی ہے۔ آپؐ نے فرمایا:

''ظلم سے بچو، اس لیے کہ ظلم روز قیامت تاریکیوں کی شکل میں ظاہر ہوگا۔''[2]

دوسری حدیث میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا:

''مظلوم کی بددعا سے بچو، اس لیے کہ اس کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کوئی آڑ نہیں ہوتی۔''[3]

ایک موقع پر آپؐ نے صحابۂ کرام کے درمیان فرمایا: اپنے بھائی کی مدد کرو، خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم، صحابہ نے تعجب سے عرض کیا: مظلوم کی مدد کرنا تو سمجھ میں آتا ہے، مگر ظالم کی مدد کرنے کا کیا مطلب ہے؟ آپؐ نے فرمایا: اس کو ظلم کرنے سے روک دو، یہ اس کی مدد کرنا ہے''[4]

ایک موقع پر آپؐ نے ارشاد فرمایا:

''جب لوگ کسی شخص کو ظلم کرتے ہوئے دیکھیں، پھر بھی اس کا ہاتھ نہ پکڑیں تو بعید نہیں کہ اللہ تعالیٰ سب پر عذاب نازل کردے۔''[5]

---

[1] بخاری، کتاب الحدود، باب کراھیۃ الشفاعۃ فی الحد، ۶۷۸۸، مسلم: ۱۶۸۸

[2] مسلم، کتاب البر والصلۃ، باب تحریم الظلم، ۲۵۷۸

[3] بخاری، کتاب المظالم، باب الاتقاء والحذر من دعوۃ المظلوم، ۲۴۴۸، مسلم: ۱۹

[4] بخاری، کتاب المظالم، باب اعن اخاک ظالما او مظلوما: ۲۴۴۴

[5] ترمذی، کتاب الفتن، ۲۱۶۸، ابوداؤد، کتاب الملاحم، ۴۳۳۸

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ایک مرتبہ آپؐ نے صحابہ سے دریافت کیا: جانتے ہو، مفلس کون ہے؟ انھوں نے جواب دیا: ہم تو مفلس اس کو سمجھتے ہیں، جس کے پاس درہم و دینار نہ ہو۔ فرمایا: نہیں، میری امت میں مفلس وہ شخص ہے جو روزِ قیامت نماز، روزہ، زکوٰۃ سب کچھ لے کر آئے گا، لیکن اس کے ساتھ اس نے کسی کو برا بھلا کہا ہوگا، کسی کا ناحق مال کھایا ہوگا، کسی کا خون بہایا ہوگا، کسی کو مارا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اس کی نیکیاں ان مظلومین کو دے دے گا۔ پھر اگر ان کا حساب پورا ہونے سے قبل اس کی نیکیاں ختم ہو جائیں گی تو ان کے گناہ اس کے سر ڈال دیے جائیں گے، پھر اسے جہنم میں ڈال دیا جائے گا''۔[1]

ام المومنین کی گواہی

یہ رسول اللہ ﷺ کی صرف تعلیمات اور ارشادات ہی نہ تھے، بلکہ آپؐ نے عملی نمونہ بھی پیش کیا۔ آپ کم زوروں اور بے کسوں کی مدد کرتے تھے، محتاجوں کا مالی تعاون کرتے تھے، بے سہاروں کا سہارا بنتے تھے، مظلوموں کی حمایت کرتے تھے اور انھیں ظلم سے بچاتے تھے، آپ کا یہ کردار بعثت سے پہلے بھی تھا، بعثت کے بعد مکّی دور میں بھی اور مدینہ ہجرت کرنے کے بعد بھی۔ ام المومنین حضرت خدیجہؓ نے آپ کے اس مثالی کردار کی گواہی دی ہے۔ غارِ حرا میں پہلی وحی آنے کے بعد جب آپ گھر پہنچے اور اپنی اضطرابی کیفیت کا اظہار کیا تو حضرت خدیجہؓ نے آپؐ کے سامنے یہ باتیں کہیں:

> ''ہرگز نہیں۔ اللہ آپ کو کبھی رسوا نہ کرے گا۔ آپ رشتہ داروں کے ساتھ اچھا سلوک کرتے ہیں، بے سہاروں کا سہارا بنتے ہیں، محتاجوں کو کما کر دیتے ہیں، مہمان کی ضیافت کرتے ہیں اور مصیبت زدوں کی مدد کرتے ہیں۔''[2]

کتب سیرت میں متعدد ایسے واقعات مروی ہیں کہ کسی مظلوم نے آپ کے

---

[1] مسلم، کتاب البر والصلۃ، باب تحریم الظلم: ۲۵۸۱

[2] بخاری، کتاب التفسیر، سورۂ علق، ۴۹۵۳، کتاب التعبیر، ۶۹۸۲

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سامنے فریاد کی، آپؐ نے فوراً اس کی پکار پر لبیک کہا اور اسے ظلم سے نجات دلائی۔ مکی دور کا واقعہ ہے۔ ایک شخص تجارت کی غرض سے کچھ اونٹ لے کر آیا۔ ابوجہل نے اس کے اونٹ خرید لیے، لیکن ان کی قیمت ادا کرنے میں ٹال مٹول کرنے لگا۔ اس نے حرم میں جا کر سردارانِ قریش سے شکایت کی۔ اس موقع پر حرم کے ایک گوشے میں نبی اکرم ﷺ بھی تشریف فرما تھے۔ سرداروں نے آپؐ کی طرف اشارہ کر کے اس شخص سے کہا: ''ان سے جا کر شکایت کرو، وہ تمھارا مسئلہ حل کر دیں گے'' وہ آپؐ کے پاس پہنچا اور اپنی شکایت بیان کی۔ آپؐ فوراً اٹھ کھڑے ہوئے اور اسے ساتھ لے کر ابوجہل کے گھر پہنچے اور اس کا حق دلوایا۔[1]

حلف الفضول کی ستائش

لوگوں کو ظلم و ستم سے بچانے اور مظلومین کو انصاف دلانے کے مقصد سے عہدِ جاہلیت میں چند مشہور قبائل کے درمیان ایک معاہدہ ہوا تھا، جو 'حلف الفضول' کے نام سے جانا جاتا ہے۔ ہوا یوں کہ ایک مرتبہ یمن کا ایک تاجر مکہ آیا۔ اس نے اپنا کچھ سامان فروخت کیا۔ جس نے خریدا اس نے اس کی قیمت ادا کرنے میں ٹال مٹول سے کام لیا۔ تاجر نے بعض قبائل سے مدد چاہی، لیکن کسی نے اس کی مدد نہ کی۔ بالآخر اس نے کوہ ابوقبیس پر چڑھ کی چند اشعار میں اپنی داستانِ مظلومیت بیان کی۔ اس وقت قبائل قریش کے جو سردار حرم میں موجود تھے انھوں نے اس کی چوٹ اپنے دلوں میں محسوس کی، بالآخر انھوں نے عہد کیا کہ ''آئندہ شہر مکہ میں کسی پر ظلم ہوا، خواہ وہ مکہ کا رہنے والا ہو یا کہیں باہر کا، وہ سب مظلوم کی حمایت و مدد میں اٹھ کھڑے ہوں گے، یہاں تک کہ اسے اس کا حق مل جائے'' رسول اللہ ﷺ کی عمر اس وقت تقریباً بیس سال تھی۔ آپؐ اپنے چچا زبیر بن عبدالمطلب کے ساتھ اس معاہدہ میں شریک ہوئے تھے۔ بعثت کے بعد ایک موقع پر آپؐ نے اس معاہدہ کا تذکرہ بہت تعریف و تحسین کے انداز میں کیا۔ آپؐ نے فرمایا:

---

[1] سیرۃ النبی، ابن ہشام، طبع مصر، ۱۹۳۷ء، ۱/۱۳۶-۱۳۷

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

"میں عبداللہ بن جدعان کے گھر میں ایک ایسے معاہدہ میں شریک رہا ہوں کہ اگر آج مجھے ایسے کسی معاہدے کی طرف بلایا جائے تو میں اس پر لبیک کہوں گا۔"[1]

عہد حاضر کے مسائل کا حل سیرت نبوی کی پیروی میں ہے

عہدِ نبوی میں کم زوروں، محروموں اور مظلوموں کے جو مسائل تھے وہ اپنی ترقی یافتہ شکل میں آج بھی موجود ہیں۔ ذات پات، رنگ و نسل، جنس وغیرہ کی بنیاد پر عدم مساوات کا چلن ہے۔ کم زور، افراد ہوں یا طبقات یا ممالک، وہ طاقت ور کے چنگل میں گرفتار اور اس کے مظالم کا شکار ہیں اور ان سے گلو خلاصی ان کے بس میں نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی زرّیں تعلیمات ان کے لیے امید کی کرن روشن کرتی ہیں۔ ان تعلیمات پر عمل کر کے پہلے بھی انسانی معاشرہ آزادی، مساوات اور عدل و انصاف سے بہرہ ور ہو چکا ہے اور آج بھی اگر سچے دل سے ان پر عمل کرے اور انھیں حرزِ جاں بنالے تو ان کے اثرات و برکات سے مستفید ہو سکتا ہے۔

☆☆☆

[1] ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ، طبع مصر، ۲/۲۷۰

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سیرت نگاری میں معجزات کا مقام

(شاہ ولی اللہؒ کی کتاب حجۃ اللہ البالغہ کے مبحث سیرت کا ایک جائزہ)

سیرت نگاری کا سائنسی اسلوب

سیرت نگاری کی تاریخ پر نظر ڈالیں تو ہمیں دو قسم کے رجحانات سے سابقہ پڑتا ہے۔ ایک افراط پر مبنی ہے تو دوسرا تفریط پر۔ ماضی قریب میں بعض جدید اصحاب قلم نے سیرت نگاری کا ایک ایسا اسلوب اختیار کیا جسے مختصر الفاظ میں 'سائنسی اسلوب' قرار دیا جاسکتا ہے۔ سائنسی اسلوب سے ان کی مراد یہ تھی کہ عقل غیبی امور، خوارق اور معجزات کو تسلیم نہیں کرتی، خواہ صحیح ترین روایات میں ان کا تذکرہ ہو، اس لیے سیرت نگاری میں ان کے تذکرے سے احتراز کیا جائے۔ یہ مؤلفین سیرت حیات طیبہ میں پائے جانے والے تمام خارق عادت واقعات کی اس طرح تاویل کرتے ہیں کہ وہ عام واقعات کی طرح معلوم ہونے لگیں اور اگر بہ آسانی ان کی تاویل ممکن نہیں ہوتی تو تکلف اور کھینچا تانی سے بھی گریز نہیں کرتے۔ یہ حضرات آں حضرت ﷺ کے لیے عبقریت، عظمت، شجاعت اور دیگر مابہ الامتیاز اوصاف کو نمایاں کرتے ہیں، تاکہ قاری کا ذہن سیرت کے اعجازی پہلو کی طرف منتقل ہی نہ ہو پائے۔ محمد حسین ہیکل کی کتاب Life of Mohammad کو سیرت نگاری کے اس رجحان کا نمونہ قرار دیا جاسکتا ہے۔

سیرت نگاری کا روایتی اسلوب

دوسری طرف بعض ایسے مؤلفین سیرت ہیں، جو حیات نبوی میں معجزات کو اس حد تک نمایاں کرتے ہیں کہ آں حضرت ﷺ کی ذات گرامی ایک ماورائی اور اساطیری

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

شخصیت معلوم ہونے لگتی ہے۔ اس کا یہ فائدہ تو ہوتا ہے کہ قاری کے دل میں آپ کی انتہائی عظمت گھر کر جاتی ہے اور اس کے ذہن و دماغ میں یہ بات بیٹھ جاتی ہے کہ آپ کو بارگاہِ الٰہی میں اتنا تقرب حاصل تھا کہ اس نے نوامیسِ فطرت کو آپ کے تابع کر دیا تھا اور آپ جس طرح چاہتے تھے تصرف کرتے تھے، لیکن اس کے دل میں ذاتِ گرامی کو نمونۂ عمل بنانے کا جذبہ نہیں ابھرتا۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی کتاب حجۃ اللہ البالغۃ کا بابِ سیرت اس رجحان کا غماز ہے۔

حجۃ اللہ البالغۃ کا مبحثِ سیرت

شاہ صاحب کی یہ مختصر تحریر، جو حجۃ اللہ البالغۃ کے ہندوستانی ایڈیشن کے تقریباً ساڑھے چھ صفحات (۱۶۸ سطریں) پر مشتمل ہے، حجۃ اللہ کا ایک جزء ہے اور موضوعِ کتاب کے آہنگ سے پوری طرح مطابقت رکھتی ہے۔ جس طرح پوری کتاب میں دین کے مختلف پہلوؤں کے اسرار و حکم بیان کیے گئے ہیں، اسی طرح سیرتِ نبوی کے مختلف واقعات بیان کر کے ان کے پس پردہ کارفرما الٰہی حکمتوں اور ربانی اسرار کو آشکار کیا گیا ہے۔

شاہ ولی اللہ ایک عظیم محدث تھے۔ اس بابِ سیرت میں بھی ان کی محدثانہ شان نمایاں ہے۔ انھوں نے الفاظ، تعبیرات، اسلوب، حتیٰ کہ جملے بھی احادیث سے اخذ کیے ہیں۔ واقعاتِ سیرت کی ترتیبِ زمانی میں بھی انھوں نے محدثین کی پیروی کی ہے۔ کسی واقعہ کے زمانۂ وقوع میں اگر محدثین اور اصحابِ سیرت کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے (مثلاً یہودی قبیلوں بنو قینقاع اور بنو نضیر کی جلاوطنی اور غزوۂ بنی المصطلق اور غزوۂ ذات الرقاع کے زمانے) تو انھوں نے محدثین کے نقطۂ نظر کی پیروی کی ہے۔ معجزاتِ نبوی کے بیان میں بھی انھوں نے عموماً صحیح احادیث پر اعتماد کیا ہے۔ اگرچہ انھوں نے بعض واقعات ایسے بھی بیان کر دیے ہیں جن کا سراغ صحیح احادیث میں نہیں ملتا، مثلاً چچا ابوطالب کے ساتھ سفرِ شام کے دوران بحیرا راہب سے ملاقات اور اس کی پیش گوئی نبوت، غارِ ثور میں حضرت ابوبکرؓ کی مارگزیدگی اور آں حضرت ﷺ کے لعابِ دہن لگا دینے سے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ان کی شفایابی، سفر ہجرت کے دوران ام معبد نامی خاتون کے یہاں غیر دودھاری بکری سے دودھ دوہنا وغیرہ، لیکن بیش تر واقعات صحیح احادیث سے ثابت ہیں۔

تجزیہ

کہا جاسکتا ہے کہ اگر شاہ صاحب کے بیان کردہ تمام واقعاتِ معجزات صحیح احادیث سے ثابت ہیں تو پھر اعتراض کی گنجائش کہاں بچتی ہے؟ مقصود اعتراض نہیں، مقصود اس جانب توجہ مبذول کرانا ہے کہ شاہ صاحب کے اندازِ پیش کش سے آں حضرت ﷺ کی بشری حیثیت کچھ دب سی گئی ہے۔ یہ صحیح ہے کہ شاہ صاحب نے یہ انداز اپنے مخصوص فلسفۂ اسرارِ دین کی بنا پر اختیار کیا ہے۔ وہ آں حضرت ﷺ کی شخصیت کو محض انسان کامل اور مصلح قوم کی حیثیت سے نہیں پیش کرنا چاہتے، بلکہ اس حیثیت سے نمایاں کرنا چاہتے ہیں کہ پیدائش سے وفات تک زندگی کے ہر لمحہ میں ذات باری تعالیٰ آں حضرت ﷺ کی محافظ و نگراں رہی۔ اللہ تعالیٰ آپ سے نبوت کا عظیم الشان کام لینا چاہتا تھا۔ اس لیے اس نے ہر قدم پر آپ کی رہ نمائی فرمائی اور اپنی تائید و نصرت سے نوازا۔ لیکن قابلِ توجہ امر یہ ہے کہ اس اندازِ پیش کش سے آں حضرت ﷺ کی عقیدت و عظمت میں تو اضافہ ہوتا ہے، لیکن آپ کے اعمال و افعال کو اسوہ بنانے کی تحریک نہیں ملتی۔

کہا جاسکتا ہے کہ شاہ صاحب کی یہ مختصر تحریر ان کی ایک کتاب کا مختصر ترین حصہ ہے۔ (حجۃ اللہ البالغہ کی دونوں جلدیں ۴۰۰ سے زائد صفحات پر مشتمل ہیں۔ اس اعتبار سے باب سیرت اس کا ستر واں حصہ (۱/۷۰) ہے) اس میں تمام واقعات سیرت کا استیعاب شاہ صاحب کا مقصود تھا نہ تمام پہلوؤں کا احاطہ۔ سیرت نبوی کا جو پہلو موضوعِ کتاب (علم اسرار دین) سے مطابقت رکھتا تھا اس کو انھوں نے نمایاں کیا ہے، سیرت کے دیگر پہلوؤں سے تعرض نہیں کیا ہے اور ایسا ہر مصنف کرتا ہے۔ یہ بات تسلیم، لیکن اس احساس کو بھی غلط نہیں قرار دیا جاسکتا ہے کہ شاہ صاحب نے عموماً انہی واقعات میں اسرار و رموز تلاش کیے ہیں جو اعجازی شان رکھتے تھے۔ دیگر بہت سے اہم واقعات ان

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کے نزدیک درخور اعتنا نہیں رہے ہیں۔ مثلاً آں حضرت ﷺ کا یتیم پیدا ہونا، بچپن ہی میں والدہ محترمہ، پھر دادا عبدالمطلب کی وفات، چچا ابوطالب کی جانب سے پُرزور حمایت کے باوجود ان کی ایمان سے محرومی، آپ کی خفیہ ہجرت مدینہ، مختلف قبائل کی خواتین سے آپؐ کے نکاح اور ازواج مطہرات کے ساتھ پیش آنے والے متعدد واقعات۔ ان میں بھی بہت سے اسرار و حکم تلاش کیے جاسکتے تھے، لیکن چوں کہ ان میں کوئی خارق عادت امر پیش نہیں آیا، اس لیے وہ شاہ صاحب کی نظرِ التفات کو اپنی جانب کھینچ نہیں سکے۔

شاہ صاحب کے بابِ سیرت پر اس عمومی تبصرے سے ہرگز یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ راقم سطور معجزات کا قائل نہیں، یا سیرت نبوی کے ضمن میں انھیں کچھ خاص اہمیت نہیں دیتا۔ کسی صاحب ایمان کے لیے معجزاتِ نبوی کا انکار ممکن نہیں۔ عہد جدید کے چند عقلیت پسندوں کے علاوہ تمام مؤلفین سیرت نے معجزات کو اہمیت دی ہے اور واقعاتِ سیرت کے ضمن میں انھیں بیان کیا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ معجزات کے اعتقاد و اعتراف سے مفر نہیں۔ وحی معجزہ ہے، منصب نبوت معجزہ ہے، قرآن معجزہ ہے۔ سیرت نبوی کا ہر چھوٹا بڑا واقعہ معجزہ ہے، بلکہ عارفین کے لیے تو کائنات کا ذرہ ذرہ معجزہ ہے، مگر قابلِ غور بات یہ ہے کہ کیا سیرتِ نبوی صرف خارقِ عادت واقعات ہی کا نام ہے۔ کیا ایسے عام واقعات کا حیاتِ طیبہ کے تذکرۂ جمیل میں کوئی مقام نہیں، یا اگر ہے تو ثانوی اور ضمنی، جن سے آپؐ کے امتیوں کو عمل کی تحریک ملے، جنھیں وہ حرزِ جان بنائیں اور انھیں اپنی زندگی میں نافذ کرنے کی کوشش کریں۔

خاتمہ کے طور پر کہا جاسکتا ہے کہ ہر مصنف کسی نہ کسی درجے میں اپنے عہد سے متاثر ہوتا ہے اور اپنی ذہنی و فکری ساخت کے مطابق اپنے نتائجِ تحقیق پیش کرتا ہے۔ شاہ صاحب کا تحریر کردہ بابِ سیرت ایک مخصوص پہلو سے سیرتِ نبوی کا مختصر ترین اور اشاراتی مطالعہ ہے، جس کی اپنی اہمیت ہے، لیکن آج کے دور میں سیرتِ نبوی پر تالیفات میں معجزات کے ضروری تذکرہ کے ساتھ ایسے پہلوؤں کو زیادہ سے زیادہ نمایاں کرنے کی ضرورت ہے جو آج کے عقلیت زدہ انسانوں کے لیے بھی قابلِ قبول ہوں اور عام مسلمان بھی انھیں اپنے لیے نمونۂ عمل بنا سکیں۔

☆☆☆

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سیرت نگاری کی تاریخ پر ایک نظر ☆

'مغازی' اور 'سیر' کے الفاظ کا استعمال جب مطلق ہوتا ہے تو مسلم مورخین ان سے عربوں کی تاریخ کا اولین صفحہ مراد لیتے ہیں، وہ صفحہ جس میں اسلام کا قلعہ تعمیر کرنے اور عربوں کو اللہ کے رسول حضرت محمد ﷺ کے جھنڈے تلے جمع کرنے کے لیے جہاد کی تاریخ رقم ہے۔ اس کے ساتھ ہی ان کے تحت نبی ﷺ کی پرورش، آپ کے آباء واجداد اور نبوت سے قبل آپ کی زندگی کے واقعات کا تذکرہ ہوتا ہے۔

رسالتِ محمدی کا ظہور پوری انسانیت کی تاریخ میں عام طور پر اور عربوں کی تاریخ میں خاص طور پر ایک عظیم الشان واقعہ تھا۔ اس لیے کہ عربوں کی زندگی رسول اللہ ﷺ کے عہد میں آپ کی حیاتِ طیبہ اور آپ کے لائے ہوئے دین کے گرد گردش کرتی تھی۔ وہ کہیں اکٹھا ہوتے تو آپ ہی ان کا موضوعِ گفتگو ہوتے، اور کہیں سے اٹھتے تو آپ ہی کے بارے میں منصوبے تیار کر کے اٹھتے۔ ان کی محفلوں میں چرچا ہوتا تو بس آپ کا اور ان کی فوجی ٹولیاں اور لشکر فوج کشی کے لیے روانہ ہوتے تو آپ ہی سے مقابلے کے لیے۔ آں حضرت ﷺ کا عظیم الشان کارنامہ یہ ہے کہ آپ نے انھیں اسلام پر مجتمع کر دیا اور وہ سخت جاہلیت اور شدید گم راہی سے نکل کر نورِ ہدایت میں آ گئے۔

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ عرب قوم جس کی دیگر قوموں کے نزدیک کوئی اہمیت نہ تھی اور جو اردگرد کے لوگوں کی دست درازیوں سے محفوظ نہ تھی، زندگی کے میدانوں میں

☆ سیرۃ ابن ہشام کا ایک ایڈیشن داراحیاء التراث العربی بیروت سے ۱۹۹۳ء میں مصطفیٰ السقا، ابراہیم الابیاری اور عبدالحفیظ شلبی کی تحقیق کے ساتھ شائع ہوا ہے۔ فاضل محققین نے اس پر ایک مبسوط مقدمہ لکھا ہے، جس میں سیرت نگاری کی تاریخ پر روشنی ڈالی ہے۔ یہ مقالہ اسی مقدمہ کا کسی قدر تلخیص کے ساتھ ترجمہ ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نمایاں کارکردگی کا مظاہرہ کرنے لگی، انسانوں کو راہِ ہدایت دکھانے کا فریضہ انجام دینے لگی اور بلند ہمتی، شجاعت، ایثار، حمایتِ حق اور نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں تعاون اور اچھے اخلاق سے بہرہ ور ہونے میں اس کی مثال دی جانے لگی۔

یہ ہے خلاصہ نبی ﷺ اور آپ کے اصحاب کی سیرت کا، جنھوں نے آپ کی پیش کردہ ہدایت اور دینِ حق کا اتباع کیا، اور زندہ جاوید کارنامے انجام دے کر مجد و شرف اور عظمت و فخر کے صحیفے رقم کیے۔

پھر بعد میں آنے والے بعض قائدین میں بغض و حسد سرایت کر گیا، ان کے دلوں میں ایک دوسرے کی مدد اور تعاون کا جذبہ سرد پڑ گیا۔ امت مختلف راستوں پر چل پڑی اور ان کی دلچسپیاں جدا جدا ہو گئیں۔ اس طرح ان کی ایک نئی تاریخ مدوّن ہوئی۔ پھر جوں جوں امت ملکوں اور حکومتوں میں تقسیم ہوتی گئی، ان کی تاریخ بھی الگ الگ ہو گئی۔ ہر حکومت کی، اس کے نئے جغرافیہ اور دیگر حکومتوں کے ساتھ روابط کے ضمن میں مخصوص تاریخ وجود میں آئی۔

عربوں کے نزدیک تاریخ نویسی

نبی ﷺ کی بعثت سے قبل عربوں کے یہاں تاریخ کے فن میں کوئی چیز نہیں تھی، سوائے جاہلیتِ اولیٰ کی چند خبروں کے، جو زبانی روایات کی شکل میں نسلاً بعد نسلٍ منتقل ہوتی آئی تھیں اور ان کے درمیان عام تھیں۔ مثلاً ان کے آباء و اجداد کے واقعات اور انساب اور ان سے متعلق مشہور ایسے قصے، جن سے ان کی شجاعت، سخاوت اور وفاداری کا اظہار ہوتا تھا۔ یا خانۂ کعبہ، زمزم اور قبیلۂ جرہم کے بارے میں ان تک پہنچنے والی معلومات، یا ان خانوادوں کا تذکرہ جنھیں یکے بعد دیگرے قبیلۂ قریش کی سرداری حاصل رہی، یا سدِّ مآرب کے ٹوٹ جانے کا واقعہ، جس کے نتیجے میں بڑی تعداد میں لوگ مختلف علاقوں میں منتشر ہو گئے، وغیرہ۔ ان چیزوں کے بارے میں ان کی زبانی روایات تحریری نوشتوں کا متبادل بن گئی تھیں۔ لوگ انھیں سنتے، یاد رکھتے اور دوسروں کو سناتے تھے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نبی ﷺ اور آپ کی دعوت کے ظہور سے تاریخ کا ایک نیا سرچشمہ منظر عام پر آیا اور وہ تھا آں حضرت ﷺ کی ولادت، حیاتِ طیبہ اور اس کی سرگرمیوں (اللہ کی راہ میں جہاد، مشرکین اور دیگر مذاہب کے ماننے والوں کے ساتھ ٹکراؤ، توحید کی دعوت اور اس پر زبانی اور مسلح مخالفتوں کے اثرات وغیرہ) سے متعلق صحابہ کرام کے بیانات۔ یہ چیزیں اولاً تاریخ کا، ثانیاً سیرت کا مواد بنیں۔

خلفائے راشدین کے عہد میں تاریخ عرب یا سیرت سے متعلق کوئی چیز مدوّن نہیں ہوئی۔ اس مدت میں صرف قرآن کریم اور نحو کے چند قواعد کی تدوین ممکن ہو سکی تھی۔ حفاظتِ قرآن کی خواہش نے صدرِ اول کے مسلمانوں کو آمادہ کیا کہ وہ نبی ﷺ کی زندگی میں اور آپ کے بعد بھی، اسے ضبطِ تحریر میں لے آئیں۔ اسی طرح اسلامی ریاست کے حدود وسیع ہوئے اور عرب کا عجم سے اختلاط ہوا تو عربی زبان کو عجمی اثرات سے محفوظ رکھنے کے لیے نحو کی تدوین عمل میں آئی۔

سیرت میں تالیف کا آغاز

حضرت معاویہؓ نے اپنے عہد میں خواہش کی کہ تاریخ کی ایک کتاب مرتب کی جائے۔ انھوں نے صنعاء سے عبید بن شریہ جرہمی کو بلایا، جنھوں نے ان کے لیے ملوک کے تذکرہ اور ماضی کے اہم واقعات پر مشتمل ایک کتاب تیار کی۔ اس کے بعد متعدد اہلِ علم نے علمِ تاریخ کی جانب ایک مخصوص پہلو سے توجہ کی اور وہ پہلو ہے سیرتِ رسول کا۔ انھیں حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ (م ۱۰۱ھ) کے عہد تک، قرآن وحدیث کے باہم اختلاط کے اندیشے سے، احادیث کی تدوین سے روک دیا گیا تھا۔[1] اس لیے انھیں آں حضرت

---

[1] احادیث کو لکھنے کی ممانعت عہدِ نبوی کے ابتدائی دور میں تھی، بعد میں خود اللہ کے رسولؐ نے اس کی اجازت دے دی تھی اور متعدد صحابہ نے احادیث کے مجموعے تیار کر لیے تھے، البتہ تدوین حدیث کا حکم سرکاری طور پر حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اپنے عہد میں دیا۔ اس موضوع پر تفصیل کے لیے دیکھیے السنۃ قبل التدوین، د۔ محمد عجاج خطیب اور صحیفۂ ہمام بن منبہ پر 'حدیثِ نبوی کی تدوین وحفاظت' کے عنوان سے ڈاکٹر محمد حمید اللہ کا بیش قیمت دیباچہ، طبع جدید، کراچی ۱۹۹۸ء۔ (مترجم)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ﷺ کی سیرت نگاری کے ذریعے ایک ایسی چیز ہاتھ آئی جس کے ذریعہ وہ آپؐ سے اپنے قلبی تعلق اور آپ کے آثار کو زندہ جاوید بنانے کی خواہش کا اظہار کر سکتے تھے۔ چناں چہ ان لوگوں نے، جو سب کے سب محدّث تھے، سیرت پر کتابیں تالیف کیں۔

اولین سیرت نگاروں میں حضرت عروہ بن الزبیر بن العوام کا نام آتا ہے۔ وہ فقیہ اور محدّث تھے۔ ان کے باپ حضرت زبیرؓ حضرت خدیجہؓ کے بھتیجے اور حضورؐ کے پھوپھی زاد بھائی تھے۔ ان کی ماں حضرت اسماءؓ حضرت ابوبکرؓ کی صاحب زادی تھیں۔ اس عالی نسبی کی بنا پر انھوں نے نبی ﷺ کے بہت سے واقعات اور احادیث روایت کی ہیں اور صدرِ اسلام کی زندگی پر روشنی ڈالی ہے۔ اصحابِ سیر میں سے ابنِ اسحاق، واقدی اور طبری نے ان سے کثرت سے روایات لی ہیں۔ خاص طور سے ہجرتِ حبشہ، ہجرتِ مدینہ اور غزوۂ بدر کے ضمن میں۔ کہا جاتا ہے کہ ان کی وفات ۹۲ھ میں ہوئی۔

ایک مشہور سیرت نگار ابان بن عثمان بن عفان المدنی (متوفی ۱۰۵ھ) ہیں۔ انھوں نے سیرت میں متعدد کتابیں تالیف کیں، جن میں حیاتِ رسول کے واقعات جمع کیے۔

ایک سیرت نگار وہب بن منبہ الیمنی (متوفی ۱۱۰ھ) ہیں۔ انھوں نے مغازی پر ایک کتاب تالیف کی۔ اس کتاب کا کچھ حصہ ہیدلبرگ (جرمنی) میں محفوظ ہے۔

ان کے علاوہ بھی بہت سے حضرات ہیں جنھیں سیرت نگاری کا شرف حاصل ہے۔ ان میں سے بعض دوسری صدی ہجری کے ربع اول کے ختم ہوتے ہوتے وفات پا گئے، مثلاً شرحبیل بن سعد (م ۱۲۳ھ) ابن شہاب زہری (م ۱۲۴ھ) عاصم بن عمر بن قتادہ (م ۱۲۰ھ) اور بعض کی وفات اس کے چند سال بعد ہوئی، مثلاً عبداللہ بن ابی بکر بن حزم (م ۱۳۵ھ) مذکورہ بالا چاروں حضرات نے مغازی اور ان کے متعلقات پر بڑا ذخیرہ فراہم کیا ہے۔

کچھ سیرت نگار دوسری صدی ہجری کے وسط یا اس کے چند سال بعد تک زندہ رہے۔ مثلاً موسیٰ بن عقبہ (م ۱۴۱ھ) معمر بن راشد (م ۱۵۰ھ) اور امام

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اہلِ السیر محمد بن اسحاق (م۱۵۲ھ)۔

دوسری صدی ہجری کے اواخر اور تیسری صدی کے اوائل میں بھی بعض اہلِ سیر کو شہرت ملی۔ مثلاً زیاد البکائی (م۱۸۳ھ) واقدی صاحب المغازی (م۲۰۷ھ) محمد بن سعد مؤلف الطبقات الکبریٰ (م۲۳۰ھ) اور ابن ہشام (م۲۱۸ھ) ابن ہشام نے سیرتِ ابن اسحاق کی تہذیب وتنقیح کا کام کیا، چنانچہ وہ انہی کے نام سے مشہور ہوئی۔

سیرت نگاری کے مختلف ادوار

سیرت پر تصنیف وتالیف کا سلسلہ آج تک منقطع نہیں ہوا ہے۔ لیکن یہ موضوع فی نفسہ ایسا نہیں جو تجربات پر مبنی یا دلیل و برہان پر قائم ہو اور اس کی حیثیت ان سائنسی نظریات کی سی نہیں جن میں اہلِ علم زمانہ گزرنے کے ساتھ ساتھ تجدید یا تبدیلی کرتے رہتے ہیں، بلکہ یہ ایسا علم ہے جس کی بنیاد نقل وروایت پر ہے۔

اس فن سے اشتغال رکھنے والے ابتداء میں محدثین اور راویانِ حدیث وسیرت تھے۔ بعد کے لوگوں نے جمع وتبویب کا کام کیا۔ پھر نقد وتعلیق کا مرحلہ آیا، جیسا کہ ابن ہشام نے سیرت ابن اسحاق میں کیا ہے۔

اس طرح یہ سرمایہ متاخرین تک اس شکل میں پہنچا کہ اس کے جوہر میں کسی نئی چیز کا اضافہ ان کے لیے ممکن نہ تھا۔ جو کچھ محنت کی گئی وہ بس ظاہری شکل وصورت میں تھی۔ اس عہد کے سیرت نگاروں کی دو قسمیں ہیں۔ ایک گروہ نے متقدمین اصحابِ سیر کی کتابوں کے زیرِ سایہ کام کیا، ان کی شرحیں لکھیں، خلاصے تیار کیے یا انھیں منظوم کیا، تاکہ انھیں آسانی سے یاد کیا جاسکے۔ دوسرے گروہ نے خود کو طبع زاد مصنفین کی حیثیت سے پیش کیا۔ انھوں نے قدیم کتبِ سیرت اکٹھا کیں اور ان کی روشنی میں ایسی کتابیں تالیف کیں جو بہ ظاہر تو ان کی اپنی معلوم ہوتی تھیں، لیکن حقیقت یہ تھی کہ یہ مواد ان سے پہلے کے معدد مصنفین پیش کر چکے تھے۔

موخر الذکر گروہ میں سے درج ذیل اصحابِ سیر قابلِ ذکر ہیں:

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

- ابن فارس اللغوی۔[1] ۳۹۵ھ میں رے میں وفات پائی۔
- محمد بن علی بن یوسف الشافعی الشامی (م ۶۰۰ھ)
- ابن ابی طی یحییٰ بن حمید (م ۶۳۰ھ)
- ظہیر الدین علی بن محمد گازرونی (م ۶۹۴ھ)
- علاء الدین علی بن محمد الخلاطی الحنفی (م ۷۰۸ھ)
- ابن سید الناس البصری الشافعی[2] (پ ۶۶۱ھ، م ۷۳۴ھ)
- شہاب الدین الرُّعینی الغرناطی[3] (م ۷۷۹ھ)
- ابوعبداللہ محمد بن احمد بن علی بن جابر الاندلسی[4] (م ۷۸۰ھ)
- محمد بن یوسف الصالحی (م ۹۴۲ھ) صاحب السیرۃ الشامیہ[5]
- علی بن برہان الدین (پ ۹۷۵ھ، م ۱۰۴۴ھ) صاحب السیرۃ الحلبیہ[6]

اول الذکر گروہ میں سے درج ذیل سیرت نگاروں کو شہرت ملی۔

- سُہیلی (م ۵۸۱ھ)
- ابوذر خُشنی (م ۶۰۴ھ)

---

[1] دارالکتب المصریہ قاہرہ میں سیرت ابن فارس کے دو مخطوطے موجود ہیں۔ دیکھیے نمبر ۴۶۰، ۴۹۴، تاریخ

[2] ابن سید الناس کی کتاب کا نام 'عیون الاثر فی فنون المغازی والشمائل والسیر' ہے۔ دارالکتب المصریہ میں اس کے کئی مخطوطے ہیں۔

[3] سیرت پر ان کا کتابچہ 'رسالۃ فی السیرۃ والمولد النبوی' کے نام سے ہے، جو دارالکتب المصریہ میں بہ صورت مخطوطہ موجود ہے۔ نمبر ۴۹۴، مجامیع، تاریخ

[4] ان کی تصنیف کا نام بھی 'رسالۃ فی السیرۃ والمولد النبوی' ہے اور وہ مذکورہ بالا رسالہ (حاشیہ نمبر ۲) کے ساتھ ایک مجموعہ میں دارالکتب المصریہ میں محفوظ ہے۔

[5] اس کا نام 'سبل الہدیٰ والرشاد فی سیرۃ خیر العباد ...الخ' ہے۔ دارالکتب المصریہ میں اس کے دو مخطوطے ہیں۔ ایک مخطوطہ چار اجزاء پر مشتمل ہے، جب کہ دوسرے مخطوطے میں دو صرف اجزاء (سوم اور پنجم) ہیں۔

[6] اس کتاب کا نام 'انسان العیون فی سیرۃ الامین المامون' ہے۔ دارالکتب المصریہ میں اس کے ایک سے زائد مخطوطے ہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

دونوں نے سیرتِ ابن ہشام کی شرح کی ہے۔

- قطب الدین عبدالکریم الجماعیلی[1] (م ۷۳۵ھ) جنھوں نے سیرتِ محمد بن علی بن یوسف کی شرح کی ہے۔
- قاسم بن قطلو بغا، جنھوں نے سیرت مغلطائی[2] کی تلخیص کی ہے۔
- عزالدین ابن عمر الکنانی۔
- ابوالحسن علی بن عبداللہ بن احمد السمہودی۔ ۹۱۱ھ میں مدینہ میں وفات پائی۔

سیرت نبوی کو منظوم شکل میں پیش کرنے والوں میں عبدالعزیز بن احمد المعروف بسعد الدرینی (م ۶۰۷ھ تقریباً) ابونصر فتح بن موسیٰ القصری (م ۶۶۳ھ) اور ابن الشہید (م ۷۹۳ھ) معروف ہیں۔

کتبِ میلاد کی تالیف

سیرت میں ایک دوسرے انداز پر بھی کتابیں تالیف کی گئی ہیں اور وہ ہے تلخیص کا انداز۔ یہ تلخیص حیاتِ نبوی کے ایک مخصوص پہلو سے تعلق رکھتی ہے۔ اس میں آپ کی ولادت اور اس سے متعلق واقعات، ولادت سے قبل غیبی اشارے، آپ کا بچپن، اس میں ظاہر ہونے والے خارقِ عادت واقعات، آپ کی ماقبلِ نبوت زندگی، آپ کے پاکیزہ اخلاق، اچھے اوصاف اور ان کاموں سے دوری، جن کے، اس عمر کے نوجوان رسیا ہوتے ہیں، وغیرہ کا بیان ہوتا ہے۔

اس اندازِ تالیف کو رسول کریم ﷺ کی ابتدائی زندگی کا مختصر بیان اور مابعد

---

[1] اس کتاب کا نام 'المورد العذب الہنی فی الکلام علی سیرۃ عبدالغنی' ہے۔

[2] حافظ علاء الدین مغلطائی کی ولادت ۶۸۹ھ اور وفات ۷۶۲ھ میں ہوئی۔ سیرت و تاریخ کے موضوع پر ان کی کتاب کا نام ہے: 'الاشارۃ الی سیرۃ المصطفیٰ و آثار من بعدہ من الخلفاء'۔ اس میں انھوں نے عباسی عہد حکومت ۶۵۶ھ تک کے حالات بیان کیے ہیں۔ دارالکتب المصریہ میں اس کے ایک سے زائد مخطوطے پائے جاتے ہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

رسالت زندگی پر اچٹتی نظر سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔ بعض لوگ اسے 'میلادِ نبوی' کا نام دیتے ہیں۔ مذہبی لوگوں نے اس قسم کی چیزیں تیار کر رکھی ہیں، تاکہ انھیں ہر سال ماہِ ربیع الاول میں مساجد اور دینی جلسوں میں پیش کریں۔ اس موضوع پر بے شمار رسائل اور کتابیں تالیف کی گئی ہیں۔

سیرت نگاری تنقیدی نقطۂ نظر سے

متقدمین کے علمی سرمایہ، خاص طور پر سیرت نگاری سے تعلق رکھنے والے سرمایہ کو، شاید تقدس کی نظر سے دیکھا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تمام قدیم مؤلفینِ سیرت کی طرح بعد کے مصنفین بھی اس علم کے سلسلے میں مطلوبہ رویہ نہیں اپنا سکے ہیں۔ انھوں نے نہ کتبِ سیرت میں مذکور بعض بعید از حقیقت واقعات پر تنقیدی نظر ڈالی ہے اور نہ ان کے کم زور پہلوؤں کو نمایاں کیا ہے۔

قدیم کتبِ سیرت کی جن لوگوں نے تلخیص کی ہے اور ان کے مختصرات تیار کیے ہیں، انھوں نے بعض واقعات کو حذف کر دیا ہے۔ شاید اس سے ان کا مقصد کتاب کا حجم کم کرنا نہیں تھا، بلکہ وہ ان واقعات کو صحیح نہیں سمجھتے تھے۔

سیرت نگاری کا فن اپنے گزشتہ تمام ادوار میں تنقیدی نقطۂ نظر سے محروم رہا ہے۔ البتہ ماضی قریب میں یہ خیال راسخ ہوا ہے کہ سیرت میں متعدد ایسے واقعات پائے جاتے ہیں جو سراسر من گھڑت ہیں۔ اس خیال کا پوری جرأت سے اظہار کیا گیا ہے اور اس سلسلے میں اقدامات کیے گئے ہیں۔ اہلِ قلم نے ایک نیا انداز اختیار کیا ہے۔ وہ سیرت سے ایک یا دو ایسے واقعات منتخب کرتے ہیں جن کے ذریعہ نبی کریم ﷺ کی ذاتِ گرامی یا آپ کے قابلِ احترام متعلقین پر زبانِ طعن دراز کی جاتی ہے۔ ان واقعات میں جو من گھڑت باتیں شامل کی گئی ہیں انھیں وہ الگ کرتے ہیں اور دلائل و براہین کے ساتھ انھیں اس طرح نکھار کر پیش کرتے ہیں کہ وہ خود ان طعن کرنے والوں کے خلاف حجت بن جاتے ہیں۔ مثال کے طور پر استاذ امام شیخ محمد عبدہٗ نے حضرت زینب بنت جحشؓ کے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حضرت زید بن حارثہؓ کے ساتھ نکاح، پھر ان کے طلاق دینے کے بعد رسول ﷺ سے نکاح کے واقعہ کی تنقیح کی ہے اور ان موضوع اور بے بنیاد روایات کی تغلیط کی ہے جو اس واقعہ کے ضمن میں نقل کی گئی ہیں اور جن کی بنیاد پر دشمنوں نے ذاتِ نبوی پر کیچڑ اچھالنے کی کوشش کی ہے۔

بعض لوگوں نے ابنِ اسحاق کا اندازِ بیان اختیار کیا ہے۔ انھوں نے زمانی ترتیب سے سیرت کے واقعات بیان کیے ہیں۔ کتاب کا آغاز آں حضرت ﷺ کی ولادت اور اس سے قبل کے واقعات سے کیا ہے، پھر سال بہ سال آپ کی حیاتِ طیبہ کے حالات و واقعات ذکر کیے ہیں۔ البتہ انھوں نے صرف وہی واقعات نقل کیے ہیں جو ان کے نزدیک صحیح تھے، اور جو چیزیں ان کے فکر و عقیدہ سے میل نہ کھاتی تھیں انھیں غلط قرار دیا ہے، ان کو بنیاد بنا کر طعن کرنے والوں کے دعووں کی تردید کی اور جھوٹی باتیں بنانے والوں کا رد کیا ہے۔

سیرت اور تاریخ کو جمع کرنے والے مؤلفین

کچھ مؤلفین ایسے ہیں جنھوں نے اپنی کتابوں میں سیرتِ رسول کے ساتھ مابعد زمانوں میں پیش آنے والے واقعات و حادثات بھی بیان کیے ہیں۔ گویا ان میں سیرت نگاری بذاتہ مقصود نہیں رہی ہے، بلکہ وہ عام تاریخ کے سلسلہ کی ایک کڑی کی حیثیت سے شامل ہے۔ بعض مؤلفین نے اس کا آغاز ابتدائے آفرینش سے کیا ہے، مثلاً ابن جریر طبری، جب کہ بعض نے حیاتِ رسول ﷺ کو نقطۂ آغاز بنایا ہے، مثلاً امام حافظ ابوشجاع شیرویہ مؤلف 'ریاض الانس' متوفی ۹۰۵ھ۔

سیرتِ ابن اسحاق کی تالیف کا سبب

ابن اسحاق دوسری صدی ہجری کے عمائدین میں سے تھے۔ زمانۂ گذشتہ کے حالات و واقعات کے بارے میں وہ وسیع علم اور تفصیلی معلومات رکھتے تھے۔ قدرت کا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کرنا ایسا ہوا کہ ایک مرتبہ وہ بغداد (یا حیرہ) میں عباسی خلیفہ منصور کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس وقت اس کا بیٹا مہدی بھی وہاں موجود تھا۔ منصور نے کہا، ''ابن اسحاق، جانتے ہو، یہ کون ہے؟'' انھوں نے جواب دیا: ''ہاں، یہ امیر المومنین کے صاحب زادے ہیں''۔ منصور نے کہا: ''جاؤ، اس کے لیے ایک کتاب لکھو، جس میں حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر آج تک کے حالات درج ہوں'' ابن اسحاق نے خلیفہ کے حکم کی تعمیل میں کتاب لکھ کر پیش کی تو اس نے کہا: ''ابن اسحاق، آپ نے تو بہت پھیلا دیا، اس کو مختصر کر کے لائیے''۔ ابن اسحاق نے اس کی تلخیص تیار کر کے حاضرِ خدمت کی اور مفصل کتاب کو شاہی کتب خانہ میں رکھ دیا گیا۔[1]

بعض محققین کا خیال ہے کہ ابن اسحاق نے نہ یہ کتاب خلیفہ کے حکم سے لکھی ہے[2] اور نہ اس کی تصنیف بغداد یا حیرہ میں عمل میں آئی ہے، بلکہ اسے اس نے عباسی حکم رانوں کی خدمت میں حاضر ہونے سے پہلے مدینہ میں تالیف کیا ہے۔ اس کی دلیل وہ یہ دیتے ہیں کہ وہ تمام لوگ جن سے ابن اسحاق نے روایت کی ہے، مدنی یا مصری ہیں۔ ان میں سے کسی ایک شخص کا بھی تعلق عراق سے نہیں ہے۔ ابراہیم بن سعد، جنھوں نے اس کتاب کی روایت ابن اسحاق سے کی ہے، وہ بھی مدنی ہیں۔ یہی نہیں، بلکہ کتاب میں بعض ایسے واقعات مذکور ہیں جن کی روایت عباسی حکم راں کبھی پسند نہ کرتے، مثلاً غزوۂ بدر میں حضرت عباسؓ کی کفار کے ساتھ شرکت اور مسلمانوں کے ہاتھوں ان کی گرفتاری۔ اس واقعہ کو ابن ہشام نے بعد میں عباسیوں کے خوف سے حذف کر دیا تھا۔

سیرتِ ابن ہشام اور طبری اور دیگر مورخین کی کتابوں میں موجود اقتباسات سے ظاہر ہوتا ہے کہ سیرتِ ابن اسحاق تین اجزاء پر مشتمل تھی: مبتدا، مبعث اور مغازی۔ مبتدا میں عہدِ جاہلیت کی تاریخ بیان کی گئی تھی۔ اس میں چار فصلیں تھیں۔ پہلی فصل میں

---

[1] ایک خیال یہ ہے کہ سیرت ابن اسحاق کے اصل نسخہ سے منقول ایک نسخہ مکتبہ کوپریلی، آستانہ استنبول میں محفوظ ہے۔

[2] دیکھیے جوزف ہوروٹس کی کتاب 'سیرت نبوی کی اولین کتابیں اور ان کے مؤلفین'، عربی ترجمہ ڈاکٹر حسین نصار، ص ۶۴ و مابعد (اردو ترجمہ ڈاکٹر نثار احمد فاروقی، نقوش رسول نمبر، جلد اول، ص ۷۶۰-۷۶۱، مترجم)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

گزشتہ انبیاء ورسل کا تذکرہ، دوسری میں عہدِ جاہلیت میں یمن کی تاریخ، تیسری میں عربی قبائل اور ان کی مذہبی رسوم کی تاریخ اور چوتھی میں مکہ کی تاریخ اور رسول اللہ ﷺ کے آباء واجداد کا تذکرہ تھا۔ اس جزء میں ابنِ اسحاق نے واقعات کی اسناد شاذ و نادر ہی بیان کی ہیں اور اساطیر وخرافات اور اسرائیلیات نقل کی ہیں۔

دوسرے جزء (مبعث) میں نبی ﷺ کی مکی زندگی اور ہجرت کا بیان ہے۔ اس میں مؤلف انفرادی واقعات بیان کرنے سے پہلے ان کا ایک جامع خلاصہ بیان کرتا ہے، پھر مکمل فہرستیں پیش کرتا ہے، مثلاً حضرت ابوبکرؓ کی دعوت پر اسلام قبول کرنے والوں کی فہرست، حبشہ ہجرت کرنے والے مسلمانوں کی فہرست، اہلِ مکہ کے اسلام قبول کر لینے کی خبر پا کر حبشہ سے لوٹ آنے والے مسلمانوں کی فہرست وغیرہ۔ اسی طرح وہ واقعات بیان کرنے میں زمانی ترتیب کا خیال رکھتا ہے اور واقعات کی سندیں بیان کرنے کا بھی اہتمام کرتا ہے۔

سیرتِ ابن اسحاق کا تیسرا جزء (مغازی) نبی ﷺ کی مدنی زندگی پر مشتمل ہے۔ اس میں بھی مؤلف پہلے مشتملات کا ایک جامع خلاصہ بیان کرتا ہے، پھر کسی واقعہ کے سلسلہ میں وہ تمام اقوال نقل کرتا ہے جو اس نے راویوں سے اخذ کیے ہیں، آخر میں وہ معلومات پیش کرتا ہے جو اس نے خود مختلف مصادر سے حاصل کی ہیں۔ اس جزء میں بھی مختلف غزوات کے سلسلے میں فہرستوں کی کثرت ہے۔ مؤلف نے اسانید اور زمانی ترتیب کا التزام کیا ہے۔

سیرتِ ابن اسحاق میں ابنِ ہشام کا کام

پھر اللہ تعالیٰ نے ابن اسحاق کی اس علمی کاوش پر مزید کام کرنے کی توفیق ایک ایسے شخص کو دی جو اس کا اہل تھا، یعنی ابن ہشام المعافری۔ انھوں نے اس کے جمع و تدوین کی خدمت انجام دی، اس کا خلاصہ کیا اور اُس پر نقد اور استدراک کیا، کوئی روایت ابن اسحاق سے رہ گئی تھی تو اسے درج کیا، کچھ واقعات کا ذکر نہیں تھا تو ان کا اضافہ کیا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سیرت ابن ہشام کی ابتداء میں درج اس عبارت سے ابن ہشام کے اندازِ تالیف کا بہ خوبی اندازہ ہو جاتا ہے:

''میں ان شاء اللہ اس کتاب کا آغاز حضرت اسماعیل بن ابراہیم علیہما السلام کے تذکرہ سے کروں گا۔ اس کے بعد ایک ترتیب سے، ان کی نسل میں سے ان لوگوں کا ذکر کروں گا جن سے رسول اللہ ﷺ کا نسبی تعلق تھا اور ان کے حالات بیان کروں گا۔ حضرت اسماعیلؑ کی نسل میں سے ان لوگوں کا تذکرہ چھوڑ دوں گا جن کا آں حضرت ﷺ سے نسبی تعلق نہ ہوگا۔ ایسا میں اختصار کے پیشِ نظر کروں گا۔ ابن اسحاق نے اپنی کتاب میں بعض ایسی چیزیں بھی بیان کی ہیں جو نہ رسول اللہ ﷺ سے متعلق ہیں، نہ ان کے بارے میں قرآن میں کچھ نازل ہوا ہے اور نہ وہ سیرت سے متعلق کسی واقعہ کا سبب، تشریح یا دلیل ہیں۔ انھیں میں نے اختصار کے پیشِ نظر حذف کر دیا ہے۔ انھوں نے کچھ ایسے اشعار نقل کیے ہیں جن سے شاعری میں درک رکھنے والا کوئی شخص واقف نہیں ہے، کچھ ایسی باتیں ذکر کی ہیں جو ناشائستہ ہیں، یا ان کا تذکرہ بعض لوگوں کو ناگوار ہوگا، یا بکّائی نے ان کی روایت کا اعتراف نہیں کیا ہے۔ میں نے ایسی تمام چیزیں حذف کر دی ہیں۔ ان کے علاوہ دیگر باتوں کا ان شاء اللہ استقصاء کروں گا۔''

اقتباسِ بالا سے واضح ہے کہ ابنِ ہشام نے ابنِ اسحاق کی سیرت سے حضرت آدمؑ سے حضرت ابراہیمؑ تک انبیاء کی تاریخ اور حضرت اسماعیلؑ کی نسل میں سے آں حضرت ﷺ کے شجرۂ نسب میں نہ آنے والوں کا تذکرہ حذف کر دیا ہے۔ اسی طرح انھوں نے وہ واقعات خارج کر دیے ہیں جو ان کے نزدیک ناقابلِ بیان تھے اور وہ اشعار بھی نکال دیے ہیں جو ان کے نزدیک پایۂ ثبوت کو نہ پہنچتے تھے۔ دوسری طرف انھوں نے بہت سی معلومات اور افکار کا اضافہ کیا ہے۔ اس طرح یہ کتاب سیرت ان کے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نام سے معروف اور ان سے منسوب ہوگئی، یہاں تک کہ لوگ اس کے پہلے مؤلف ابن اسحاق کو بھول گئے۔

سُہَیلی اور دیگر شارحینِ سیرت ابن ہشام

پھر ابوالقاسم عبدالرحمٰن السہیلی (م ۵۸۱ھ) نے اس کتاب میں دل چسپی لی۔ انھوں نے اس پر ایک نئے انداز اور دوسرے نہج سے کام کیا۔ اس کی حیثیت اس کی شرح اور تعلیق کی ہے۔ انھوں نے ابن اسحاق اور ابن ہشام کی کاوشوں کی روشنی میں اپنی کتاب 'الروض الانف' تالیف کی۔ انھوں نے ان دونوں کے بیانات کی تحقیق کی۔ پھر ان کی شرح کی اور ان پر اضافہ کیا۔ اس طرح ان کا کام سیرت پر ایک نئی کتاب کی حیثیت سے سامنے آیا، جو اپنے حجم اور اقوال و روایات کی کثرت کے اعتبار سے گزشتہ دونوں کتابوں سے مختلف تھی اور اس سے زیرِ بحث موضوع میں مؤلف کی مہارت اور وسعتِ معلومات کا اظہار ہوتا تھا۔

سہیلی کے مثل غالباً بدرالدین محمد بن احمد العینی الحنفی (م ۸۵۵ھ) کا بھی کام تھا۔ انھوں نے اس موضوع پر اپنی کتاب 'کشف اللثام فی شرح سیرۃ ابن ہشام' تالیف کی، جس سے وہ ۸۰۵ھ میں فارغ ہوئے۔ اس کتاب کا کوئی نسخہ دست یاب نہیں ہے، اس لیے اس کے بارے میں کوئی فیصلہ یا اس سے تفصیلی واقفیت دشوار ہے۔

اس سلسلے میں ابوذر الخشنی کی کاوش کو بھی فراموش نہیں کیا جاسکتا۔ انھوں نے سیرت ابن اسحاق پر قابلِ قدر کام کیا ہے، اس کے غریب الفاظ کی شرح کی ہے اور اس کی غلطیوں کی نشان دہی سے بھی غافل نہیں رہے ہیں۔ خشنی اور سہیلی کے کاموں کو ابن اسحاق اور ابن ہشام کے عظیم الشان کام کا تکملہ کہا جاسکتا ہے۔

سیرتِ ابن اسحاق کی تلخیص کرنے والے

مابعد ادوار میں کوئی ایسا شخص نظر نہیں آتا جو ان حضرات کے علمی مرتبہ کا ہو اور

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اس نے اس کتاب کی نئے انداز سے شرح یا تعلیق کی ہو۔ لوگوں کا میلان اس کتاب کا اختصار یہ تیار کرنے کی طرف ہوگیا۔ مثلاً برہان الدین ابراہیم بن محمد المرحل الشافعی (م ۷۳۸ھ) نے اس کا خلاصہ تیار کیا اور اس میں اپنی طرف سے کچھ اضافہ کیا۔ اپنی اس کتاب کو انھوں نے اٹھارہ مجلسوں (ابواب) میں تقسیم کیا اور اس کا نام 'الذخیرۃ فی مختصر السیرۃ' رکھا۔ اس کی تالیف سے وہ ۷۱۱ھ میں فارغ ہوئے۔ ان کے بعد عمادالدین ابوالعباس احمد بن ابراہیم بن عبدالرحمٰن الواسطی (م ۷۱۱ھ) نے اس کا خلاصہ تیار کیا اور اس کا نام 'مختصر سیرۃ ابن ہشام' رکھا۔ کہا جاتا ہے کہ اس کی تالیف سے وہ ۷۱۱ھ میں فارغ ہوئے۔

سیرتِ ابن اسحاق کو منظوم کرنے والے

ان لوگوں کے بعد شعراء کا گروہ آتا ہے۔ ان کی کوششیں بس یہ رہیں کہ اس کتاب کو ایک نئے قالب، یعنی اشعار میں ڈھال دیں۔ اس گروہ میں درج ذیل لوگ آتے ہیں:

- ابومحمد عبدالعزیز بن محمد بن سعید الدیری الدیرینی (م ۶۰۷ھ تقریباً)
- ابونصر فتح بن موسیٰ بن محمد نجم الدین المغربی الخضراوی (م ۶۶۳ھ)
- ابوبکر محمد بن ابراہیم بن محمد النابلسی المعروف بابن الشہید (م ۷۹۳ھ) مؤلف 'الفتح القریب'
- ابواسحاق الانصاری التلمسانی۔

اس تفصیل سے واضح ہوجاتا ہے کہ ابن اسحاق کی کتاب کو کس قدر مقبولیت حاصل رہی ہے اور اس پر کس کس پہلو سے کام ہوا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ابن اسحاق اپنے بعد فنِ سیرت سے اشتغال رکھنے والے تمام مؤلفین کا مرجع رہے ہیں۔ بجا طور پر یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ ابن اسحاق کے بعد سیرت میں جتنی بھی کتابیں لکھی گئی ہیں سب کے مؤلفین نے ان کی کتاب سے خوشہ چینی کی ہے۔ اس کلیہ سے صرف ایک دو مصنفین مثلاً

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

واقدی اور ابن سعد کو مستثنیٰ کیا جا سکتا ہے۔

سطورِ ذیل میں چار مؤلفینِ سیرت کے حالاتِ زندگی پر مختصر روشنی ڈالی جاتی ہے اور وہ ہیں: ابن اسحاق، ابن ہشام، بیہقی اور ابوذر خشنی۔

ابن اسحاق

ابن اسحاق کا سلسلۂ نسب یہ ہے: محمد بن اسحاق بن یسار بن خیار (یا ابن کوثان) المدنی القرشی۔ ان کی کنیت ابوبکر اور ابوعبداللہ تھی۔ وہ قیس بن مخرمہ بن المطلب بن عبدمناف کے آزاد کردہ غلام تھے۔ ان کے دادا یسار عین التمر کے قیدیوں میں سے تھے۔ یہ ایک قدیم شہر ہے جو انبار کے قریب کوفہ کے مغرب میں، صحرا کے کنارے آباد تھا۔ مسلمانوں نے اسے حضرت ابوبکرؓ کے عہدِ خلافت میں ۱۱ھ میں حضرت خالد بن ولیدؓ کی سپہ سالاری میں فتح کیا تھا۔ حضرت خالدؓ نے عین التمر کے کنیسہ میں ابن اسحاق کے دادا کو ان لڑکوں کے درمیان پایا تھا جو کسریٰ کے اسیر تھے۔ اس کے ساتھ عبداللہ بن ابی اسحاق الحضرمی النحوی کا دادا اور کلبی عالم کا دادا تھا۔ وہاں سے یسار مدینہ لایا گیا۔

ابن اسحاق کی ولادت مدینہ میں ہوئی۔ کتب تاریخ اس کے سنۂ ولادت ۸۵ھ کو ترجیح دیتی ہیں۔ اس کی تاریخِ وفات میں اختلاف ہے، البتہ تمام اقوال ۱۵۰ھ اور ۱۵۳ھ کی درمیانی مدت کے ہیں۔

اس میں شک نہیں کہ ابنِ اسحاق نے اپنی جوانی کے ایام مدینہ میں گزارے۔ سوانح نگاروں نے ان کے بارے میں بیان کیا ہے کہ وہ ایک خوب رُو نوجوان تھے۔ ان کا چہرہ پرکشش، جسمانی بناوٹ ایرانی اور بال خوب صورت تھے۔ ان کے عہدِ شباب اور اس کی ترنگ کے بارے میں ابن ندیم نے نقل کیا ہے (اگر یہ روایت صحیح ہو) کہ مدینہ کے گورنر تک یہ بات پہنچی کہ محمد بن اسحاق عورتوں سے عشقیہ باتیں کرتے ہیں۔ اس نے انھیں بلوا کر کوڑے لگوائے اور مسجد کے پچھلے حصے میں بیٹھنے سے منع کر دیا۔

ابن اسحاق مدینہ کی رہائش ترک کر کے مختلف شہروں میں گھومتے رہے، غالباً

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ان کا اسکندریہ کا سفر (جو ۱۱۵ھ میں ہوا تھا) پہلا سفر تھا۔ وہاں انھوں نے متعدد مصری اصحاب علم سے روایات لیں۔ مثلاً عبید اللہ بن المغیرہؒ، یزید بن حبیبؒ، ثمامہ بن شفیؒ، عبید اللہ بن ابی جعفرؒ، قاسم بن قزمانؒ، سکن بن ابی کریمہؒ۔ ابن اسحاق ان حضرات سے بعض احادیث کی روایت میں منفرد ہیں۔ ان کے علاوہ اور کسی نے انھیں روایت نہیں کیا ہے۔

پھر وہ کوفہ، جزیرہ، رے، حیرہ اور بغداد گئے اور غالباً اخیر میں انھوں نے بغداد میں مستقل سکونت اختیار کر لی۔ وہاں انھوں نے منصور کے دربار میں حاضری دی اور اس کے بیٹے مہدی کے لیے سیرت کی کتاب تالیف کی (جیسا کہ گزشتہ سطور میں ذکر کیا گیا ہے۔) ان شہروں میں ابن اسحاق کے شاگردوں کی تعداد، ان کے مدینہ کے شاگردوں سے زیادہ ہے۔ بلکہ معروف یہ ہے کہ اہلِ مدینہ میں سے صرف ابراہیم بن سعد نے ان سے روایت لی ہے۔ بغداد میں قیام ہی کے دوران ابن اسحاق کا انتقال ہوا اور مقبرہ خیزران میں تدفین ہوئی۔

ابن اسحاق کے بارے میں ائمہ جرح و تعدیل کے اقوال کا جائزہ لینے سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک جانب اگر بعض لوگوں نے ان کی تنقیص میں مبالغہ سے کام لیا ہے تو دوسری جانب بعض دوسرے لوگوں نے خوب بڑھا چڑھا کر ان کی مدح سرائی کی ہے۔ مثلاً امام مالک بن انسؒ اور ہشام بن عروہ بن الزبیرؒ نے انھیں اہلِ صدق وصفا اور ثقہ محدثین کی صف سے خارج کر دیا ہے اور انھیں کذب اور دجل وفریب سے متہم کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی ہے۔ اس کے علاوہ ان پر تدلیس کرنے، قدریہ جیسا عقیدہ رکھنے، شیعیت کی جانب میلان رکھنے، غیر ثقہ راویوں سے نقل کرنے، اشعار گھڑ کر اپنی کتاب میں شامل کرنے اور انساب میں غلطی کرنے جیسے الزامات بھی لگائے گئے ہیں۔ دوسری جانب متعدد ائمہ عظام مثلاً ابن شہاب زہریؒ، شعبہ بن الحجاجؒ، سفیان ثوریؒ، زیاد بکائیؒ وغیرہ ان کی توثیق کرتے ہیں اور ان پر مذکورہ الزامات میں سے کوئی الزام نہیں لگاتے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حقیقت یہ ہے کہ ان پر اعتراض اور تنقیص کرنے والوں کے اقوال بے غرض اور مبنی بر صواب نہیں ہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ ابن اسحاقؒ امام مالک بن انسؒ کے نسب میں طعن کرتے تھے اور ان کے علم پر بھی تنقید کرتے تھے۔ وہ کہتے تھے: ''میرے پاس مالک کی کتابیں لاؤ، میں اس کی خامیوں کی نشان دہی کردوں۔ ان کو پرکھنے والا تو میں ہوں'' اس بنا پر امام مالکؒ ان کے درپے ہوگئے اور ان کے عیوب ڈھونڈنے لگے۔ ان دونوں کے درمیان اس طرح کی کلامی جنگ برپا رہتی تھی۔

ہشام بن عبدالملک ابن اسحاق سے اس بنا پر ناراض تھے کہ وہ اس کی بیوی سے روایت کرنے کا دعویٰ کرتے تھے اور ہشام کے خیال میں روایت کے لیے رویت ضروری ہے، جب کہ وہ اپنی بیوی کو اتنے پردے میں رکھتا تھا کہ کوئی اسے دیکھ نہ سکے۔ ہشام کی سمجھ میں یہ بات نہ آسکی کہ روایت پردہ کی اوٹ سے ہوسکتی ہے۔ یا ممکن ہے ابن اسحاق نے اپنی نوعمری میں اس سے روایت لی ہو، پھر اس میں کیا مضائقہ ہے، جب کہ اس کی بیوی ابن اسحاق سے ۳۷ سال بڑی تھی۔ اس بنا پر ابن اسحاق نے جب اس سے روایت لی ہوگی اس وقت اس کی (یعنی ہشام کی بیوی کی) عمر پچاس سال سے کم نہ ہوگی۔ مزید برآں اس زمانے میں کسی مرد کا کسی عورت سے روایت کرنا کوئی عجیب وغریب بات بھی نہ تھی۔

ابن اسحاق پر جو دوسرے الزامات لگائے گئے ہیں ان کے سلسلے میں خطیب بغدادی نے 'تاریخ بغداد' اور ابن سیّد الناس نے 'عیون الاثر' میں دو فصلیں منعقد کی ہیں اور ان تمام الزامات کا جواب دیا ہے۔

ان پر ایک اعتراض یہ بھی ہے کہ ان کے لیے اشعار گھڑے جاتے تھے اور ان سے انھیں اپنی کتاب میں شامل کرنے کو کہا جاتا تھا اور وہ انھیں شامل کرلیتے تھے۔ صحیح بات یہ ہے کہ یہ اعتراض بجا ہے۔ ابن اسحاق کو اشعار سے واقفیت کم تھی۔ وہ صحیح غلط ہر طرح کے اشعار قبول کرلیتے تھے۔ اگر انھوں نے اپنے ذوق کو حَکَم بنایا ہوتا اور اشعار پر تنقیدی نظر ڈالی ہوتی تو اپنی کتاب میں بہت سے ایسے اشعار شامل نہ کرتے جن کے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بارے میں گمان غالب یہ ہے کہ وہ موضوع ہیں اور اس طرح وہ اس شدید تنقید سے محفوظ رہتے جس کا مؤلفینِ سیرت ہر زمانہ میں انھیں نشانہ بناتے آئے ہیں۔

ان کے بارے میں ابن عدی کی یہ بات بالکل صحیح ہے:

''ابن اسحاق کی فضیلت کے لیے ان کا صرف یہ کام کافی ہے کہ انھوں نے بادشاہوں کی توجہ بے مصرف کتابوں سے ہٹا کر رسول اللہ ﷺ کے مغازی، مبعث اور ابتدائے آفرینش سے بعثت تک کے واقعات کی طرف موڑ دی۔ میں نے ان کی روایت کردہ بہت سی احادیث دیکھی ہیں۔ میں نے ان میں کوئی حدیث ایسی نہیں پائی جسے ضعیف قرار دیا جاسکے۔ بسا اوقات ان سے غلطیاں ہوئی ہیں اور کسی چیز میں وہ متہم ہوئے ہیں، لیکن ایسی غلطیاں دوسرے لوگوں سے بھی ہوئی ہیں۔''

ابن اسحاق سے ثقہ راویوں اور ائمہ حدیث نے روایتیں لی ہیں۔ امام مسلمؒ نے متابعات میں ان سے حدیث روایت کی ہے۔ امام بخاریؒ نے متعدد مقامات پر ان سے استشہاد کیا ہے۔ ان کی روایت سنن ابی داؤد، جامع ترمذی، سنن نسائی اور سنن ابن ماجہ میں بھی موجود ہیں۔

ابن ہشام

ابن ہشامؒ کا سلسلۂ نسب یہ ہے: ابو محمد عبدالملک بن ہشام بن ایوب الحمیری۔ بعض سوانح نگاران کا نسب معافر بن یعفر تک پہنچاتے ہیں۔ ان کا قبیلہ بہت بڑا تھا اور اس کے بہت سے افراد مصر آ گئے تھے۔ بعض لوگ ان کا نسب ذہل اور بعض سدوس تک لے جاتے ہیں۔ اس بارے میں کوئی قطعی رائے موجود نہیں ہے۔ یہی حال ہر اس شخص کا ہوتا ہے جس نے مختلف شہروں میں سکونت اختیار کی ہو اور اس شہر میں جہاں اس کا گھرانہ اور خاندان رہتا ہو، اسے مستقل رہائش کا موقع نہ ملا ہو۔ ایک بات یہ بھی ہے کہ ان کا گھرانہ حسب ونسب کے اعتبار سے اس مرتبہ کا نہ تھا کہ لوگ ان کا شجرۂ نسب یاد رکھتے اور

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

روایت کرتے۔

ابن ہشامؒ نے بصرہ میں پرورش پائی، پھر مصر میں سکونت اختیار کی۔ سوانح نگار یہی بیان کرتے ہیں۔ ان دوشہروں کے علاوہ ان کے اور کہیں جانے کا تذکرہ نہیں ملتا۔ لیکن ہمارا خیال ہے کہ ان کی زندگی صرف انہی دوشہروں میں محصور نہیں تھی۔ خاص طور پر ایسے زمانے میں جب علم سماعی طریقہ پر حاصل کیا جاتا تھا اور اس کی تحصیل کے لیے علماء دور دراز کے سفر کیا کرتے تھے۔

ابن ہشام کے سنۂ وفات کے بارے میں کوئی قطعی رائے نہیں ملتی۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ان کی وفات ۲۱۸ھ میں ہوئی، جب کہ بعض دوسرے لوگ سنہ وفات ۲۱۳ھ قرار دیتے ہیں۔ جب تاریخ وفات کا یہ حال ہو تو تاریخ پیدائش کا قطعی علم کیوں کر ہوسکتا ہے، جب کہ مصر ان کا وطن نہیں تھا اور غالب گمان یہ ہے کہ جہاں سے وہ مصر آئے تھے وہ بھی ان کا وطن نہیں تھا۔

ابن ہشام نحو اور عربی زبان کے امام تھے۔ ذہبیؒ اور ابن کثیرؒ نے بیان کیا ہے کہ جب وہ مصر آئے تو امام شافعیؒ نے ان سے ملاقات کی اور دونوں نے ایک دوسرے کو اہلِ عرب کے بہت سے اشعار سنائے۔ اس کے باوجود یہ بات عجیب وغریب معلوم ہوتی ہے کہ وہ جب کتابِ سیرت میں ابن اسحاق سے ایسے اشعار نقل کرتے ہیں جو بہ ظاہر موضوع اور ناموزوں معلوم ہوتے ہیں تو ان کے بارے میں اپنی کوئی قطعی رائے ظاہر نہیں کرتے اور اپنے شعری ذوق سے کوئی فیصلہ نہیں کرتے، بلکہ انھیں نقل کر کے اس طرح کا جملہ لکھ دینے پر اکتفا کرتے ہیں: ''اشعار سے واقف لوگوں نے اسی طرح بیان کیا ہے''۔

ان کی ایک سے زائد فنون میں متعدد تصانیف ہیں۔ مثلاً سیرت ابن اسحاق پر ان کے کام کے علاوہ 'شرح ما وقع فی أشعار السیر من الغریب' اور کتاب التیجان لمعرفة ملوک الزمان۔ مؤخر الذکر کتاب ابھی حال ہی میں طبع ہوئی ہے۔[1]

[1] یہ تصنیف 'کتاب التیجان فی ملوک حمیر' کے نام سے ۱۳۴۷ھ/ ۱۹۲۸ء میں دائرۃ المعارف العثمانیہ حیدرآباد سے چھپ چکی ہے۔ (مترجم)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سیرت ابن اسحاق پر ان کے کام کو غیر معمولی شہرت ملی اور وہ کتاب انہی کے نام سے معروف ہوئی۔ اس میں ان کا کام ابن اسحاق سے کم اہم نہیں ہے۔

سہیلی

سہیلی کا سلسلۂ نسب یہ ہے: عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن احمد ابن اصبغ بن الحسین بن سعدون بن رضوان بن فتوح۔ ان کی کنیتیں ابوالقاسم، ابوزید اور (ایک قول کے مطابق) ابوالحسن بیان کی گئی ہیں۔ ان کے باپ اور دادا دونوں خطیب کے لقب سے مشہور تھے۔ باپ کی کنیت ابومحمد، دادا کی ابوعمرو اور پردادا کی ابوالحسن تھی۔ ان کی نسبتیں خثعمی، سہیلی، اندلسی اور مالقی معروف ہیں۔

'سہیل' جس کی طرف ان کی نسبت ہے، اندلس میں مالقہ کے علاقے میں ایک وادی کا نام ہے۔[1] اس میں کئی گاؤں آباد ہیں۔ ان میں سے ایک گاؤں میں سہیلی پیدا ہوئے۔ وہ اندلس میں طویل عرصے تک رہے۔ وہاں علم کے سرچشموں سے سیراب ہوئے اور مختلف علوم وفنون میں مہارت حاصل کی۔ وہاں انھیں بلند مقام ملا۔ ان سے کسبِ فیض کے لیے لوگ دور دور سے آنے لگے۔ ان کی شہرت مراکش تک جا پہنچی تو وہاں کے حکم راں نے آپ کو طلب کیا۔ آپ وہاں تشریف لے گئے تو اس نے آپ کے ساتھ حسنِ سلوک کیا، آپ کی خوب خاطر مدارات کی اور آپ کو منصبِ قضا پر فائز کیا۔ آپ کی وجہ سے اس کا کردار قابلِ تعریف ہوگیا تھا۔ آپ کا قیام وہاں تین سال رہا اور وہیں وفات پائی۔

مراجع سے معلوم ہوتا ہے کہ ابوالقاسم سہیلی کی ولادت ۵۰۸ھ اور وفات ۵۸۱ھ میں ہوئی۔ ابن العماد حنبلی نے اپنی کتاب 'شذرات الذہب' میں لکھا ہے کہ ان کی وفات شعبان ۵۸۱ھ میں ہوئی۔ وہ بہتر برس کے تھے۔

سہیلی کی سب سے مشہور تالیف 'الروض الانف' ہے۔ صفدی نے 'نکت الہمیان'

---

[1] صفدی نے 'نکت الہمیان' میں لکھا ہے کہ "قریب کی پہاڑی سے پوری وادی نظر آتی ہے"۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

میں لکھا ہے: ''یہ ایک قابلِ قدر کتاب ہے۔ اسے مصنف نے بہت اچھے طریقے پر تالیف کیا ہے۔ ابتداء میں انھوں نے ذکر کیا ہے کہ اس کی تالیف میں انھوں نے ایک سو بیس سے زائد کتابوں سے مدد لی ہے''۔ ان کی دیگر تالیفات درج ذیل ہیں:

- التعريف والإعلام بما في القران من الأسماء والأعلام
- نتائج النظر
- مسألة رؤية الله عز و جل ورؤية النبي ﷺ في المنام
- مسألة السر في عور الدجال
- شرح اية الوصية
- شرح الجمل۔ نامکمل

ان کے علاوہ دیگر موضوعات پر بھی ان کی تصانیف تھیں، جن کی طرف سوانح نگاروں نے اشارہ کیا ہے، مگر ان کے ناموں کی صراحت نہیں کی ہے۔

'الروض الانف' کے علاوہ ان کی کوئی کتاب دست یاب نہیں ہے۔ اس کی تالیف انھوں نے مراکش جانے سے قبل مالقہ میں کی تھی۔ اسے انھوں نے محرم ۵۶۹ھ میں املا کرانا شروع کیا تھا اور اس کی تالیف سے اسی سال جمادی الاولی میں فارغ ہوئے۔

سہیلی کی عظمت کے لیے یہی کتاب کافی ہے۔ اس سے مختلف اعتبارات سے ان کی وسیع وعمیق معلومات کا اظہار ہوتا ہے اور مختلف علوم وفنون میں ان کی مہارت ثابت ہوتی ہے۔ اس میں وہ مؤرخ بھی نظر آتے ہیں اور ماہر لغت بھی۔ ادیب بھی نظر آتے ہیں اور نحوی بھی۔ محدث بھی نظر آتے ہیں اور عالمِ قراءات بھی۔ مزید برآں سہیلی شاعر بھی تھے۔ ان کے دعائیہ اشعار مشہور ہیں۔

ابن دحیہ فرماتے ہیں کہ ''سہیلی نے مجھے اپنے یہ اشعار سنائے اور فرمایا کہ ان اشعار کو پڑھ کر میں نے اللہ تعالیٰ سے جو بھی مانگا مجھے مل کر رہا''۔

يا من يَرى ما في الضمير ويسمع	انت المُعَدُّ لكل ما يتوقع
يا من يُرَجّى للشدائد كلها	يا من اليه المشتكىٰ والمفزع

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

یا من خزائن رزقه فی قول کن	امنن فان الخیر عندک اجمع
مالی سوی قرعی لبابک حیلة	فلئن رُددتُ فایَّ بابٍ اقرع
مالی سوی فقری الیک وسیلة	وبا لافتقار الیک فقری ادفع
من ذا الذی ادعو واهتف باسمه	ان کان فضلک عن فقیرک یمنع
حاشا لمجدک ان تُقَنِّطَ عاصیاً	الفضل أجزل والمواهب أوسع

- اے وہ ذات جو دل میں بھی جھانک لیتی اور دل کی باتیں بھی سن لیتی ہے۔تو ہی تمام توقعات اور آرزوؤں کا مرجع ہے۔
- اے وہ ذات جس سے تمام شدائد میں لَو لگائی جاتی ہے، جس سے فریاد کی جاتی ہے اور جس کی پناہ چاہی جاتی ہے۔
- اے وہ ذات جس کے رزق کے خزانے کلمۂ 'کن' میں پوشیدہ ہیں۔ کرم کر۔تمام خیر صرف تیری بارگاہ میں ہے۔
- تیرا دَر کھٹکھٹانے کے علاوہ میرے پاس کوئی چارہ نہیں ہے۔اگر میں تیرے دَر سے لوٹا دیا جاؤں تو پھر کون سا در کھٹکھٹاؤں گا؟
- تیری محتاجی کے علاوہ میں کوئی ذریعہ نہیں پاتا۔تیرا محتاج بن کر ہی میں اپنا فقر دفع کرسکتا ہوں۔
- اگر تو نے اپنے فقیر ومحتاج پر اپنا فضل نہ فرمایا تو میں کس کو پکاروں گا اور کس کے نام کی دہائی دوں گا؟
- تیری بزرگی کے شایانِ شان نہیں ہے کہ تو کسی گناہ گار کو مایوس کردے۔تیرا فضل بے پایاں ہے اور تیری عطا وبخشش وسیع ہے۔

ابن العماد نے بھی درج بالا اشعار نقل کیے ہیں، پھر لکھا ہے کہ ان کے علاوہ بھی ان کے بہت سے اشعار ہیں۔صفدی نے نکت الہمیان میں اور مقری نے نفح الطیب میں ان کے بعض قطعات درج کیے ہیں۔

سہیلی کی تالیفات پر ایک نظر ڈالنے سے ان کے اخلاقی رجحان کا پتا چل جاتا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہے۔ انھوں نے دین کے لیے اپنی زندگی وقف کردی تھی اور آخری لمحے تک درس و تدریس اور تصنیف و تالیف میں مشغول رہے۔ اسی لیے ان کی نیکی، ورع اور تقویٰ لوگوں کے درمیان معروف تھا۔ وہ بڑے قناعت پسند تھے۔ کفاف پر گزارا کرتے تھے۔

معروف ہے کہ وہ مالکی مسلک پر عامل رہے۔ سترہ سال کی عمر میں نابینا ہوگئے تھے۔ علم القراءات متعدد اہلِ فن سے حاصل کیا اور سیبویہ کی کتاب پر ان سے مناظرہ بھی کیا۔

ابوذر الخشنی

ان کا سلسلۂ نسب یہ ہے: مصعب بن محمد بن مسعود بن عبداللہ بن مسعود الجیانی الخشنی۔ وہ ابن ابی الرکب کے نام سے بھی معروف تھے۔

جیانی جیان کی طرف نسبت ہے۔ یہ اندلس کے ایک وسیع علاقہ کا نام ہے، جس میں بہت سے گاؤں ہیں۔ یہ البیرہ نامی علاقہ سے متصل، جوف کی جانب، قرطبہ کے مشرق میں واقع ہے۔ اس کے اور قرطبہ کے درمیان سترہ فرسخ کا فاصلہ ہے۔ اور خشنی خشین کی جانب نسبت ہے۔ یہ اندلس کا ایک گاؤں تھا، جہاں قبیلہ قضاعہ کی ایک شاخ رہتی تھی۔ اس کے سربراہ کا نام خشین بن النمر بن وبرہ بن تغلب تھا۔

معروف یہ ہے کہ ابوذر نے اپنا بچپن جیان میں گزارا۔ وہیں اپنے والد سے اخذ و سماعت کی۔ پھر جب ان کے والد اپنی زندگی کے آخری ایام میں جیان سے نقلِ مکانی کر کے غرناطہ چلے گئے تو وہ بھی ان کے ساتھ تھے۔ اس وقت ان کی عمر تقریباً دس سال تھی۔ (اس لیے کہ جب ان کے والد کا انتقال ہوا تو ان کی عمر گیارہ سال تھی) پھر انھوں نے فاس کا سفر کیا اور وہاں ابوعبیداللہ النمیریؒ، ابوالحسن بن حسینؒ اور ابوعبداللہ ابن الرمامہؒ سے سماعت کی۔ اس کے بعد تلمسان تشریف لے گئے اور وہاں ابوالقاسم عبدالرحمٰن بن یحییٰ بن الحسن القرشیؒ اور ابومروان عبداللہ بن ہشام الحضرمیؒ سے کسبِ فیض کیا۔ پھر بجایہ کا رخ کیا اور وہاں ابوبکر بن رزقؒ، ابوالعباس الخروبیؒ، ابواسحاق بن ملکونؒ اور ابومحمد عبدالحق بن عبدالرحمٰن الاشبیلیؒ سے علم حاصل کیا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بہ ظاہر معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ تینوں شہروں کا سفر انھوں نے اسی ترتیب سے کیا تھا۔ ابن الآبار نے ان کے شیوخ کا تذکرہ کرتے ہوئے یہی ترتیب رکھی ہے۔ اگرچہ کوئی وجہِ ترجیح موجود نہیں ہے۔ اگر کوئی دوسری ترتیب ہو تب بھی بہر حال اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ابوذر خشنی ان تینوں شہروں میں تشریف لے گئے تھے۔ پھر وہ اشبیلیہ، وہاں کی مسجد کے خطیب کی حیثیت سے تشریف لے گئے اور وہاں ایک عرصہ تک مقیم رہے۔ خطابت کے ساتھ وہ وہاں عربی زبان کی تدریس کی خدمت بھی انجام دیتے تھے اور طلبہ بڑی تعداد میں ان کے پاس استفادہ کے لیے آتے تھے۔ پھر وہ جیّان تشریف لے گئے تو انھیں منصبِ قضا پر فائز کیا گیا۔ وہ وہاں لوگوں کے معاملات کا فیصلہ کرتے اور ان کے نزاعات اور خصومات کا تصفیہ کرتے تھے۔ پھر انھیں دوبارہ فاس کی یاد آئی تو جیّان سے وہاں منتقل ہو گئے۔ وہاں عربی زبان اور حدیث کے استاد تھے۔ وہیں ان کی وفات ہوئی۔

اس تفصیل سے ابوذر خشنی کی یہ شخصیت ابھرتی ہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ علم حاصل کرنے اور اس میں رسوخ پانے کے لیے کوشاں رہتے تھے اور علم کے بڑے مرتبے پر فائز تھے۔ انھوں نے متعدد عہدوں پر رہ کر اپنی ذات سے بہت سے لوگوں کو فائدہ پہنچایا۔ وہ اندلس میں عربی زبان کی ترویج و اشاعت کے علم بردار تھے۔ مختلف ادبیات اور زبانوں سے واقف تھے۔ شاعر اور نقاد تھے۔ عربوں کی تاریخ، واقعات، اشعار اور لغات پر دست رس رکھتے تھے۔ ان کے زمانے میں کوئی شخص ان سے زیادہ مختلف علوم و فنون میں ماہر اور انھیں حفظ کرنے اور ضبطِ تحریر میں لانے والا نہ تھا۔

سوانح نگاروں نے لکھا ہے کہ ان کی بہت سی تصانیف ہیں، لیکن 'شرح غریب سیرۃ ابن اسحاق' (جو طبع ہو چکی ہے) کے علاوہ ان کی اور کوئی کتاب دست یاب نہیں ہے۔ عروض پر ان کی ایک کتاب کا تذکرہ ابن الآبار نے کیا ہے، لیکن اس کا نام نہیں لکھا ہے۔ سیوطی نے 'بغیہ' میں ان کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ 'جمع الجوامع' میں مذکور ہے کہ ان کی تصانیف میں سے ایک 'الاملاء علی سیرۃ ابن ہشام' تھی۔ یہ تمام تصانیف حوادثِ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

زمانہ کی نذر ہوگئیں۔

ابوذر مالکی مسلک پر عمل پیرا تھے۔ باوقار، صاحب مروّت اور حیادار تھے۔ ان کی مجلس بڑی پُر ہیبت رہتی تھی۔ سلف کے طریقہ پر عمل کرنے میں معروف تھے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ وہ اپنے شاگردوں کو زیادہ سوالات کرنے سے منع کرتے تھے۔ ان کے زمانے میں ان سے زیادہ بارعب اور پُر ہیبت کوئی اور شخصیت نہ تھی۔

مستشرق پولس برونل (P.BRONNLE) نے لکھا ہے کہ ابوذر خشنی کی ولادت ۵۳۳ھ (یعنی ان کے والد کی وفات سے گیارہ سال قبل) اور وفات ۶۰۴ھ میں ہوئی۔ ابن الابار نے بھی یہی سنۂ وفات تحریر کیا ہے۔ انھوں نے مزید لکھا ہے کہ ان کی وفات بروز دوشنبہ، ۱۱ر شوال چاشت کے وقت ہوئی اور اسی دن عصر کے وقت عدوۃ القرویین، فاس میں تدفین ہوئی۔ سنۂ ولادت کے بارے میں انھوں نے دو اقوال نقل کیے ہیں۔ ایک ۵۳۵ھ اور دوسرا ۵۳۳ھ، اور اول الذکر کو زیادہ صحیح قرار دیا ہے۔ ابن العماد نے لکھا ہے کہ ابوذر کی وفات ستّر سال کی عمر میں ہوئی۔ اگر یہ بات صحیح ہے اور یہ بھی صحیح ہے کہ ان کی وفات شوال ۶۰۴ھ میں ہوئی تو ان کا سنۂ ولادت ۵۳۵ھ ہی صحیح قرار پاتا ہے۔

مراجع ومصادر

۱- بغیۃ الوعاۃ، جلال الدین سیوطی

۲- البدایۃ والنہایۃ، ابن کثیر

۳- تاریخ آداب اللغۃ العربیۃ، جرجی زیدان

۴- تاریخ بغداد، خطیب بغدادی

۵- تہذیب التہذیب، ابن حجر عسقلانی

۶- حسن المحاضرۃ فی اخبار مصر والقاہرۃ، جلال الدین سیوطی

۷- ضحیٰ الاسلام، احمد امین

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۸- الطبقات الکبریٰ، ابن سعد
۹- عیون الاثر فی فنون المغازی والشمائل والسیر، ابن سید الناس
۱۰- الفہرست، ابن ندیم
۱۱- کشف الظنون، ملا کاتب چلپی
۱۲- الکمال فی معرفۃ الرجال، ابن النجار
۱۳- معجم الادباء، یاقوت حموی
۱۴- معجم البلدان، یاقوت حموی
۱۵- معجم ما استعجم، بکری
۱۶- الوسیط، احمد اسکندری و مصطفیٰ عنانی
۱۷- وفیات الاعیان، ابن خلکان

☆☆☆

www.KitaboSunnat.com

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ابن نفیس کا رسالہ کاملیہ

تعارف و تجزیہ

سیرت نگارانِ رسول کی صف میں شامل ہونا ایک مسلمان کے لیے سعادت کی بات ہے۔ اسی لیے فن سیرت پر کثرت سے کتابیں لکھی گئی ہیں اور مختلف پہلوؤں سے جدت طرازیاں کی گئی ہیں۔ چنانچہ اس فن میں ضخیم اور مفصل کتابیں بھی ہیں اور مختصر بھی۔ بڑوں کے لیے بھی ہیں اور بچوں کے لیے بھی۔ تحقیقی اسلوب میں بھی ہیں اور عوام کے استفادہ کے لیے ہلکے پھلکے اور عام فہم اسلوب میں بھی۔ علمی طرز پر بھی ہیں اور ناول کے طرز پر بھی۔ پھر بھی مولفین سیرت کی طبیعتیں سیر نہیں ہوتیں اور وہ سیرت نگاری کے نئے نئے پہلوؤں کی تلاش میں لگے رہتے ہیں۔ اسی طرح کی ایک کتاب، جو ساتویں صدی ہجری / تیرہویں صدی عیسوی میں سیرت نبوی کے موضوع پر عام اور روایتی ڈگر سے ہٹ کر لکھی گئی تھی، الرسالة الكاملية في السيرة النبوية ہے، جس کے مصنف تاریخ اسلام کے زریں دور کے نام ور طبیب علامہ ابن نفیس قرشی ہیں۔

ابن نفیس۔ مختصر احوالِ زندگی

ابن نفیس کا پورا نام علاؤ الدین ابوالحسن علی بن ابی الحزم القرشی الدمشقی الشافعی ہے۔ ان کا آبائی وطن ماوراء النہر کے علاقے میں قرش نامی ایک قریہ تھا۔ دمشق میں ۶۰۷ھ / ۱۲۱۰ء میں ان کی ولادت ہوئی، وہیں پرورش پائی اور ابتدائی زندگی گزاری۔ یہ سلطان صلاح الدین ایوبی (م ۵۸۹ھ / ۱۱۹۳ء) کے بھائی الملک العادل سیف الدین ایوبی (م ۶۱۵ھ / ۱۲۱۸ء) کا عہد حکومت تھا۔ ابن نفیس نے اپنے وقت کے نام ور علماء سے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مختلف علوم وفنون حاصل کیے۔ پھر طب کی تعلیم مہذب الدین الدخوار (م ۶۲۸ھ/ ۱۲۳۰ء) اور عمران الاسرائیلی (م ۶۳۷ھ/۱۲۳۹ء) جیسے حاذق اطباء سے حاصل کی، جو نورالدین محمود زنگی (م ۵۶۹ھ/۱۱۷۴ء) کے قائم کردہ اسپتال 'بیمارستان نوری' سے وابستہ تھے۔ ۶۳۳ھ/ ۱۲۳۵ء کے آس پاس وہ قاہرہ چلے گئے جہاں بیمارستان ناصری سے وابستگی اختیار کرلی۔ اس اسپتال کو سلطان صلاح الدین ایوبی نے ۵۷۷ھ/۱۱۸۱ء میں قائم کیا تھا۔ ابن نفیس نے اس اسپتال میں عرصہ تک علاج معالجہ کی خدمت انجام دی۔ بعد میں انھیں اس کے قسم الکحالۃ (شعبۂ امراض چشم) کا سربراہ بنادیا گیا تھا۔ ۶۸۲ھ/ ۱۲۸۴ء میں جب سیف الدین قلاوون المنصور (م ۶۸۹ھ/۱۲۹۰ء) نے 'بیمارستان منصوری' قائم کیا تو اس نے ابن نفیس کو اس کا 'رئیس الاطباء' (نگران اعلیٰ) بنا دیا۔ وہ علاج معالجہ کے علاوہ طبی تعلیم وتدریس کی خدمت بھی انجام دیتے تھے۔ چنانچہ بہت سے طلبہ نے میدان طب میں ان سے اکتساب کیا۔

علامہ ابن نفیس کو طب کے علاوہ دیگر علوم میں بھی مہارت حاصل تھی اور وہ ان میں دوسروں کو فیض پہنچاتے رہتے تھے۔ چنانچہ قاہرہ کے مدرسۂ مسروریہ میں، جسے صلاح الدین ایوبی کے ایک معتمد مسرور شمس الغواصی نے قائم کیا تھا، وہ فقہ شافعی کا درس دیتے تھے، مشہور مفسر اور نحوی ابو حیان الاندلسی (م ۷۴۵ھ/ ۱۳۴۴ء) بیان کرتے ہیں کہ ''ہمارے استاذ (ابن نفیس) کو منطق میں مہارت حاصل تھی، اس میں انہوں نے ایک مختصر کتاب تصنیف کی تھی اور میں نے ان سے ابن سینا کی کتاب الھدایۃ فی المنطق پوری پڑھی تھی''۔

ابن نفیس کے معاصرین میں مشہور ماہر نباتات ضیاء الدین ابن بیطار (م ۶۴۶ھ/ ۱۲۴۸ء) السید الاسرائیلی (م ۶۳۶ھ/ ۱۲۳۸ء) اور رشیدالدین ابن ابی حلیقہ (م ۶۶۰ھ/ ۱۲۶۲ء) اور تلامذہ میں ابن فضل اللہ العمری (م ۷۴۹ھ/ ۱۳۴۹ء) السید الدمیاطی الحکیم، ابوالفرج السکندری، ابوالفرج بن صغیر، بدرالدین حسن الرئیس، ابن البرہان الحوائجی اور امین الدولۃ ابن القف (م ۶۷۵ھ/ ۱۲۸۶ء) خصوصیت سے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

قابل ذکر ہیں۔ ان کے گھر میں روزانہ علمی مجلس جمتی تھی، جس میں حکم راں طبقہ کے ممتاز افراد، علماء، اطباء اور شاگردوں کی بڑی تعداد اکٹھا ہوتی تھی۔

وہ بڑے متقی اور پرہیزگار انسان تھے۔ مرض وفات میں بعض دوستوں نے کچھ شراب پی لینے کا مشورہ دیا، اس لیے کہ ان کا خیال تھا کہ وہ جس مرض میں مبتلا تھے، اس میں اس سے کچھ افاقہ ہو جائے گا، مگر انہوں نے سختی سے انکار کیا اور فرمایا: ''میں اللہ تعالیٰ سے اس حال میں نہیں ملنا چاہتا کہ میرے پیٹ میں شراب کا کوئی حصہ ہو''۔

ان کی ذاتی لائبریری میں مختلف علوم وفنون کی قیمتی کتابوں کا بڑا ذخیرہ تھا۔ بیمارستان منصوری قائم ہونے کے بعد انہوں نے نہ صرف اپنی یہ لائبریری، بلکہ اپنا گھر اور زمین جائیداد سب اس کے لیے وقف کر دی تھی۔ انہوں نے شادی نہیں کی تھی۔ اسّی سال کی عمر میں ۶۸۷ھ/۱۲۸۸ء میں وفات پائی۔[1]

---

[1] ابن نفیس کے حالات زندگی کے لیے ملاحظہ کیجیے:

شمس الدین الذہبی، تاریخ الاسلام،

شمس الدین الذہبی، دول الاسلام، دائرۃ المعارف العثمانیہ، ۱۳۳۷ھ۔

ابن العماد الحنبلی، شذرات الذہب فی اخبار من ذہب، مکتبۃ القدسی القاہرۃ، ۱۳۵۱ھ۔

ابن اسعد الیافعی الیمنی، مرآۃ الجنان وعبرۃ الیقظان فی معرفۃ مایعتبر من حوادث الزمان، دائرۃ المعارف العثمانیۃ، حیدرآباد۔ ۱۹۳۹ء۔

جلال الدین السیوطی، حسن المحاضرۃ فی اخبار مصر والقاہرۃ، المطبعۃ الشرفیۃ مصر، ۱۳۲۷ھ۔

ابن فضل اللہ العمری، مسالک الابصار فی ممالک الأمصار۔

ابن تغری بردی، النجوم الزاہرۃ فی ملوک مصر والقاہرۃ، دار الکتب المصریۃ، ۱۳۵۷ھ۔

صلاح الدین الصفدی، الوافی بالوفیات۔

طاش کبری زادہ، مفتاح السعادۃ۔

ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ، دار الریان للتراث القاہرۃ، ۱۹۸۸ء۔

خیر الدین الزرکلی، الاعلام، دار العلم للملایین، بیروت، ۱۹۹۷ء۔

دائرۃ المعارف الاسلامیۃ (اردو)، دانش گاہ پنجاب، لاہور، مقالہ 'ابن نفیس' از ماکس مایرہوف۔

تاج الدین السبکی، طبقات الشافعیۃ الکبری، دار احیاء الکتب العربیۃ، مصر۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

علمی مقام و مرتبہ

علامہ ابن نفیس کو مختلف علوم وفنون اور خاص طور پر طب میں ید طولیٰ حاصل تھا۔ چنانچہ ان کے معاصرین اور بعد کے سوانح نگاروں نے انہیں زبردست خراج تحسین پیش کیا ہے اور ان کے علم وفضل کو سراہا ہے۔ سطور ذیل میں چند اقتباسات پیش کیے جاتے ہیں:

مشہور مورخ طب ابن ابی اصیبعہ (م ۶۶۸ھ/۱۲۷۰ء) جو ان کے رفیق درس اور بعد میں ان کے رفیق کار بھی رہے، رقم طراز ہیں:

"وہ فضل وکمال کے بلند مقام پر تھے، ان کی مثال علوم کے بے پایاں سمندر اور بلند پہاڑ کی تھی۔ انہوں نے القانون کے غوامض کی شرح کی ہے، اگر انہوں نے اس کے علاوہ کوئی دوسرا علمی کام نہ کیا ہوتا تو صرف یہی ان کے انتہائی فضل اور ان کی انفرادیت کی دلیل ہوتا، لیکن اس کے علاوہ بھی تمام اقسام علوم میں ان کی بہت سی تصانیف ہیں جو بہت سے علاقوں میں محققین کے نزدیک مقبول ہیں۔ یہ تصانیف غور وفکر پر مبنی حقائق ودقائق، لطیف اشارات اور خوب صورت تحریروں پر مشتمل ہیں"۔[1]

ابو حیان الاندلسی فرماتے ہیں:

"وہ علم طب کے امام اور یکتائے روزگار تھے، اس میں قدماء کے افکار ونظریات سے استحضار اور دقائق ونکات کے استنباط کے معاملے میں کوئی نہ ان کا مثل تھا، نہ مدمقابل، نہ قریبی حریف"۔[2]

---

[1] ابن ابی اصیبعہ، عیون الانباء فی طبقات الاطباء، مخطوطہ، المکتبۃ الظاہریۃ دمشق، بہ حوالہ الرسالۃ الکاملیۃ فی السیرۃ النبویۃ، لجنۃ احیاء التراث الاسلامی، المجلس الاعلی للشئون الاسلامیۃ مصر، تعلیق و تحقیق عبدالمنعم محمد عمر، ۱۴۰۸ھ/۱۹۸۷ء، طبع دوم، مقدمہ محقق، ص ۲۴۔ عیون الانباء کے مطبوعہ نسخہ میں ابن نفیس کا تذکرہ نہیں ہے۔ اسی بنا پر بعض سوانح نگاروں مثلاً مایرہوف (Maeyerhof) نے لکھا ہے کہ معاصرانہ چشمک اور بعض اختلافات کی وجہ سے ابن ابی اصیبعہ نے جان بوجھ کر ابن نفیس کا تذکرہ نہیں لکھا تھا، لیکن ڈاکٹر یوسف الغش نے المکتبۃ الظاہریۃ میں اس کا ایک قلمی نسخہ دریافت کیا ہے، جس میں ان کا تذکرہ شامل ہے۔ اس سے مذکورہ خیال کی تردید ہوتی ہے۔

[2] بہ حوالہ تاریخ الاسلام للذہبی،

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مشہور مورخ اسلام شمس الدین ذہبی (م ۷۴۸ھ/۱۳۴۸ء) نے لکھا ہے:

''وہ اپنے زمانے کے شیخ الاطباء تھے، انہیں سرزمین مصر میں طب کی سربراہی حاصل تھی۔ ان کے بعد ان جیسا کوئی نہ پیدا ہوا''۔ [1]

متعدد سوانح نگاروں، مثلاً یافعی (۷۶۸ھ/۱۳۶۷ء)، سیوطی (م ۹۱۱ھ/۱۵۰۵ء) اور ابن العماد (م ۹۸۹ھ/۱۶۷۹ء) نے ان کے علم و فضل کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے:

''وہ سرزمین مصر کے بڑے طبیب اور صاحب تصانیف بزرگ تھے۔ ان کا شمار ان لوگوں میں ہوتا تھا جنہیں طب پر ماہرانہ دست رس تھی۔ وہ انتہائی قوی حافظہ اور غیر معمولی ذہانت کے مالک تھے۔ فقہ، اصول فقہ، حدیث، عربی زبان اور منطق میں بھی وہ درک رکھتے تھے''۔ [2]

تاج الدین السبکی نے لکھا ہے:

''جہاں تک طب کا تعلق ہے اس میں ان کی جیسی مہارت اس زمانے میں کسی کو حاصل نہ تھی۔ ابن سینا کے بعد ان جیسا طبیب پیدا نہیں ہوا اور علاج معالجہ کے معاملے میں انہیں ابن سینا پر برتری حاصل تھی''۔ [3]

الاسنوی (م ۷۷۲ھ/۱۳۷۰ء) فرماتے ہیں:

''اپنے فن (یعنی طب) میں وہ مشرق و مغرب میں اپنے وقت کے امام تھے۔ ان کا کوئی مدمقابل نہ تھا، وہ اپنے زمانے کے عجوبہ روزگار تھے۔ انہوں نے فقہ، اصول فقہ، عربی زبان، علم کلام اور معانی و بیان میں کتابیں تصنیف کی ہیں۔ ان کے تلامذہ مختلف علاقوں میں پھیل گئے''۔ [4]

ابن تغری بردی (م ۸۷۴ھ/۱۴۷۰ء) نے لکھا ہے:

---

[1] حوالہ سابق

[2] مرآۃ الجنان، ۴/۲۰۷، حسن المحاضرۃ، ۱/۲۳۳، شذرات الذہب، ۵/۴۰۱

[3] طبقات الشافعیۃ الکبریٰ، ۸/۳۰۵

[4] بہ حوالہ شذرات الذہب، ۵/۴۰۲

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

"وہ حکیم، فاضل، اپنے فن میں علامہ تھے۔ ان کے زمانے میں علاج معالجہ کے میدان میں کوئی ان کا ہم سر نہ تھا۔ انہیں اپنے زمانے میں فن طب میں سربراہی کا مقام حاصل تھا۔ وہ متعدد مفید کتابوں کے مصنف ہیں"۔[1]

طب کے علاوہ فقہ میں بھی علامہ ابن نفیس کو درجۂ کمال حاصل تھا۔ ان کی عظمت کا ثبوت یہ ہے کہ مشہور مورخ اور سوانح نگار تاج الدین السبکی (م ۷۷۱ھ/۱۳۷۰ء) نے ان کا شمار اکابر فقہائے شوافع میں کیا ہے۔ ان کی تصنیف طبقات الشافعیة الکبری میں ابن نفیس کا تذکرہ شامل ہے۔ ان کے بارے میں لکھتے ہیں:

"وہ مسلک شافعی کے فقیہ تھے..... انہوں نے اصول فقہ اور منطق میں کتابیں تصنیف کی ہیں..... خلاصہ یہ کہ انہیں مختلف علوم وفنون میں دست رس حاصل تھی"۔[2]

دورانِ خون رئوی کا محقق

اپنی ایک تحقیق کی وجہ سے طب کی تاریخ میں علامہ ابن نفیس کا نام سنہری حروف سے لکھے جانے کے قابل ہے۔ اس تحقیق کو طبی اصطلاح میں دوران خون رئوی (PULMONARY BLOOD CIRCULATION) یا دوران خون اصغر (LESSER BLOOD CIRCULATION) کا نام دیا گیا ہے۔ اطبائے قدیم یہ سمجھتے تھے (جیسا کہ جالینوس (م ۲۰۰ء) نے خیال ظاہر کیا تھا اور اسی کو الشیخ الرئیس ابن سینا (م ۴۲۸ھ/۱۰۳۷ء) نے بھی دہرایا تھا) کہ قلب کے دونوں بطون (بطن ایمن اور بطن ایسر) کے درمیان ایک آڑ ہوتی ہے، جسے حجاب حاجز کہتے ہیں، اس میں مسامات ہوتے ہیں، جن کے ذریعے خون بطن ایمن سے بطن ایسر میں پہنچتا ہے اور وہاں پھیپھڑوں سے آنے والی ہوا میں اس کی آمیزش ہوتی ہے۔ اسے وہ روح حیوانی کا نام دیتے تھے۔ ابن نفیس نے پورے یقین کے ساتھ اور قطعی الفاظ میں اس کی تردید کی اور کہا کہ دونوں

---

[1] النجوم الزاہرۃ، ۷/۳۷۷

[2] طبقات الشافعیۃ، ۸/۳۰۵

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بطون کے درمیان پایا جانے والا حجاب بہت کثیف ہوتا ہے، اس میں کسی طرح کے مسامات نہیں ہوتے کہ ان سے خون آر پار ہو سکے، بلکہ وہ قلب کے بطن ایمن سے ورید شریانی کے ذریعے پھیپھڑے میں پہنچتا ہے، جہاں ہوا کی آمیزش سے اس کی صفائی ہوتی ہے، پھر وہاں سے وہ شریان وریدی کے ذریعے قلب کے بطن ایسر میں پہنچتا ہے، جہاں سے جملہ اجزائے بدن میں اس کی ترسیل ہوتی ہے۔

یورپ میں یہ تحقیق سولہویں صدی عیسوی میں عام ہوئی۔ سب سے پہلے میگل سرویٹو MIGUEL SERVETO (م ۱۵۵۳ء) نے ۱۵۵۳ء میں اپنے ایک تحقیقی مقالہ میں قلب اور پھیپھڑوں کے درمیان خون کی رگوں کا انکشاف کیا۔ اس کے بعد ریالدو کولمبس REALDO COLOMBO (م ۱۵۵۹ء) نے تشریح (ANATOMY) پر اپنی کتاب میں دوران رُوی کا تذکرہ کیا۔ آخر میں ولیم ہارویے (W. HARVEY) نے ۱۶۲۲ء میں اس نظریہ کو قطعی شکل دی اور تفصیل سے اس کو پیش کیا۔ اسی بنا پر اسے دورانِ خون رُوی کا محقق قرار دیا جانے لگا۔ حالاں کہ یہ تحقیق اس سے تین سو سال قبل ابن نفیس کے ذریعے پیش کی جا چکی تھی۔ ابن نفیس کی اس تحقیق کا علم دنیا کو مصری طبیب ابراہیم القطاوی کے اس تحقیقی مقالہ سے ہوا جسے انہوں نے جرمنی کی ہائڈل برگ یونیورسٹی میں ڈاکٹر آف میڈیسن کی ڈگری حاصل کرنے کے لیے ۱۹۲۴ء میں پیش کیا تھا۔ [1]

---

[1] مستشرق مایرہوف نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ ابن نفیس نے خواہ ساتویں صدی ہجری رتیرہویں صدی عیسوی میں دوران رُوی کی تحقیق پیش کی ہو، لیکن یورپ کے ڈاکٹروں کو اس کی خبر نہ تھی، کیوں کہ ابن نفیس کی کتاب قلمی صورت میں تھی اور اس سے استفادہ عام نہ ہوا تھا۔ لیکن بعض محققین نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ ابن نفیس کی یہ تحقیق مختلف واسطوں سے یورپ میں پہنچ گئی تھی اور اہل یورپ نے حسب عادت اس تحقیق کو کسی مسلمان محقق کی جانب منسوب کرنے کے بجائے اپنی تحقیق کی حیثیت سے پیش کیا ہے۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ کیجیے الرسالۃ الکاملیۃ، مقدمۂ محقق، ص ۶۳-۷۰، الموجز فی الطب، تقدیم وتعلیق ڈاکٹر یحییٰ مراد، دار الکتب العلمیۃ بیروت، ۱۴۲۵ھ/۲۰۰۴ء، مقدمۂ محقق، ص ۸-۲۱۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تصنیف وتالیف

علاج معالجہ اور تعلیم وتدریس کے علاوہ علامہ ابن نفیس کا ایک دل چسپ مشغلہ تصنیف وتالیف کا تھا۔ وہ قدماء کی کتابوں کے مطالعہ کے بہت شوقین تھے۔ ان کی ذاتی لائبریری میں مختلف علوم وفنون کی قیمتی کتابوں کا بڑا ذخیرہ تھا۔ ان کے مطالعہ کے ساتھ وہ اپنے طبی تجربہ اور مریضوں کے مشاہدہ کی روشنی میں ان کا تنقیدی جائزہ لیتے تھے۔ اسی لیے انہوں نے جالینوس، ابن سینا اور دیگر اطباء اور اصحاب علم کی بہت سی آراء پر تنقید کی ہے۔

سوانح نگاروں نے لکھا ہے کہ ابن نفیس تصنیف وتالیف کے دوران کتابوں کو اپنے پیش نظر نہیں رکھتے تھے، بلکہ اپنے حافظہ کی بنیاد پر لکھتے یا املا کراتے تھے۔ حافظ ابن کثیرؒ (م ۷۷۴ھ/۱۳۷۳ء) فرماتے ہیں:

''وہ اپنے حافظہ سے کتابیں تالیف کرتے تھے''۔ [1]

ذہبیؒ نے لکھا ہے:

''انہیں اپنے فن پر اس قدر دست رس تھی کہ اپنی تصانیف حافظہ سے املا کراتے تھے، کتابوں کی طرف رجوع کرنے کی انہیں ضرورت نہیں پڑتی تھی''۔ [2]

موجودہ دور کے محقق خیر الدین الزرکلی (م ۱۳۹۶ھ/۱۹۷۶ء) لکھتے ہیں:

''ان کا طریقۂ تالیف یہ تھا کہ وہ اپنے حافظہ، تجربات ومشاہدات اور استنباطات کی روشنی میں کتابیں لکھتے تھے، بہت کم ایسا ہوتا تھا کہ وہ دوران تالیف دوسری کتابوں کی طرف رجوع کرتے ہوں، یا ان کے اقتباسات نقل کرتے ہوں''۔ [3]

ابن نفیس نے طبی موضوعات پر بھی لکھا ہے اور دیگر علوم وفنون میں بھی خامہ فرسائی کی ہے۔ ان کی تصانیف کا تذکرہ ذیل میں کیا جاتا ہے:

---

[1] ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ، دار الریان للتراث القاہرۃ، ۱۹۸۸ء، ۱۳/۳۳۱۔

[2] ذہبی، بہ حوالہ شذرات الذہب، ۵/۴۰۲

[3] خیر الدین الزرکلی، الاعلام، دار العلم للملایین، بیروت، ۱۹۹۷ء، ۴/۲۷۱

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

(الف) طبی تصانیف

۱-شرح القانون: ابن نفیس کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے ابن سینا کی شہرۂ آفاق تصنیف القانون فی الطب کی، جو پانچ جلدوں پر مشتمل ہے، مکمل شرح کی ہے۔ یوں تو القانون پر بہت کام ہوا ہے اور ہر دور میں اس کی شرح، تلخیص، تحشیہ اور ترجمہ کی خدمت انجام دی گئی ہے، لیکن ابن نفیس اور مغلیہ دور کے طبیب حکیم علی حسین گیلانی (م ۱۰۱۰ھ/۱۶۰۹ء) کے علاوہ کسی کو اس کی مکمل شرح کرنے کی توفیق نہیں ملی ہے۔ ابن نفیس کی شرح میں تحقیقی شان پائی جاتی ہے۔ انہوں نے اس میں بہ کثرت مقامات پر ابن سینا پر نقد کیا ہے۔ اس شرح کے قلمی نسخے دنیا کی مختلف لائبریریوں میں پائے جاتے ہیں۔ ہندوستان میں رضا لائبریری رام پور میں مکمل شرح موجود ہے۔ دیگر لائبریریوں میں بعض جلدیں پائی جاتی ہیں۔ [۱]

۲-موجز القانون: قانون ابن سینا کی شرح کرنے کے علاوہ ابن نفیس نے اس کا خلاصہ بھی تیار کیا تھا جو موجز القانون یا الموجز فی الطب کے نام سے مشہور ہوا۔ اس کی شہرت خود القانون سے کسی درجے میں کم نہیں ہے۔ ابتداء ہی سے یہ طبی نصاب کی ایک اہم کتاب قرار پائی اور اطباء نے اس کے درس، شرح، تحشیہ اور ترجمہ پر اپنی بہترین صلاحیتیں صرف کیں۔ دستیاب معلومات کے مطابق اس کی شرحوں کی تعداد اٹھائیس، حواشی کی تعداد دس اور ترجموں کی تعداد آٹھ ہے۔ اس کے بہت سے مخطوطات دنیا کی مختلف لائبریریوں میں محفوظ ہیں اور بارہا یہ شائع ہوتی رہی ہے۔ ہندوستان میں سب سے پہلے ۱۸۲۸ء میں اس کی اشاعت ہوئی تھی۔ [۲] اس کا ایک تحقیقی ایڈیشن ۱۴۰۶ھ/

---

[۱] تفصیل کے لیے ملاحظہ کیجیے محمد رضی الاسلام ندوی، کلیات طب کے مصادر و مراجع، طبع علی گڑھ، ۱۹۹۵ء، ص ۱۰۲-۱۰۳

[۲] ملاحظہ کیجیے محمد رضی الاسلام ندوی، کتابیات قانون، ڈائمنڈ پرنٹرز دہلی، ۲۰۰۲ء، ص ۲۱-۲۵، کلیات طب کے مصادر و مراجع، ص ۱۰۵-۱۰۷

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۱۹۸۶ء میں لجنة احیاء التراث، المجلس الاعلیٰ للشئون الاسلامیة نے شائع کیا تھا۔ کچھ عرصہ قبل اس کا ایک ایڈیشن ۱۴۲۵ھ/۲۰۰۴ء میں دار الکتب العلمیة بیروت سے یحییٰ مراد کی تقدیم وتعلیق کے ساتھ منظر عام پر آیا ہے۔

۳۔شرح تشریح القانون: القانون میں تشریح (ANATOMY) کے مباحث دو مقامات پر ہیں۔ جلد اول میں فن اول کی تعلیم پنجم کے تحت تشریح اعضاء کا کلی بیان اور جلد سوم میں ہر عضو کو لاحق ہونے والے امراض کے بیان سے قبل اس عضو کی تشریح۔ ابن نفیس نے ان مباحث کو اکٹھا کر کے اس کتاب میں ان کی شرح کی ہے۔ اسی کتاب میں اس نے دوران خون سے متعلق جالینوس اور ابن سینا کے نظریات کا رد کرتے ہوئے دوران خون رئوی سے متعلق اپنی تحقیق پیش کی ہے۔ اس کتاب کے قلمی نسخے دنیا کی مختلف لائبریریوں میں پائے جاتے ہیں۔ ایک نسخہ دار الکتب قاہرہ میں محفوظ ہے۔ اس کے کچھ اجزاء فصول مختارة من شرح تشریح القانون لابن سینا کے نام سے شائع ہوئے ہیں۔

۴۔کتاب الشامل فی الطب: تمام مصادر میں مذکور ہے کہ ابن نفیس اس کتاب کو تین سو جلدوں میں لکھنا چاہتے تھے، ان میں سے اسی جلدیں وہ لکھ چکے تھے کہ انتقال ہو جانے کی وجہ سے یہ کام ادھورا رہ گیا۔ تحریر کردہ حصہ ان کی ذاتی لائبریری میں محفوظ تھا، جسے انہوں نے بیمارستان منصوری کو وقف کر دیا تھا، لیکن بعد میں یہ جلدیں بھی محفوظ نہ رہ سکیں۔ زرکلی نے لکھا ہے کہ اس کی ایک ضخیم جلد مکتبہ ظاہریہ دمشق میں موجود ہے[1]۔ دار الکتب قاہرہ اور بودلیانہ لائبریری میں اس کے چند اجزاء پائے جاتے ہیں۔

۵۔شرح مبادی البقراط: اس کے قلمی نسخے دنیا کی بہت سی لائبریریوں میں موجود ہیں۔ ۱۲۹۸ھ/۱۸۸۱ء میں ایران سے شائع بھی ہو چکی ہے۔

۶۔شرح فصول البقراط: اس کے بہت سے قلمی نسخے پائے جاتے ہیں۔ ایک نسخہ دار الکتب قاہرہ میں اور ایک ایا صوفیا لائبریری استنبول میں موجود ہے۔ ۱۲۹۸ھ/

[1] الاعلام، ۴/۲۷۱

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۱۸۸۱ء میں ایران سے طبع ہوئی ہے۔ ہندوستان سے بھی اس کی اشاعت عمل میں آئی ہے۔

۷- رسالۃ فی منافع الاعضاء: اس کا قلمی نسخہ دار الکتب قاہرہ میں موجود ہے۔

۸- المہذب فی الکحل: اس کا ایک نسخہ مکتبہ ظاہریہ دمشق میں اور دوسرا ویٹیکن لائبریری میں موجود ہے۔

۹- شرح تقدمۃ المعرفۃ لابقراط: اس کا قلمی نسخہ دار الکتب قاہرہ میں موجود ہے۔

۱۰- شرح ادویۃ ابقراط: اس کا قلمی نسخہ ایا صوفیا لائبریری استنبول میں موجود ہے۔

۱۱- شرح کتاب المسائل لحنین بن اسحاق: اس کا قلمی نسخہ لیدن لائبریری میں موجود ہے۔

۱۲- بغیۃ الفطن من علم البدن: اس کا قلمی نسخہ ویٹیکن لائبریری میں موجود ہے۔

سوانح نگاروں نے ان کے علاوہ اور بھی تصنیفات کے نام تحریر کیے ہیں، لیکن ان کے کسی لائبریری میں محفوظ ہونے کی خبر نہیں ہے۔

(ب) دیگر علوم کی تصانیف

دیگر علوم وفنون میں ابن نفیس کی متعدد تصانیف کا تذکرہ سوانح نگاروں نے کیا ہے، مگر ان میں سے بیش تر کے کہیں موجود ہونے کی کچھ خبر نہیں ہے۔ مثلاً انہوں نے فقہ میں شافعی فقیہ فیروز آبادی شیرازی (م ۴۷۶ھ/۱۰۸۳ء) کی کتاب التنبیہ، فلسفہ میں ابن سینا کی کتاب الاشارات اور منطق میں ان ہی کی کتاب الھدایۃ کی شرح کی تھی۔ اسی طرح لغت وبیان میں ان کی ایک کتاب طریق الفصاحۃ کا تذکرہ ملتا ہے۔ مگر ان کتابوں کا کچھ اتا پتا نہیں۔ ان کی دستیاب کتابوں میں سے ایک مختصر فی علم أصول الحدیث ہے، جو دار الکتب قاہرہ میں محفوظ ہے اور دوسری الرسالۃ الکاملیۃ فی السیرۃ النبویۃ ہے، جو طبع ہو چکی ہے۔

آئندہ سطور میں اسی کتاب کا مطالعہ وتجزیہ پیش کیا جا رہا ہے:

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

الرسالة الكاملية فى السيرة النبوية

اس کتاب کے صرف دو قلمی نسخوں کا علم ہو سکا ہے۔ ایک دار الکتب قاہرہ میں ہے اور دوسرا مکتبہ مصطفیٰ آفندی استنبول میں۔ یہ کتاب چار فنون پر مشتمل ہے۔ اس اعتبار سے استنبول کا نسخہ مکمل ہے، جب کہ قاہرہ کا نسخہ ناقص ہے۔ اس میں صرف ابتدائی تین فنون پائے جاتے ہیں۔

مستشرق یوسف شاخت (JOSYPH SCHACHT) (م ۱۳۹۰ھ/۱۹۷۰ء) اور ماکس مایرہوف (MAX MAEYER HOF) (م ۱۳۶۴ھ/۱۹۴۵ء) نے استنبول کے نسخے کو ایڈٹ کیا اور اس کے ملخص انگریزی ترجمہ کے ساتھ اسے آکسفورڈ سے شائع کیا[1]۔ مشرق میں اس کی اشاعت دونوں قلمی نسخوں کی روشنی میں اسے ایڈٹ کر کے، جامع ازہر مصر میں السیرۃ والسنۃ النبویۃ کے موضوع پر چوتھی عالمی کانفرنس (صفر ۱۴۰۶ھ/نومبر ۱۹۸۵ء) کے انعقاد کی مناسبت سے اس وقت کے شیخ الازہر الشیخ جاد الحق علی جاد الحق کی دل چسپی سے عمل میں آئی۔ اس کا دوسرا ایڈیشن ۱۴۰۸ھ/۱۹۸۷ء میں مزید تنقیح و اضافہ کے ساتھ لجنۃ احیاء التراث الاسلامی، المجلس الاعلی للشئون الاسلامیۃ، وزارۃ الاوقاف مصر کی جانب سے منظر عام پر آیا ہے۔ تحقیق و تعلیق کی خدمت عبد المنعم محمد عمر نے انجام دی ہے اور مراجعہ کا کام ڈاکٹر احمد عبد المجید ہریدی نے کیا ہے۔ فاضل محقق نے شروع میں دو بحثوں کا اضافہ کیا ہے، جن میں صاحب کتاب کے حالات و سوانح پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے اور کتاب کا مبسوط تجزیہ کیا ہے۔ یہی ایڈیشن راقم السطور کے پیش نظر ہے۔

بعض مصادر میں ابن نفیس کی تصنیفات کی فہرست میں ایک کتاب کا نام فاضل بن ناطق ملتا ہے۔ حقیقت میں وہ یہی رسالۂ کاملیہ ہے۔ اس کا راوی فاضل بن ناطق کامل نامی ایک شخص کا قصہ بیان کرتا ہے کہ وہ کیسے پیدا ہوا؟ کس طرح پلا بڑھا؟ کیسے اس نے حواس کے ذریعے مختلف قوائے جسمانیہ کی معلومات حاصل کیں؟ پھر کس

---

[1] جارج سارٹن، الشرق الأوسط فی مولفات الامریکیین، بحوالہ الرسالۃ الکاملیۃ، مقدمۂ محقق، ص ۱۵

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

طرح اللہ سبحانہ کی ذات وصفات، نبوت کی ضرورت، خاتم النبیین ﷺ کے حالات زندگی اور تعلیمات، پھر اخروی زندگی سے متعلق معلومات حاصل کیں اور استنباطات کیے؟ راویٔ قصہ کا نام فاضل بن ناطق رکھ کر ابن نفیس یہ کہنا چاہتے ہیں کہ یہ راوی بڑے علم وفضل والا ہے اور اس نے منطقی سوچ اپنے باپ سے وراثت میں پائی ہے۔ قصہ کے مرکزی کردار (ہیرو) کا نام کامل تجویز کر کے وہ اس جانب اشارہ کرنا چاہتے ہیں کہ وہ ایسا انسان ہے جسے اللہ نے اوصاف حمیدہ اور عقل تام سے نوازا ہے۔ اس رسالہ میں اس کے علاوہ اور کوئی 'رمز' نہیں ہے، نہ اس میں فلسفیانہ اور صوفیانہ اصطلاحات کا استعمال ہوا ہے۔ کتاب کے مرکزی کردار کا نام کامل ہے اور اس کے چار فنون میں سے دو سیرت نبوی ﷺ سے متعلق ہیں۔ اسی لیے اس کا نام الرسالة الكاملية في السيرة النبوية رکھا گیا ہے۔

مقصد تالیف

یہ رسالہ بنیادی طور پر سیرت نبوی سے متعلق ہے، لیکن اس میں علم الکلام کے بعض اہم موضوعات بھی زیر بحث آئے ہیں۔ ابن نفیس نے بہت آسان اور عام فہم انداز میں اہل اسلام کی آراء پیش کی ہیں اور منحرف فلسفیانہ افکار کا رد کیا ہے۔ اس رسالہ کے ذریعے ان کا مقصد مذہب اور فلسفہ کے درمیان ہم آہنگی دکھانا تھا۔ انہوں نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ عقل انسانی خالص منطقی انداز میں غور وخوض کر کے اور بغیر کسی واسطے کے، اللہ تعالیٰ کے وجود، انبیائے کرام کی بعثت اور خاتم النبیین کی ضرورت کا استنتاج کر سکتی ہے۔ اسی طرح وہ اس بات پر بھی قادر ہے کہ آخری نبی کی سیرت (ولادت، ہجرت، جہاد، وفات وغیرہ) اور تعلیمات (عبادات، شریعت، معاملات وغیرہ) کا ٹھیک ٹھیک اندازہ کر سکے۔

اس رسالہ کا تعارف کراتے ہوئے صلاح الدین الصفدی (م ۷۶۴ھ/۱۳۶۳ء) نے لکھا ہے:

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

''ابن نفیس نے اس میں نبوتوں، شرائع، بعثت جسمانی اور فنائے دنیا کے موضوعات پر اہل اسلام کے مسلک اور ان کی آراء کی حمایت کی ہے۔ میری جان کی قسم، انہوں نے اس میں بڑی جدت طرازیاں کی ہیں۔ اس رسالہ سے ان کی قادر الکلامی، صحت ذہن اور علوم عقلیہ پر دست رس کا اظہار ہوتا ہے''۔[1]

دیگر ہم موضوع رسائل سے موازنہ

موضوع، مشتملات اور اسلوب کے لحاظ سے ابن نفیس کے اس رسالہ کے مثل دو اور حضرات نے رسالے لکھے ہیں۔ وہ ہیں ابن سینا اور ابن طفیل (م ۵۸۱ھ/۱۱۸۵ء)، دونوں کے رسالوں کا نام رسالة حي بن يقظان ہے۔ ابن نفیس نے ان میں سے کس رسالہ کا معارضہ کیا ہے؟ محققین اس معاملے میں مختلف الرائے ہیں۔

صفدی نے لکھا ہے کہ ابن نفیس نے اس میں ابن سینا کے رسالة حي بن يقظان کا معارضہ کیا ہے۔ ابن سینا کا رسالہ بہت مختصر اور مغلق و غامض عبارتوں میں تھا۔ چنانچہ ان کے شاگردوں ابو منصور الحسین بن زبلہ اور ابو عبید جوزجانی نے اس کی شرحیں کی تھیں اور خود ابن سینا نے اس کی شرح لکھی تھی۔[2]

مستشرق یوسف شاخت اور ماکس مایرہوف اس سے اختلاف کرتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ ابن نفیس کا یہ رسالہ ابن سینا کے رسالے کے بجائے ابن طفیل کے رسالہ سے مشابہت رکھتا ہے۔ اسی لیے ان حضرات نے ان دونوں رسالوں کا موازنہ کیا ہے۔ انہوں نے ابن سینا اور ابن طفیل کے رسالوں کے درمیان کسی تعلق کا اظہار نہیں کیا ہے۔[3]

الف- موازنہ رسالة كامليه و رسالة حي بن يقظان (ابن سينا):

---

[1] صلاح الدین الصفدی، الوافی بالوفیات

[2] ابن سینا کی شرح کا قلمی نسخہ انگلینڈ کی ایک لائبریری میں محفوظ تھا۔ مولانا محمد صغیر حسن معصومی نے اس کی تحقیق کی ہے اور مجلہ المجمع العلمی دمشق میں اس کی اشاعت ہوئی ہے۔

[3] الرسالة الكاملية، ص ۱۵، مقدمہ محقق

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ابن نفیس اور ابن سینا کے رسالوں کے موازنہ کا خلاصہ درج ذیل نکات کی صورت میں بیان کیا جاسکتا ہے:

۱- دونوں میں قصصی اسلوب پایا جاتا ہے۔ ابن سینا کے رسالے میں راوئ قصہ اپنے دوستوں کے ساتھ ایک تفریح گاہ میں پہنچتا ہے، جہاں اس کی ملاقات ایک بزرگ سے ہوتی ہے۔ وہ لوگ اس سے مختلف سوالات کرتے ہیں جن کے وہ جواب دیتا ہے۔ یہ جوابات ابن سینا کی فلسفیانہ آراء پر مبنی ہیں۔

۲- ابن سینا کا پورا رسالہ رمزیہ ہے۔ اس نے بزرگ سے عقل انسانی اور راوئ قصہ اور اس کے رفقاء کے ساتھ اس بزرگ کے بحث ومباحثہ سے انسان کی عقل اور اس کی شہوات کے درمیان ہونے والی کشاکش مراد لی ہے۔ اسی طرح کے دیگر رموز ہیں، جب کہ ابن نفیس کے رسالے میں کوئی رمز نہیں ہے۔

۳- ابن سینا کا رسالہ اس کی فلسفیانہ اور صوفیانہ آراء پر مبنی ہے، جن میں سے بہت سی آراء صحیح دینی عقائد سے ٹکراتی ہیں، مثلاً ابن سینا کے نزدیک عقل انسانی اپنی کاوش سے اللہ سبحانہ کی معرفت اور تعلیمات انبیاء تک رسائی حاصل کرسکتی ہے۔ گویا انبیاء نے جو تعلیمات پیش کیں وہ ان کی عقلی کاوش کا نتیجہ تھیں۔ اسی طرح اس کے نزدیک انسان روحانی ریاضت اور مجاہدۂ نفس کرکے ماوراء الطبیعۃ کی معلومات حاصل کرسکتا ہے۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ نبوت وہبی نہیں بلکہ اکتسابی ملکہ ہے۔ اسی طرح اس نے بعث جسمانی کا انکار کیا ہے۔ ابن نفیس نے اپنے رسالے میں ان افکار کا معارضہ کیا ہے اور اپنی آراء کو اسلام کے بنیادی عقائد کے تابع رکھا ہے۔[1]

(ب) موازنہ رسالۂ کاملیہ ورسالۂ حی بن یقظان (ابن طفیل):

ابن نفیس اور ابن طفیل کے رسالوں میں اشتراک واختلاف کے متعدد پہلو ہیں:

۱- دونوں میں ایک انسان ایک دور دراز ویران جزیرہ میں عناصر کی مخصوص

---

[1] تفصیل کے لیے ملاحظہ کیجیے الرسالۃ الکاملیۃ، مقدمۂ محقق کی بحث 'معارضۃ ابن النفیس قصۃ حی بن یقظان للشیخ الرئیس ابن سینا، ص ۷۹-۸۶

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ترتیب وترکیب سے پیدا ہوتا ہے اور اپنے ذہن سے کائنات کے طبیعیاتی، فلسفیانہ اور مذہبی حقائق کی معرفت حاصل کرتا ہے۔

۲- ابن طفیل کے ہیرو کی دیکھ بھال بچپن میں ایک ہرنی کرتی ہے، جب کہ ابن نفیس کا ہیرو تنہا پرورش پاتا ہے۔

۳- ابن طفیل کا ہیرو آگ استعمال کرنا، کھانا پکانا اور کپڑے پہننا خود سے سیکھتا ہے، جب کہ ابن نفیس کا ہیرو ان چیزوں کو ان لوگوں سے سیکھتا ہے جو اچانک اس جزیرے پر آ گئے تھے۔

۴- ویران جزیرہ پر دوسرے انسانوں کی آمد کو دونوں مولفین نے استعمال کیا ہے، لیکن مختلف اغراض سے۔ ابن طفیل انہیں ان باتوں کی سچائی پر گواہ بناتے ہیں جن کی دریافت ان کے ہیرو نے اپنے ذاتی غور وخوض سے کی تھی اور ابن نفیس انہیں ذریعہ بناتے ہیں اپنے ہیرو کے، باہر کی دنیا میں نکلنے کا، جہاں اس کے مشاہدہ کا دائرہ وسیع ہوتا ہے اور ان چیزوں کی تصدیق ہوتی ہے جن کی معرفت اس نے اپنے ذاتی غور وخوض سے حاصل کی تھی۔

۵- ابن طفیل کا رسالہ صوفیانہ غور وخوض کو ظاہر کرتا ہے، جب کہ ابن نفیس کا میلان تعقل وفلسفہ کی جانب ہے۔[1]

مشتملات

ابن نفیس کا یہ رسالہ چار فنون پر مشتمل ہے:

فن اول: اس چیز کا بیان کہ کس طرح کامل نامی ایک انسان پیدا ہوا اور اس نے علوم اور نبوتوں کی معرفت حاصل کی۔

فن دوم: اس چیز کا بیان کہ کس طرح اس نے سیرت نبوی ﷺ کی جانکاری حاصل کی۔

---

[1] تفصیل کے لیے ملاحظہ کیجیے الموجز فی الطب، مقدمہ محقق، ص ۴۳-۴۴

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

فن سوم: اس چیز کا بیان کہ کس طرح اس نے سنن شرعیہ کی جانکاری حاصل کی۔

فن چہارم: اس چیز کا بیان کہ کس طرح اس نے ان واقعات کی جانکاری حاصل کی جو خاتم النبیین ﷺ کی وفات کے بعد پیش آئے۔

فن اول: اس فن میں تین فصلیں ہیں۔

پہلی فصل میں ابن نفیس نے بیان کیا ہے کہ کس طرح کامل نامی ایک انسان عناصر کی مخصوص ترکیب کے نتیجے میں پیدا ہوا۔ انہوں نے لکھا ہے کہ ایک جزیرہ میں جہاں ہوا معتدل اور درختوں اور پھلوں کی بہتات تھی، زبردست سیلاب آیا۔ اس کے نتیجے میں مختلف مزاجوں کی مٹیوں کا آمیزہ اس جزیرہ کے ایک غار میں بھر گیا۔ وہ آمیزہ حرارت کے نتیجے میں پکتا رہا۔ یہاں تک کہ اس کا مزاج اعتدال سے بہت قریب ہو گیا اور اس کے قوام میں لزوجت پیدا ہو گئی، جس سے اعضاء بن سکیں۔ اس مٹی سے اٹھنے والے بخارات میں بعض لطیف ہوائی اجزاء تھے، ان سے روح انسانی بن گئی اور ایک انسان وجود میں آ گیا۔ یہ اسی طرح ہوا جس طرح انڈے سے بچہ نکل آتا ہے۔ یہ بچہ بڑی جسامت اور قوی ادراک کا مالک تھا۔ (ص ۱۵۱-۱۵۳)

دوسری فصل میں ابن نفیس نے اس سے بحث کی ہے کہ کس طرح کامل نے مختلف علوم کی جانکاری حاصل کی۔ انہوں نے بیان کیا ہے کہ کامل جب غار سے نکلا تو اس نے فضا، روشنی اور درخت دیکھے، پرندوں کی چہچہاہٹ، سمندر کے پانی کی آواز اور ہواؤں کی سرسراہٹ سنی، پھولوں کی خوش بو سونگھی، پھلوں کے ذائقے چکھے، ہوا کی گرمی اور ٹھنڈک محسوس کی وغیرہ۔ اس طرح بیرونی دنیا سے اس کا اولین رابطہ اپنے حواس خمسہ کے ذریعے ہوا۔ اس کے بعد جلد ہی وہ مختلف تجربات کرنے لگا۔ چنانچہ وہ جن حیوانات کو پکڑ لیتا یا انہیں مردہ پاتا ان کے پیٹ چاک کر ڈالتا۔ یہ کام وہ اپنے ناخنوں اور دھاردار پتھروں سے انجام دیتا تھا۔ اس طرح اس نے اعضاء کے منافع و افعال سے واقفیت حاصل کی اور جان لیا کہ حیوانات و نباتات کے تمام اجزاء کا وجود بعض مقاصد کے لیے ہے اور ان کے بعض منافع ہیں۔ ان میں سے کسی کی منفعت نہ معطل ہے نہ اس کا وجود بے کار ہے۔ پھر اس نے ان موجودات کے بارے میں غور کیا کہ وہ اپنے آپ وجود میں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

آ گئی ہیں یا کسی نے انہیں وجود بخشا ہے؟ اگر انہیں کسی نے وجود بخشا ہے تو وہ کون ہے اور اس کا کیا حال ہے؟ اس طرح اس نے ذاتی غور وخوض کے ذریعے جان لیا کہ ان چیزوں کو وجود بخشنے والی ذات واجب الوجود ہے۔ (ص ۱۵۴-۱۵۹)

تیسری فصل کی ابتداء میں ابن نفیس نے تمدن سے بحث کی ہے۔ لکھا ہے کہ ''اتفاقاً ایسا ہوا کہ ہواؤں کے تھپیڑوں سے اس جزیرہ کے ساحل پر ایک کشتی آ لگی، جس میں بہت سے تاجر پیشہ افراد اور دوسرے لوگ تھے۔ کشتی میں جو ٹوٹ پھوٹ ہو گئی تھی اس کی اصلاح کے لیے وہ لوگ اس جزیرہ میں کچھ دن رہے۔ وہ پورے جزیرہ میں گھوم پھر کر آگ جلانے کے لیے لکڑیاں اور کھانے کے لیے پھل چننے لگے۔ کامل نے انہیں دیکھا تو ان سے ڈرا۔ ان لوگوں نے اس کے سامنے روٹی اور کھانا ڈالا، جسے کامل نے کھایا تو اسے بہت اچھا لگا۔ اس لیے کہ اس سے قبل اس نے کبھی پکا ہوا کھانا نہیں کھایا تھا۔ پھر وہ ان سے اور مانوس ہوا تو انہوں نے اسے کپڑا پہنایا اور بول چال سکھائی۔ اس طرح اس نے ان سے بہت کچھ سیکھا۔ ان لوگوں نے اسے اپنے شہروں کے حالات بتائے تو اسے بہت تعجب ہوا۔ اس لیے کہ وہ سمجھتا تھا کہ پوری دنیا بس یہی جزیرہ ہے۔ اس نے ان کے ساتھ سفر کرنے کی خواہش کی تو وہ اسے اس جزیرہ کے قریبی شہر میں لے گئے، جہاں اس نے وہاں کے لوگوں کے کھانے کھائے اور ان کے لباس پہنے تو اسے خوب لذت محسوس ہوئی اور ساتھ زندگی کی کلفتیں یاد آئیں۔ تب اسے معلوم ہوا کہ انسان چونکہ مصنوعی غذا اور مصنوعی لباس کا ضرورت مند رہتا ہے، اس لیے تنہا رہنے کی صورت میں اس کی زندگی میں خوش گواری نہیں آتی، بلکہ ضروری ہے کہ وہ تمدن پسند ہو، جماعت کے ساتھ رہے، ان میں سے کوئی کھیت جوتے، کوئی بوئے، کوئی روٹی پکائے، کوئی کپڑا سیے۔ (ص ۱۶۰-۱۶۱)

آگے ابن نفیس نے ایک قدم اور بڑھاتے ہوئے ضرورتِ نبوت کی دلیل پیش کی ہے۔ لکھا ہے: ''پھر کامل نے سوچا کہ انسان کی معیشت میں بہتری کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ اس کے ذریعے بیع واجارہ کے معاملات انجام پائیں۔ ان معاملات میں بسا اوقات تنازعات پیش آ سکتے ہیں۔ ہر آدمی یہ سوچ سکتا ہے کہ وہ حق پر اور دوسرا برسرِ غلط ہے۔ اس

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بنا پر انسانوں کی معیشت میں بہتری اسی صورت میں آسکتی ہے جب ان کے درمیان ایک محفوظ شریعت ہو، جو ان کے باہمی تنازعات ختم کرنے والی ہو اور وہ شریعت ایسی ہو جس کی تمام لوگ اطاعت کرتے ہوں اور ان کے درمیان اسے قبول عام حاصل ہو۔ اور یہ اسی صورت میں ممکن ہے جب اس کے بارے میں ان کا یہ عقیدہ ہو کہ وہ اللہ کی طرف سے ہے۔ اور اس کا امکان اسی صورت میں ہے جب اسے کوئی ایسا شخص پیش کرے جس کی لوگ تصدیق کریں کہ واقعی وہ اسے اللہ کی طرف سے پیش کر رہا ہے۔ ساتھ ہی یہ بھی ضروری ہے کہ اس شخص سے معجزہ کا ظہور ہو، تاکہ لوگوں کو احساس ہو کہ وہ جو کچھ پیش کر رہا ہے وہ جھوٹ اور من گھڑت نہیں ہے، بلکہ برحق اور من جانب اللہ ہے۔ ایسا شخص نبی ہوگا اور محال ہے کہ ایسے شخص کا فائدہ عام ہونے کے باوجود اللہ تعالیٰ اسے پیدا نہ کرے۔ (ص ۱۶۱-۱۶۲)

آخر میں نبوت کے تسلسل، پھر ختم نبوت کا تذکرہ ہے:

''اسی طرح ضروری ہے کہ پے در پے انبیاء آئیں، تاکہ ہر نسل کے لوگوں کی مذہبی ضروریات کی تکمیل ہو، یہاں تک کہ خاتم النبیین کی بعثت ہو اور وہ ان میں سب سے افضل ہوں، اس لیے کہ ان کے بعد نبوت کا سلسلہ منقطع ہے، اس لیے ضروری ہے کہ وہ ایسی تمام چیزیں پیش کریں، جن کی نبوت کے فائدہ کی تکمیل کے لیے ضرورت ہے''۔ (ص ۱۶۴-۱۶۵)

فن دوم

اس فن کو ابن نفیس نے خاتم النبیین ﷺ کی سیرت کے لیے خاص کیا ہے اور اس میں دس فصلوں کے تحت آپؐ کے نسب، وطن، پرورش، ہیئت، عمر اور اولاد وغیرہ کا تذکرہ کیا ہے۔ انہوں نے اس میں ذکر کیا ہے کہ کس طرح کامل نے محض عقلی غور و خوض کے ذریعے خاتم النبیین ﷺ کے اوصاف معلوم کیے۔ ابن نفیس نے کامل کی زبانی کس طرح خاتم النبیین ﷺ کے احوال بیان کیے ہیں، اس سلسلے میں چند مثالیں درج ذیل ہیں:

نسب کے بارے میں لکھا ہے:

''ضروری ہے کہ یہ نبی بہت زیادہ شریف النسب ہو، تاکہ لوگ اس کی بات سنیں اور

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سب سے زیادہ شرافت نسبی مذہبی لوگوں کو حاصل ہوتی ہے اور ان میں بھی سب سے افضل وہ نبی ہے جس کی تعظیم پر تمام ملتیں متفق ہوں اور یہ نبی حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں۔ اس لیے ضروری ہے کہ خاتم النبیین ﷺ کی نسبت ان کی طرف ہو۔ اسی طرح ضروری ہے کہ یہ نبی اپنی ملت کے علاوہ کسی اور ملت کی طرف منسوب نہ ہو، یعنی نہ یہودی ہو نہ نصرانی، ورنہ اسے لوگ مبتدع اور کافر سمجھیں گے اور اس سے نفرت کریں گے۔ اس لیے جائز نہیں کہ اس کی نسبت حضرت یعقوب علیہ السلام یا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف ہو، بلکہ ضروری ہے کہ وہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی نسل سے ہو اور ان کی نسل میں سب سے اشرف بنو ہاشم تھے۔ اس لیے ضروری ہے کہ وہ ان میں سے ہو"۔ (ص ۱۶۹-۱۷۱)

خاتم النبیین ﷺ کے وطن کے بارے میں لکھا ہے:

"دیہاتوں اور صحراء میں رہنے والوں کی عقلیں اور ان کی آراء شہروں میں رہنے والوں کے مقابلے میں ناقص ہوتی ہیں۔ اس لیے ضروری ہے کہ یہ نبی شہر والوں میں سے ہو اور شہر مختلف اعتبارات سے ایک دوسرے سے برتر ہوتے ہیں، مثلاً ہوا کا اعتدال، نرخوں کی بہتری، پھلوں کی کثرت، پانی کی زیادتی وغیرہ۔ البتہ لوگوں کے دلوں میں کسی شہر کی مذہبی عظمت ان چیزوں کی وجہ سے ہوتی ہے جن سے وہ شہر قابل ترجیح قرار پاتا ہے۔ خاص طور پر اگر وہاں کوئی بڑا عبادت خانہ ہو۔ اور سب سے افضل اور سب سے قدیم عبادت خانہ البیت العتیق ہے۔ اس لیے کہ وہ "پہلا گھر ہے جسے لوگوں کے لیے بنایا گیا تھا" اس لیے ضروری ہے کہ خاتم النبیین ﷺ کی جائے پیدائش مکہ ہو"۔ (ص ۱۷۲-۱۷۳)

آپ کی ابتدائی زندگی کے بارے میں لکھا ہے:

"ضروری ہے کہ نبی ﷺ کے باپ کا انتقال پہلے ہو، پھر آپ کی ماں وفات پائیں اور آپ کو آپ کی ماں کے علاوہ کوئی دوسری عورت دودھ پلائے، اس کے بعد آپ کے دادا اور متعدد چچا آپ کی پرورش کریں۔ یہ سب اس لیے تاکہ مختلف مربیّن کی تاثیر سے آپ کا مزاج معتدل ہو جائے"۔ (ص ۱۷۷-۱۷۹)

ہجرت اور مقام ہجرت کے بارے میں لکھتے ہیں:

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

''یہ بات قرین عقل نہیں تھی کہ نبی ﷺ کا مکہ سے نکلنا اختیاری ہو، بلکہ ضروی تھا کہ وہ اضطراری حالت میں ہو، اور یہ بات بھی قرین عقل نہیں تھی کہ ایسا آپؐ کی جلا وطنی یا جنگ میں شکست کے نتیجے میں ہو، اس لیے کہ ایسا عظیم انسانوں کے شایان شان نہیں ہوتا، اس لیے آپ کی ہجرت کی صورت یہ ہوئی کہ کفار نے آپؐ کو خفیہ طور پر قتل کرنے کی سازش کی۔ پھر آپ کی ہجرت کس شہر کی طرف ہو؟ یقیناً اس شہر کی طرف جس میں آپؐ کے والد کا انتقال ہوا تھا، تاکہ جب آپ کا انتقال ہو تو آپ کی قبر آپ کے والد کی قبر سے قریب ہو، یعنی آپ کی ہجرت یثرب کی طرف ہو''۔ (ص ۱۷۴-۱۷۶)

نبی ﷺ کی عمر کے بارے میں لکھا ہے:

''رہی اس نبی کی عمر تو ضروری ہے کہ آپ عمر کہولت کو پورا کریں، تاکہ اس زمانے میں آپ کو نبوت حاصل ہو۔ اور ضروری ہے کہ شیخوخت (جس میں سٹھیاپن اور کم عقلی کی علامت ظاہر ہو جاتی ہیں) کے استحکام سے قبل آپ کی وفات ہو جائے۔ اور ایسا معتدل المزاج ابدان میں باسٹھ تریسٹھ سال کے بعد ہوتا ہے''۔ (ص ۱۸۴)

خاتم النبیین ﷺ کی جائے وفات کے بارے میں لکھتے ہیں:

''اگر نبی ﷺ کی وفات مکہ میں ہوتی اور وہیں آپ کو دفن کر دیا جاتا تو آپؐ کی زیارت خانہ کعبہ کی زیارت کے ماتحت ہوتی اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ لوگ گمان کرنے لگتے کہ حج صرف خانہ کعبہ کے لیے ہے اور وہ نبی ﷺ اور آپ کی شریعت کو بھول جاتے، اس لیے مناسب تھا کہ آپ کی قبر کسی دوسرے شہر میں ہو، تاکہ اس کا سفر بالقصد کیا جائے، اس طرح آپ کی عظمت قائم و دائم رہے''۔ (ص ۱۷۳-۱۷۴)

آپ کی آل و اولاد کے بارے میں لکھتے ہیں:

''چوں کہ اس نبی کا مزاج معتدل ہے، اس لیے ضروری ہے کہ آپ کے بیٹے اور بیٹیاں دونوں ہوں۔ اور ضروری ہے کہ بیٹوں کی عمریں زیادہ نہ ہوں۔ اس لیے کہ اگر ان کی عمریں زیادہ ہوتیں اور وہ نبوت کی عمر کو پہنچ جاتے، تب یا تو وہ نبی ہوتے یا نہ ہوتے، نبی ہونا ان کے لیے ممکن نہ تھا، اس لیے کہ ان کے باپ خاتم النبیین تھے اور نبی نہ ہوتے تو یہ چیز ان کے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

باپ کے مقام و مرتبہ کو کم کرنے والی ہوتی، اس لیے کہ بہت سے انبیاء ایسے گزرے ہیں جن کی اولادیں بھی نبی تھیں، رہیں اس نبی کی بیٹیاں تو ان کی عمریں لمبی ہو سکتی ہیں، اس لیے کہ عورتیں نبوت کی اہل نہیں ہیں"۔ (ص ۱۸۵-۱۸۶)

فن سوم

اس فن میں ابن نفیس نے کامل کی زبان سے خاتم النبیین ﷺ کی تعلیمات پر روشنی ڈالی ہے۔ یہ دو ابواب پر مشتمل ہے۔ باب اول میں نبی ﷺ کی نظری تعلیمات کا بیان ہے۔ اس میں دو فصلوں کے تحت صفات الٰہی اور معاد کی تفصیل پیش کی گئی ہے۔ اللہ کی ذات و صفات کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے:

"نبی ﷺ کے شایان شان یہ ہے کہ وہ لوگوں کو بتائے کہ ان کا ایک پیدا کرنے والا ہے، جسے بے حد و نہایت عظمت و جلالت حاصل ہے۔ ضروری ہے کہ اس کی عبادت و اطاعت کی جائے اور یہ کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور اس کے مثل کوئی نہیں۔ وہ سننے اور جاننے والا ہے۔ اس کے علاوہ وہ قدرت تامہ اور قوت کاملہ کی صفات کا مالک ہے، جو اس کی ذات کے شایان شان ہیں"۔ (ص ۱۹۳)

معاد کے مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے ابن نفیس نے اسے روحانی اور بدنی کا مجموعہ قرار دیا ہے، لکھا ہے:

"کامل نے سوچا کہ نبی کے لیے جائز نہیں کہ وہ معاد کو صرف روحانی قرار دے، اس لیے کہ اکثر لوگوں کے ذہن روحانی لذتوں اور تکلیفوں کا ادراک نہیں کر پاتے، نہ ان کے لیے جائز ہے کہ اسے صرف بدنی قرار دے، اس لیے کہ اس کے ساتھ سعادت و شقاوت کا تصور ممکن نہیں، بلکہ ضروری ہے کہ وہ بدن اور نفس کا مرکب ہو"۔ (ص ۱۹۵-۱۹۶)

مزید وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے:

"کامل نے اپنے جی میں کہا: اس میں شک نہیں کہ انسان بدن اور نفس سے مرکب ہے۔ رہا بدن تو وہ محسوس چیز ہے اور نفس وہ ہے جس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے انسان کہتا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہے 'میں'۔ یہ مشارالیہ بدن یا اس کے اجزاء نہیں ہو سکتے۔ اس لیے کہ ہر شخص یقینی طور پر جانتا ہے کہ اس کا بدن ابتدائے عمر سے انتہائے عمر تک یکساں حالت میں نہیں رہتا۔ بچپن میں اس کا بدن جیسا ہوتا ہے، بڑھاپے میں اس سے مختلف ہوتا ہے، اس لیے کہ اس کے اجزائے بدن میں ہمہ وقت تحلل اور تغذیہ ہوتا رہتا ہے۔ وہ ہمیشہ ایک دوسرے کا بدل فراہم کرتے رہتے ہیں، جب کہ انسان جس چیز کو 'میں' کہتا ہے، اس میں کبھی کوئی تبدیلی نہیں ہوتی۔ اس لیے ضروری ہے کہ نفس اور بدن الگ الگ چیزیں ہوں۔ بدن محسوس جسم ہے، جب کہ نفس ایسا نہیں ہے۔ وہ مجرد جوہر ہے، اس کا عرض ہونا محال ہے....."۔ (ص ۱۹۶-۱۹۷)

باب دوم میں ابن نفیس نے چار فصلوں کے تحت عبادات، معاملات، تدبیر منزل اور سزاؤں سے تعلق نبی ﷺ کی تعلیمات اور ان کی حکمتوں پر روشنی ڈالی ہے۔ مثال کے طور پر تعدد ازدواج کے سلسلے میں لکھا ہے:

"ایک عورت کو کئی مردوں سے نکاح کرنے کی اجازت دے دی جائے تو اس سے نسب میں فساد پیدا ہو جائے گا، جب کہ اگر ایک مرد کو کئی عورتوں سے نکاح کی اجازت دے دی جائے تو ایسا نہیں ہوگا۔ اس لیے نبی کے شایان شان یہ ہے کہ وہ مردوں کو ایک سے زیادہ بیویاں رکھنے کی اجازت دے اور عورتوں کو ایک سے زیادہ شوہر رکھنے کی اجازت نہ دے"۔ (ص ۲۰۹)

فن چہارم

یہ فن دس فصلوں پر مشتمل ہے۔ ابتدائی فصلوں میں ابن نفیس نے ان واقعات کا تذکرہ کیا ہے جو خاتم النبیین ﷺ کی وفات کے بعد پیش آئے۔ انہوں نے کامل کی زبانی کہلوایا ہے:

"خاتم النبیین ﷺ کے بعد پہلے آپ کے اصحاب کے درمیان خلافت کے مسئلہ میں اختلاف ہوگا، پھر آراء میں اختلاف رونما ہوگا اور متعدد مسالک وجود میں آجائیں گے اور نبی ﷺ کی ملت دین کے اصول و فروع میں مختلف گروہوں میں بٹ جائے گی۔ پھر یہ ملت مختلف معاصی کا شکار ہو جائے گی، مثلاً اس میں شراب عام ہو جائے گی، جب کہ نبی ﷺ نے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اسے حرام قرار دیا تھا اور عورتیں بے پردہ ہو جائیں گی اور اجنبی مردوں کے سامنے آنے لگیں گی، جب کہ نبی ﷺ نے بے پردگی سے منع کیا تھا۔ اس معصیت کے نتیجے میں کفار کے حملوں کی صورت میں اس ملت کو سزا دی جائے گی''۔ (ص ۲۱۵-۲۲۶)

اس فن کی آخری دو فصلوں میں ابن نفیس نے مستقبل کی پیش گوئی کی ہے۔ نویں فصل میں وہ عالم علوی کا تذکرہ کرتے ہیں اور سورج، چاند، کواکب وغیرہ کی حرکات اور ان میں ہونے والی تبدیلیوں کو بیان کرتے ہوئے پیش گوئی کرتے ہیں کہ ایک وقت ایسا آجائے گا جب سورج اور کواکب مغرب سے طلوع ہوں گے، تمام ملکوں میں دن رات برابر ہو جائیں گے، ہوا کا مزاج انسان کے مزاج سے غیر ہم آہنگ ہو جائے گا، جس کی بنا پر ان کے اخلاق بگڑ جائیں گے اور شرور و فتن کی کثرت ہو جائے گی۔ (ص ۲۳۶-۲۳۸) دسویں فصل میں وہ بیان کرتے ہیں کہ عالم علوی میں تغیرات کے نتیجے میں اس کا اثر عالم سفلی پر بھی پڑے گا۔ روئے زمین پر شرور و فتن کی کثرت ہو جائے گی، جنگوں میں مرد بہت زیادہ ہلاک ہو جائیں گے، عورتوں کی کثرت ہو جائے گی، جس سے آوارگی بڑھ جائے گی، کھیتی اور پھل کم ہو جائیں گے، نرخ بڑھ جائے گا، پانی نیچے اتر جائے گا، زلزلوں اور طوفانوں کی کثرت ہو جائے گی، وغیرہ۔ اس طرح انہوں نے دنیا کے فنا ہونے اور قیامت کے برپا ہونے کے احوال بیان کیے ہیں۔ (ص ۲۳۹-۲۴۳)

آخر میں ابن نفیس نے بعث بعد الموت اور حشر و نشر کا تصور پیش کیا ہے۔ (ص ۲۴۳-۲۴۴)

مختصر تجزیہ

۱- الرسالۃ الکاملیہ کی بنیادی اہمیت یہ ہے کہ یہ سیرت نبوی کے موضوع پر منفرد اسلوب میں لکھا گیا ہے۔ اس میں سیرت کے تقریباً تمام ہی موضوعات کا احاطہ کیا گیا ہے۔ پہلے نبی ﷺ کے نام و نسب، وطن، خاندان، ولادت، پرورش اور ابتدائی زندگی، وحی و نبوت، دعوت، ہجرت، غزوات، عادات و اطوار، جسمانی ہیئت، اولاد وغیرہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ پھر آپ ؐ کی سنت، تعلیمات اور عبادات، معاملات اور دیگر امور زندگی میں آپ کے لائے ہوئے احکام وشرائع پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ سیرت کی کتابوں میں عموماً صرف رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ اور مغازی وغیرہ کا بیان ملتا ہے۔ آپ ؐ کی تعلیمات کو کم ہی موضوع بحث بنایا گیا ہے۔ الرسالۃ الکاملیہ ان معدودے چند کتابوں میں سے ہے جن میں دو مستقل ابواب قائم کیے گئے ہیں۔ ایک میں آپ ؐ کے احوال زندگی کا بیان ہے تو دوسرے باب کو آپ ؐ کی تعلیمات کی شرح وبیان کے لیے خاص کیا گیا ہے۔

۲- کتاب کا اسلوب بیان بھی انفرادی نوعیت کا ہے۔ سیرت کی شاید ہی کوئی کتاب ہو جس میں یہ اسلوب اختیار کیا گیا ہو۔ اس طرح ابن نفیس یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ اگر ایک شخص اپنی فطرت سلیم سے غور کرے تو وہ ٹھیک وہی نتائج نکالے گا جو نبی کریم ﷺ کی حیات طیبہ میں ظاہر ہوئے۔

۳- اس کتاب میں وجود باری تعالیٰ، توحید، نبوت، وحی، فنائے دنیا، حشر ونشر اور اسلام کے دیگر بنیادی عقائد کا بھرپور دفاع کیا گیا ہے۔ ابن نفیس ایک راسخ العقیدہ مسلمان تھے۔ انہوں نے اپنے مباحث میں اگرچہ فلسفہ سے بھی تعرض کیا ہے، لیکن کسی جگہ بھی اسلامی تعلیمات سے ادنیٰ انحراف نہیں کیا ہے۔

۴- اس رسالہ کو حی بن یقظان کے نام سے تصنیف کردہ ابن سینا اور ابن طفیل کے رسالوں کے پیٹرن پر لکھا گیا ہے۔ یہی نہیں، بلکہ ابن نفیس نے ان رسالوں میں پیش کردہ بعض فلسفیانہ افکار کا کامیاب معارضہ کیا ہے۔ مثال کے طور پر فلاسفہ صرف معاد روحانی کے قائل ہیں۔ ابن نفیس نے ایک مستقل فصل میں معاد سے بحث کی ہے اور اسے جسمانی اور روحانی دونوں کا مجموعہ قرار دیا ہے۔

۵- اس رسالہ میں 'تشکیل تمدن' سے بحث کی گئی ہے۔ ابن نفیس نے یہ فکر پیش کی ہے کہ تمدن انسانوں کے اکٹھا ہونے سے وجود میں آتا ہے۔ وہ جب یکجا ہوتے ہیں تو ان کے درمیان کاموں کی تقسیم ہوتی ہے اور ایک دوسرے کے ذریعے ان کی روزمرہ کی ضروریات پوری ہوتی ہیں۔ یہ تصور اگرچہ یونانی فکر میں بھی پایا جاتا تھا اور مسلم فلاسفہ میں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سے ابو النصر فارابی (م ۳۳۹ھ/۹۵۰ء) نے بھی اپنی کتاب المدینۃ الفاضلۃ میں اس کا تذکرہ کیا ہے۔ بعد میں ابن خلدون (م ۸۰۸ھ/۱۴۰۶ء) نے بھی اسے بڑی منقح صورت میں پیش کیا، جس کی بنا پر اسے علم الاجتماع (Sociology) کا بانی کہا جاتا ہے، لیکن واقعہ یہ ہے کہ ابن خلدون سے نصف صدی قبل ابن نفیس اس فکر کو اپنے اس رسالہ میں واضح الفاظ میں پیش کر چکے تھے۔ (ابن خلدون کی ولادت ۷۳۲ھ/۱۳۳۲ء میں ہوئی، جب کہ ابن نفیس کی وفات ۶۸۷ھ/۱۲۸۸ء میں ہو چکی تھی)۔

۶- ابن نفیس ایک ماہر طبیب تھے۔ اس کتاب میں بھی جا بجا ان کی طبی مہارت کے شواہد ملتے ہیں۔ انہیں دورانِ خون رُوی کے محقق کی حیثیت سے عالمی شہرت حاصل ہے۔ یہ تحقیق انہوں نے اپنی کتاب شرح تشریح قانون کے علاوہ اس کتاب میں بھی پیش کی ہے (ص ۱۵۵)۔ حیوانی اور انسانی اعضاء کی تشریح (Anatomy) اور منافع (ص ۱۵۱، ۱۵۵) بیان کیے ہیں۔ نبی ﷺ کی جسمانی ہیئت، مرضی کیفیات، مقدار عمر اور اولاد کے تذکرہ میں 'اعتدال مزاج' پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے اور آپ کی شخصیت کو اس کا مصداق ٹھہرایا ہے۔ نظام ہضم کی تفصیل بیان کرتے ہوئے استحالۂ غذا کے بارے میں ابن نفیس نے جو کچھ لکھا ہے وہ آج میڈیکل سائنس میں حقیقت بن چکا ہے۔ اس عمل کو طبی اصطلاح میں Metabolism کہا جاتا ہے، جو تحلّل (Catabolism) اور اختزاء (Anabolism) کا مجموعہ ہوتا ہے۔

☆☆☆

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سیرت کی چند جدید مطبوعات کا تعارف

سیرت نبوی کے مختلف پہلوؤں پر دنیا کی تمام زبانوں میں قابل قدر علمی سرمایہ موجود ہے اور برابر اس میں اضافہ ہو رہا ہے۔ سطور ذیل میں ماضی قریب میں اردو زبان میں شائع ہونے والی چند مطبوعاتِ سیرت کا تعارف کرایا جا رہا ہے۔ اس تعارف میں ان مطبوعات کی خوبیوں اور خامیوں دونوں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

خطبات بہاول پور — ڈاکٹر محمد حمید اللہ (پیرس)

ناشر: اسلامک بک فاؤنڈیشن، ۱۷۸۱، حوض سوئی والان، نئی دہلی، ۱۹۹۷ء، صفحات: ۴۹۲

علومِ اسلامیہ کے میدان میں ڈاکٹر محمد حمید اللہ (۱۹۰۸-۲۰۰۲ء) کا نام اعلیٰ تحقیق کی ضمانت ہے۔ انھوں نے اپنی زندگی کا بیش تر حصہ پیرس میں گزار کر قرآن، حدیث، سیرت اور اسلامی تاریخ کے میدانوں میں غیر معمولی خدمت انجام دی ہے۔ فرانسیسی زبان میں ترجمۂ قرآن، صحیفۂ ہمام بن منبہ اور سیرت ابن اسحاق کی تلاش، تحقیق اور اشاعت، نیز آپ کی تصانیف: **الوثائق السیاسیة للعهد النبوی و الخلافة الراشدة**، رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی، عہدِ نبوی میں نظامِ حکمرانی، رسول اکرم کے میدانِ جنگ، محمد رسول اللہ، جیسی خدمات کو علمی حلقوں میں بڑی مقبولیت حاصل ہوئی ہے اور انھیں قدر کی نگاہ سے دیکھا گیا ہے۔

اسلامیہ یونیورسٹی بہاول پور پاکستان کی جانب سے چودھویں صدی ہجری کے اواخر میں انھیں 'سیرت چیئر' کی پیش کش کی گئی، لیکن انھوں نے اپنے اس مشن کی طرف اشارہ کرکے، جس کے لیے اپنی زندگی وقف کر رکھی تھی، اس سے معذرت کر لی۔ البتہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سیرت نبوی پر سلسلۂ تقاریر کی منظوری دے دی۔ یونیورسٹی نے اس پیش کش کو غنیمت جانتے ہوئے جمادی الاولی ۱۴۰۰ھ/ مارچ ۱۹۸۰ء میں لکچر سیریز کا پروگرام منعقد کیا۔

یہ خطبات یادداشتوں اور تحریری مواد کو سامنے رکھے بغیر بالکل برجستہ دیے گئے تھے۔ فاضل مقرر نے دورانِ خطبہ کاغذ کا ایک پرزہ بھی تحریری اشارے یا حوالے کے طور پر استعمال نہیں کیا تھا۔ ٹیپ ریکارڈر کی مدد سے ان خطبوں کو ضبطِ تحریر میں لایا گیا اور ہر خطبہ کے بعد حاضرین کے سوالات اور فاضل مقرر کی جانب سے ان کے جوابات بھی اس مجموعہ میں شامل کر دیے گئے۔

یہ مجموعہ بارہ خطبات پر مشتمل ہے۔ ابتدائی چار خطبوں میں قرآن، حدیث، فقہ اور اجتہاد کی تاریخ بیان کی گئی ہے۔ پانچواں خطبہ اسلامی قانون بین الممالک پر ہے۔ چھٹے خطبے میں عقائد و ایمانیات، عبادات اور تصوف کی حقیقت واضح کی گئی ہے اور آخر کے چھ خطبوں میں عہد نبوی میں مملکت اور نظم و نسق، نظام دفاع و غزوات، نظامِ تعلیم، نظامِ عدلیہ، نظامِ مالیہ اور غیر مسلموں سے تعلقات پر بحث کی گئی ہے۔ ان خطبات میں سالہا سال کی تحقیق اور مطالعہ کا نچوڑ آ گیا ہے۔ اگرچہ بعض مسائل میں فاضل مقرر نے ذاتی آراء بھی پیش کی ہیں، جن سے اختلاف کی پوری گنجائش موجود ہے، لیکن بہ حیثیت مجموعی یہ خطبات عقل و فکر کے دریچے کھولتے اور قابلِ قدر معلومات فراہم کرتے ہیں۔ خطبات ہونے کی وجہ سے اس مجموعہ میں حوالوں کا اہتمام نہیں ہو سکا ہے، لیکن اس کی تلافی 'مختصر کتابیات' دے کر کر دی گئی ہے، جن میں یہ حوالے مل سکتے ہیں۔ آخر میں موضوعات کا اشاریہ ہے، جس سے کتاب کی افادیت میں دوچند اضافہ ہو گیا ہے۔

ہندوستان میں اس کتاب کو اسلامک بک فاؤنڈیشن نئی دہلی نے بڑے اہتمام سے شائع کیا ہے، جس پر وہ علمی حلقوں کی جانب سے شکریہ کا مستحق ہے۔ اس ایڈیشن کی خاص بات یہ ہے کہ یہ فاضل مقرر کی نظر ثانی کے بعد منظرِ عام پر آیا ہے اور انہی کے بقول "گویا یہ پہلا مستند ایڈیشن ہے"۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

خطبۂ حجۃ الوداع ڈاکٹر نثار احمد

ناشر: بیت الحکمت، لاہور، سنۂ اشاعت ۲۰۰۵ء، صفحات ۲۵۶

سیرتِ نبوی کے مختلف پہلوؤں پر عصرِ حاضر میں قابلِ قدر کام ہوا ہے اور اس کی جزئیات کو محققین نے بحث و تحقیق کا موضوع بنایا ہے۔ حجۃ الوداع رسول اکرم ﷺ کی حیاتِ طیبہ کا ایک اہم بالشان واقعہ ہے۔ اس میں آپؐ نے تقریباً سوا لاکھ افراد کے سامنے جو خطبہ دیا تھا اسے بجا طور پر 'بنیادی انسانی حقوق کا اولین عالمی منشور' قرار دیا گیا ہے۔

کتبِ احادیث میں خطبۂ حجۃ الوداع کے منتشر اجزاء مروی ہیں۔ اہلِ علم نے مختلف اوقات میں متنِ خطبہ کے جمع و ترتیب کی کوششیں کی ہیں، لیکن وہ تشنہ رہیں۔ زیرِ نظر کتاب خطبہ کے مکمل متن، ترجمہ، توضیحات اور دوسرے متعلقات (مآخذ، موقع و محل، نوعیت، منظر و پس منظر، اثرات وغیرہ) کے مفصل مطالعہ پر مشتمل ہے۔ اس میں بہ قول مصنف ''پہلی مرتبہ کوشش کی گئی ہے کہ خطبۂ جلیلہ کو عالمی انسانی منشور کی حیثیت سے، باقاعدہ دفعات کے تعین اور دیباچہ و اختتامیہ کے ساتھ پیش کیا جائے''۔ (ص ۹)

خطبۂ حجۃ الوداع کے مطالعہ سے فاضل مصنف کو عرصہ سے خصوصی دلچسپی رہی ہے۔ انھوں نے ۱۹۶۸ء میں متنِ خطبہ کو مآخذ کی تصریح اور اردو ترجمانی کے ساتھ اپنی کتاب 'نقشِ سیرت' میں شامل کیا تھا۔ پھر خطبہ کے عالمی انسانی پہلوؤں کا، ان کا ایک مفصل مطالعہ ۱۹۸۵ء میں 'پیغمبر اسلام کے پیغام کی آفاقیت' کے عنوان سے بین الاقوامی سیرت کانفرنس کے مجموعۂ مقالات میں شائع ہوا۔ آخر میں انھوں نے ان تمام پہلوؤں کا احاطہ ایک مفصل مقالہ میں کیا، جو شش ماہی مجلہ السیرۃ عالمی کراچی کے تین شماروں ۹، ۱۰، ۱۱ (۲۰۰۳-۲۰۰۴ء) میں شائع ہوا۔ یہی مقالہ زیرِ نظر کتاب کی صورت میں شائع ہوا ہے۔

یہ کتاب پانچ ابواب پر مشتمل ہے۔ باب اول میں خطبۂ حجۃ الوداع کے موضوع پر دست یاب مطالعات و مآخذ کا جائزہ لیا گیا ہے۔ مصنف نے تمام اردو کتبِ سیرت اور بعض انگریزی و عربی تالیفاتِ سیرت کا اس حیثیت سے جائزہ لیا ہے کہ ان میں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حجۃ الوداع کے خطبہ سے کس حد تک تعرض کیا گیا ہے۔ اسی طرح قدیم مآخذ پر بھی اس حیثیت سے نظر ڈالی ہے کہ کتب حدیث (صحاح، سنن، مسانید وغیرہ) کتب تاریخ اور کتب سیرت میں سے ہر ایک میں خطبہ کے کتنے جملے مذکور ہیں۔ باب دوم میں موقع محل، منظر و پس منظر کے ضمن میں مصنف نے یہ جائزہ لیا ہے کہ اس وقت نقشۂ عالم پر تہذیبی، تمدنی، مذہبی اور سیاسی حوالے سے کن علاقوں کو کیا اہمیت حاصل تھی؟ نیز سفرِ نبوی کے راستے اور منزلوں کی نشان دہی کی کوشش کی ہے۔ باب سوم میں خطبہ کی نوعیت اور قدر و قیمت سے بحث کی گئی ہے۔ باب چہارم حوالوں کے ساتھ خطبہ کے متن اور اردو ترجمہ پر مشتمل ہے۔ اور باب پنجم میں مشتملاتِ خطبہ کی توضیحات مختلف عناوین کے تحت کی گئی ہیں۔ بہ طور ضمیمہ مصنف نے حقوق انسانی کے موضوع پر تیار ہونے والی چند جدید دستاویزات کا تذکرہ کیا ہے۔

فاضل مصنف نے خطبۂ حجۃ الوداع کی ترتیب و تدوین عصری انداز میں کی ہے، اسے دیباچہ اور اختتامیہ کے علاوہ اساسیات، اجتماعیات اور دینیات (عقائد، عبادات، معاملات، اخلاقیات) کے اجزاء میں تقسیم کیا ہے۔ اور متن خطبہ کو ۴۸ مرکزی دفعات اور ۱۷ ذیلی دفعات میں مرتب کیا ہے۔ انھوں نے متن خطبہ کی ترتیب و تدوین کے دوران زیادہ سے زیادہ الفاظ جمع کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس کوشش میں صحت و استناد کا پہلو کچھ اوجھل سا ہوگیا ہے۔ چنانچہ خطبہ کے متعدد جملے صرف الجاحظ کی البیان والتبیین، تاریخ یعقوبی یا مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی کی خطبات النبی سے ماخوذ ہیں اور متعدد جملوں کے لیے اصل حوالہ محض زیادتی الفاظ کی وجہ سے واقدی، ابن سعد، ابن ہشام اور جاحظ کا دیا گیا ہے اور بخاری، مسلم، ابوداؤد، احمد وغیرہ کے حوالے محض تائیدی حیثیت میں پیش کیے گئے ہیں۔ ایک ضمیمہ میں مصنف نے کتب حدیث و سیرت و تاریخ میں سے ہر ایک میں الگ الگ ان رواۃ کی فہرست پیش کی ہے جنھوں نے احوال حجۃ الوداع اور خطبۂ نبوی کی روایت کی ہے۔ اس فہرست میں اولاً صحابہ اور تابعین کے نام خلط ملط ہوگئے ہیں۔ ثانیاً ایک ہی صحابی کا نام کئی کتابوں کے حوالے سے آنے کی وجہ سے یہ معلوم نہیں ہو پاتا کہ مجموعی طور پر حجۃ الوداع

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اور خطبہٴ نبوی کی روایت کرنے والے کتنے صحابہ ہیں؟ باب دوم کے ۵۸ حواشی (ص۱۰۹-۱۱۸) غلطی سے باب سوم میں بھی مکرر ہوگئے ہیں (ص۱۳۹-۱۴۸) پروف کی بھی خاصی غلطیاں رہ گئی ہیں۔ صحیح مسلم کو ہر جگہ اصح المسلم لکھا گیا ہے۔

حاصل یہ کہ زیرِ تبصرہ کتاب رسول اکرم ﷺ کے خطبہٴ حجۃ الوداع کا بھرپور مطالعہ ہے، جو امید ہے آئندہ علماء و محققین، ماہرین اور موضوع سے دل چسپی رکھنے والوں کے لیے حوالے کا کام دے گا۔

رسول اکرم ﷺ اور خواتین-ایک سماجی مطالعہ ڈاکٹر محمد یٰسین مظہر صدیقی

ناشر: اسلامک بک فاؤنڈیشن، نئی دہلی-۲، ۲۰۰۷ء، ص ۲۲۰

''امت کے اجتماعی معاملات میں خواتین کی شرکت اور ان میں کارگزاری کے آداب واحکام، ان کی فطرت اور اسلام کے آداب سے مقید ہیں۔ وہ بلاشبہ سیاسی، سماجی اور دوسرے مسائل و معاملات میں حصہ لینے کی مجاز ہیں، بشرطے کہ وہ اس کی اہل ہوں اور ان حدود کا خیال رکھیں جو اسلام نے مرد و زن کے اختلاط اور اجتماعی معاملات میں عورتوں کے باعمل ہونے کے لیے رکھے ہیں۔ تشدد پسند طبقات ان خواتینِ اسلام کو کسی قسم کے تعامل و تعاون کا حق نہیں دینا چاہتے اور جدت پسند سماج کے لوگ ان کو مردوں سے بھی اگلی صفوں میں کھڑا کر دینا چاہتے ہیں۔ یہ دونوں افراط و تفریط کا شکار ہیں، اعتدال ان دونوں کے بیچ میں ہے اور وہی اسلامی ہے'' (ص۲۰۲)

یہ ہے وہ مرکزی فکر، جس پر زیرِ نظر کتاب مبنی ہے۔ اس کے مصنف پروفیسر محمد یٰسین مظہر صدیقی فنِ سیرت میں اختصاص رکھتے ہیں۔ وہ سیرت کے نئے نئے موضوعات پر غور و فکر کرتے اور لکھتے رہتے ہیں۔ ان کی متعدد کتابیں اہلِ علم سے خراجِ تحسین حاصل کر چکی ہیں اور مقالات کثرت سے ملک کے معیاری تحقیقی مجلات کی زینت بنتے رہتے ہیں۔ مجلہ تحقیقات اسلامی میں اب تک ان کے چار درجن سے زائد مقالات شائع ہو چکے ہیں۔ اس کے شمارہ اکتوبر-دسمبر ۱۹۹۵ء میں موصوف کا مقالہ 'اسفار و

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

غزواتِ نبوی میں ازواج مطہرات کی رفاقت' شائع ہوا تو ماہ نامہ ترجمان القرآن لاہور کے مدیر مرحوم محترم مراد نے اس پر اپنی پسندیدگی کا اظہار کیا، اس کی تلخیص اپنے مجلہ میں شائع کی اور مضمون نگار سے خواہش کی کہ عہد نبوی میں زندگی کے مختلف پہلوؤں میں خواتین کی سرگرمیوں پر لکھیں، تاکہ مرد و زن کے سماجی تعلقات کی صحیح تصویر سامنے آ سکے۔ زیرِ نظر کتاب اسی تحریک کے نتیجے میں تیار ہوئی ہے۔

یہ کتاب بارہ مضامین پر مشتمل ہے۔ ابتدائی دو ابواب میں یہ تفصیلات پیش کی گئی ہیں کہ آں حضرت ﷺ مکی اور مدنی ادوار میں کن خواتین کے گھروں میں جایا کرتے تھے۔ اسی طرح دو مضامین اس موضوع پر ہیں کہ مذکورہ ادوار میں کون کون خواتین آپؐ کے گھر آیا کرتی تھیں۔ پانچویں اور چھٹے مضمون میں یہ بحث کی گئی ہے کہ زیارتِ خواتین کے نتیجے میں کس کس طرح دینی احکام معلوم ہوئے اور احادیثِ نبوی کی اشاعت ہوئی۔ ایک مضمون میں غزواتِ نبوی میں ازواجِ مطہرات اور دیگر خواتین کی شرکت کے واقعات جمع کیے گئے ہیں۔ ساتواں مضمون اس پر ہے کہ آپؐ نے مکی اور مدنی عہد میں کن خواتین کی شادیاں کروائی تھیں۔ ایک مضمون میں خواتین کی تجارتی اور کاروباری سرگرمیوں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ ایک مضمون میں، جسے کتاب کا سب سے اہم مضمون قرار دینا غلط نہ ہوگا، عہد نبوی میں مردوں اور خواتین کے معاشرتی تعلقات سے بحث کی گئی ہے۔ اس میں بہت سے واقعات جمع کر کے یہ نتیجہ نکالنے کی کوشش کی گئی ہے کہ اس دور میں مردوں اور خواتین کے درمیان معاشرتی اختلاط، ایک دوسرے سے ملاقات اور اخذ و استفادہ عام تھا اور اس معاملے میں رشتہ داروں اور غیر رشتہ داروں کی کوئی تفریق نہ تھی۔ ایسے واقعات بھی کثرت سے ملتے ہیں کہ خواتین نے خدمتِ نبوی میں حاضر ہو کر اپنی شکایات بیان کیں اور آں حضرت ﷺ نے ان کا ازالہ فرمایا۔ ایک مضمون میں ایسے واقعات جمع کیے گئے ہیں۔ کتاب کا آخری مضمون بھی بہت اہم ہے، اس میں اختلاط مرد و زن کے نبوی اصول بیان کیے گئے ہیں۔

سیرتِ نبوی پر یوں تو ہزاروں کتابیں موجود ہیں، لیکن زیرِ نظر کتاب ایک خاص

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

زاویہ سے حیاتِ طیبہ کے ایک مخصوص پہلو کا تجزیاتی مطالعہ پیش کرتی ہے۔ اس کے ذریعے عہدِ نبوی میں خواتین کی ایک جیتی جاگتی اور چلتی پھرتی تصویر ابھرتی ہے اور واضح ہوتا ہے کہ اس دور میں خواتین نہ تو آج کل کے مسلم معاشرہ کی طرح 'عضو معطل' ہو کر رہ گئی تھیں اور نہ ان کے اندر اس حد تک آزادانہ اختلاط اور بے پردگی پائی جاتی تھی جسے موجودہ دور کے بعض دانش ور عام کرنا چاہتے ہیں۔ پروفیسر صدیقی کا مطالعۂ سیرت بہت گہرا اور وسیع ہے۔ وہ جو بات بھی کہتے ہیں اس پر دلائل و شواہد کا انبار لگا دیتے ہیں۔ ان کے استنباط سے اختلاف تو کیا جا سکتا ہے، لیکن آسانی سے اسے رد نہیں کیا جا سکتا۔

دورانِ بحث فاضل مصنف نے بعض ایسے مسائل پر اظہار خیال کیا ہے جنھیں موجودہ دور میں اہمیت حاصل ہو گئی ہے۔ مثال کے طور پر 'جہیز' کے بارے میں لکھتے ہیں:

''رسول اللہ ﷺ نے کسی بھی صاحب زادی کی شادی میں جہیز نہیں دیا کہ اسلامی رسم تھی نہ عربی روایت۔ حضرت فاطمہؓ کی شادی میں جو جہیز بتایا جاتا ہے وہ جہیز ہی نہ تھا، وہ سامانِ زیست/شادی تھا جو حضرت علیؓ نے اپنی کمائی سے فراہم کیا تھا۔ اس باب میں بہت سے سیرت نگاروں کو مغالطہ ہوا ہے'' (ص ۱۳۶) عورتوں کی مساجد میں حاضری کے سلسلے میں علماء کے مختلف نقطۂ ہائے نظر ہیں۔ اس موضوع پر فاضل مصنف صراحت سے لکھتے ہیں:

''عہدِ نبوی میں خواتین نماز کی ادائیگی کے لیے مساجد میں جاتی تھیں'' کچھ مثالیں بھی بیان کرتے ہیں، یہ بھی فرماتے ہیں کہ ''یہ شخصی آزادی اور دینی حق کا معاملہ ہے، جسے روکا نہیں جا سکتا'' لیکن ساتھ ہی وہ مسئلہ کی نوعیت بھی واضح کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔ لکھتے ہیں: ''عورتوں کے مسجدوں میں جانے کے معاملہ کو بعض حلقوں نے ایک مسئلہ بنا دیا ہے۔ وہ اجازت، وجوب اور موقع و محل میں فرق نہیں کرتے۔ سیدھا اور صاف مسئلہ ہے۔ جن مسلم معاشروں اور مقامات میں عورتوں کے لیے مساجد میں انتظام ہے اور جہاں ان کے جانے کی سماجی اور دینی روایت قائم ہے وہاں ان کے جانے میں قباحت ہے اور نہ مشکل، ان کو اجازت دینی ہی چاہیے۔ مگر جن معاشروں اور ملکوں میں عورتوں کے مسجدوں میں جانے کی روایت ہے نہ انتظام، ان کے لیے اصرار کرنا سراسر زیادتی ہے۔ پھر مسئلہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اجازت کا ہے، وجوب کا نہیں۔ عورتوں پر جماعت فرض نہیں، لہٰذا مسجدوں کی حاضری بھی ضروری نہیں۔ ان کے لیے دوسری واضح احادیث واحکام بھی ہیں کہ وہ اپنے گھروں میں نماز ادا کریں تو بہتر ہے۔ لہٰذا اجازت اور وجوب میں فرق کرنا چاہیے" (ص ۱۹۸-۱۹۹) ایک مسئلہ عورت کی امامت کا ہے۔ گزشتہ دنوں عالمی سطح پر اس کی گونج سنائی دی تھی۔ اس پر بھی فاضل مصنف اپنا دوٹوک فیصلہ سناتے ہیں: "عورت کی امامت کا مسئلہ اور وہ بھی مردوں اور عورتوں کی جماعتِ مشترکہ کی امامت کا، تو وہ سراسر سماجی اور فکری کج روی ہے۔ عورت کو مردوں کی امامت کا حق بالکل حاصل نہیں۔ اگر ایسا کوئی کرے تو حرام ہے اور اجماع اسلامی کے خلاف" (ص ۲۰۰) بعض جدید دانش وروں نے حضرت ام ورقہؓ سے مروی ایک روایت سے اس کے جواز کا حکم نکالا ہے۔ فاضل مصنف نے کتاب کے کئی مقامات پر حضرت ام ورقہؓ کا ذکر کیا ہے۔ ایک جگہ لکھتے ہیں: "بعض شدید انتشار زدہ حضرات وخواتین نے اس روایت سے بہ طور خاص اور بعض دوسری روایات سے عورت کے لیے مردوں کی امامت کا جواز نکالا ہے۔ یہ غلط استنباط ہے۔ پورے اسلامی دور میں بڑی بڑی صحابیات کو بھی مردوں کی امامت یا مردوں اور عورتوں کی مشترکہ امامت کا حق نہیں دیا گیا" (ص ۸۰)

اجنبی مردوں اور عورتوں کے درمیان معاشرتی تعلقات کے کیا حدود ہیں؟ وہ کن امور کی رعایت کے ساتھ ایک دوسرے سے ملاقات اور استفادہ کر سکتے ہیں؟ اس معاملے میں فاضل مصنف نے عہد نبوی کی معاشرت کی روشنی میں موجودہ دور کے شدّت پسندوں اور جدّت پسندوں، دونوں پر تنقید کرتے ہوئے 'راہِ اعتدال' واضح کرنے کی کوشش کی ہے۔ لیکن کہیں کہیں محسوس ہوتا ہے کہ بحث ابہام یا تضاد کا شکار ہوگئی ہے، یا جدّت پسندوں کی طرف فاضل مصنف کا میلان ہوگیا ہے۔ مثال کے طور پر حضرت اسماء بنت عمیسؓ، جو پہلے حضرت جعفر بن ابی طالبؓ کی زوجہ تھیں اور ان کی وفات کے بعد حضرت ابوبکرؓ کی زوجیت میں آ گئی تھیں، ان کے پاس مختلف صحابۂ کرام آیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ بعض صحابہ حضرت ابوبکرؓ کی غیر موجودگی میں ان کے پاس آئے تو حضرت ابوبکرؓ نے آں حضرت ﷺ سے اس کی شکایت کی۔ اس واقعہ کا تذکرہ مصنف نے دو مقامات

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

پر کیا ہے۔ ایک جگہ لکھا ہے: ''رسولِ اکرم ﷺ نے ان کے کہنے پر اصول بنا دیا کہ زیارت کے لیے لوگ گھروں پر جائیں تو ایک تنہا شخص نہ جائے، بلکہ دو ایک ساتھ جائیں'' (ص ۱۶۶) جب کہ دوسرے مقام پر اسی واقعہ کے حوالے سے لکھتے ہیں: ''انہوں نے رسول اکرم ﷺ سے شکایت کی اور آپؐ نے اسی وقت اصول نافذ کر دیا کہ کوئی شخص یا چند اشخاص مل کر کسی شادی شدہ عورت کے گھر میں اس کے شوہر کی عدم موجودگی میں ہرگز نہ جائیں'' (ص ۱۹۴)

'اجتماعی اختلاط و زیارت' کے ذیلی عنوان کے تحت لکھتے ہیں: ''پنج گانہ نمازوں کے لیے مرد و عورت دونوں مساجد- مسجد حرام مکہ اور مسجد نبوی مدینہ سمیت- پانچ وقت جایا کرتے تھے۔ پورے آداب واقدار کے ساتھ ان دینی اجتماعاتِ روزانہ میں صحابۂ کرام کی خواتین سے ملاقاتوں اور معاشرتی تبادلوں کا ایک سلسلہ ملتا ہے'' (ص ۱۶۸)

عہدِ نبوی میں مساجد میں خواتین کی حاضری سے متعلق روایات جمع کرنے سے جو تصویر بنتی ہے وہ یہ ہے کہ بعض خواتین عموماً صرف عشاء اور فجر کی نمازوں میں مساجد جایا کرتی تھیں۔ ان کی صفیں نہ صرف مردوں، بلکہ بچوں سے بھی پیچھے ہوتی تھیں۔ نماز سے فارغ ہوتے ہی وہ فوراً اپنے گھروں کو چلی جایا کرتی تھیں۔ رسول اللہ ﷺ اور صحابۂ کرام رکے رہتے تھے، وہ کچھ دیر کے بعد مسجد سے نکلتے تھے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے عورتوں کے داخلہ کے لیے ایک دروازہ خاص کر دیا تھا، مردوں کو اس سے آنے جانے کی ممانعت تھی۔ ایسی صورت میں بہ خوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ صحابۂ کرام کی، خواتین سے کیسے ملاقاتیں ہوتی ہوں گی اور ان کے درمیان معاشرتی تبادلوں کا سلسلہ کتنا دراز ہوتا ہوگا؟!

اسی سیاق میں فاضل مصنف نے آگے لکھا ہے: ''دینی اجتماعات میں مخلوط آبادی ہوتی تھی۔ صحابۂ کرام اپنی صفوں میں بیٹھتے تھے اور صحابیات کی قطاریں الگ ہوتی تھیں، مگر تعلیم و تعلم اور تربیت میں اور قومی و ملی خدمت میں ایک دوسرے سے اختلاط ہوتا تھا'' پھر اس کی دلیل یہ دی ہے کہ ''ایک خطبۂ نبوی کے بعد خواتین نے بے قابو ہو کر صدقات میں اپنے زیورات نچھاور کرنے شروع کیے تو حضرت بلال حبشیؓ جیسے بعض صحابۂ کرام نے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہر ایک فردِ نسوانی سے جا جا کر ان کو جمع کیا تھا'' (ص ۱۷۰) یہاں جس روایت کی جانب اشارہ کیا گیا ہے اس کی تفصیل یہ ہے کہ آں حضرت ﷺ نے ایک مرتبہ عیدالفطر یا عیدالاضحیٰ کے موقع پر مردوں سے خطاب کیا، اس کے بعد عورتوں کے پاس تشریف لے گئے اور ان کے درمیان وعظ و نصیحت کی باتیں کیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف قطاروں کا معاملہ نہ تھا، بلکہ خواتین اتنے فاصلے پر تھیں کہ مردوں سے خطاب کرتے وقت آپ کی آواز ان تک نہ پہنچ سکی تھی، اس لیے آپ کو ان سے الگ خطاب کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی تھی۔

خلاصہ یہ کہ یہ کتاب سیرت نبوی کے ایک اہم موضوع سے بحث کرتی ہے۔ امید ہے، پروفیسر صدیقی کی دیگر کتابوں کی طرح اسے بھی قبول عام حاصل ہوگا اور اس سے فائدہ اٹھایا جائے گا۔

سیرت خاتم النبیین ڈاکٹر ماجد علی خاں

ناشر: اسلامک ریسرچ فاؤنڈیشن، ۲۷۳، ذاکر نگر، نئی دہلی-۲۵، ۱۹۸۹ء، صفحات ۵۶۰

سیرت کے موضوع پر کچھ لکھنا جہاں باعث سعادت ہے وہیں یہ موضوع اپنے اندر اتنی جاذبیت، کشش اور دل کشی رکھتا ہے کہ اس پر جتنا بھی لکھا اور پڑھا جائے کم ہے۔ لٹریچر کی دنیا میں کسی شخصیت پر اتنا نہیں لکھا گیا جتنا رسول کریم خاتم النبیین ﷺ کی ذات گرامی پر لکھا گیا ہے۔ پھر بھی اس موضوع میں پرانا پن نہیں آیا۔ زیر نظر کتاب ڈاکٹر ماجد علی خاں ریڈر اسلامک اسٹڈیز جامعہ ملیہ اسلامیہ کی تصنیف ہے، جس کے انگریزی نسخہ پر انھیں رابطہ عالم اسلامی کی جانب سے منعقدۂ سیرت نبوی کے عالمی مقابلہ میں دوسرا انعام مل چکا ہے۔ احباب کے شدید اصرار پر فاضل مصنف نے خود ہی اس کا اردو ترجمہ کیا ہے۔

کتاب کی ابتدا میں مولانا سعید احمد اکبر آبادی کے قلم سے ایک مختصر پیش لفظ اور مصنف کے قلم سے انگریزی ایڈیشن کے دیباچہ کا ترجمہ اور اردو ایڈیشن کا دیباچہ ہے۔ رسول کریم ﷺ کے حالاتِ زندگی شروع کرنے سے قبل انھوں نے سیرت کی دوسری کتابوں کی طرح جزیرۃ العرب کے جغرافیائی اور تاریخی حالات سے بحث کی ہے، پھر

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تاریخی ترتیب سے سیرت بیان کی ہے اور آخر میں ازواج و اولاد کا مختصر تذکرہ الگ سے بھی کیا ہے۔ مصنف کے بہ قول ''اس کتاب میں ختم نبوت پر بھی تفصیلی بحث کی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی ختم نبوت کے موضوع پر اردو، عربی اور دیگر زبانوں میں مستقل تصانیف تو بہت مل جائیں گی، لیکن سیرت کی کتاب کے اندر اس موضوع پر تفصیلی گفتگو خال خال ہی ملے گی۔ اس مناسبت سے کتاب کا نام بھی رکھا گیا ہے'' (ص ۲۸-۲۹) مصنف نے کتاب کے آخری صفحہ پر اس کے مقصد تصنیف کو بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ''سیرتِ طیبہ تاریخی حقائق کی روشنی میں اس طرح بیان کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ مستشرقین کے عائد کردہ الزامات و اعتراضات کا جواب خود بخود عیاں ہو جائے''۔ اس مقصد تصنیف کو پوری کتاب میں ملحوظ رکھا گیا ہے، چنانچہ جابہ جا سیرت کے موضوع پر مستشرقین کی انگریزی کتابوں کے حوالے دیے گئے ہیں، ان کے شبہات و اعتراضات کا جواب دیا گیا ہے اور بعض مباحث میں مستشرقین کے تحسینی و تائیدی اقتباسات بھی نقل کیے گئے ہیں۔

مصنف نے اس کتاب کی تصنیف میں عربی، اردو اور انگریزی میں سیرت کے تقریباً تمام ہی مراجع سے استفادہ کیا ہے اور باضابطہ ان کے حوالوں کا بھی اہتمام کیا ہے، جس سے کتاب کی قدر و قیمت میں اضافہ ہوا ہے۔ اس کتاب کے مطالعہ کے بعد تبصرہ نگار کے ذہن میں چند ملاحظات آئے ہیں جنہیں وہ سطور ذیل میں پیش کرتا ہے۔

۱- مصنف نے حضرت ہاجرہ اور حضرت سارہ کے تعلق کے سلسلہ میں وہی بات لکھی ہے جو عام مصنفین اب تک لکھتے آئے ہیں کہ حضرت اسماعیل کی پیدائش کے بعد ''حضرت سارہ کے دل میں ہاجرہ اور ان کے لڑکے سے رقابت پیدا ہوگئی۔ انھوں نے حضرت ابراہیم سے حضرت ہاجرہ اور اسماعیل کو گھر سے نکال دینے کا مطالبہ کیا''۔ (ص ۴۷)

یہ اسرائیلیات میں سے ہے۔ ہم تصور نہیں کر سکتے کہ ایک نبی کی بیوی اور نبی کی ماں کے دل میں ایسے جذبات پیدا ہوں۔ قرآن کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زندگی میں جو واقعات پیش آئے وہ حکم الٰہی کے تحت تھے، اس لیے حضرت اسماعیلؑ کو ان کی ماں کے ساتھ بے آب و گیاہ وادی میں لا بسانا بھی حکم

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

الٰہی کے تحت تھا۔

۲۔ مصنف نے واقعۂ ذبح کا زمانہ تعمیر کعبہ کے بعد کا متعین کیا ہے۔ (ص ۴۸) یہ صحیح نہیں ہے۔ واقعۂ ذبح کا تذکرہ قرآن میں یوں کیا گیا ہے: فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ حضرت اسماعیل کی نوعمری کا ہے، جب کہ وہ چلنے پھرنے کے قابل ہو گئے تھے اور کعبہ کی تعمیر میں حضرت اسماعیل کا حضرت ابراہیم کے ساتھ تعاون کرنا اور اس کے بعد دونوں کا مل کر دعا کرنا اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ وہ بڑی عمر کو پہنچ گئے تھے۔

۳۔ حضور کے بچپن میں شق صدر کا واقعہ کب پیش آیا؟ اس سلسلے میں مصنف کے بیانات میں کچھ سہو محسوس ہوتا ہے۔ چنانچہ ص ۹۹ پر انھوں نے چوتھا سال اور صفحہ ۱۰۰ پر پانچواں سال لکھا ہے۔

۴۔ فاضل مصنف نے آں حضرت ﷺ کے تعدد ازدواج کے جو وجوہ بیان کیے ہیں ان میں سے ایک وجہ 'مسلم مردوں کی کمی' بھی بیان کی ہے (ص ۵۰۳) یہ بات تاریخی اعتبار سے ثابت نہیں کہ عہد نبوی میں مردوں کی تعداد میں کمی آ گئی تھی اور نہ علماء اسلام میں سے کسی نے اس وجہ کا تذکرہ کیا ہے۔ البتہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ آں حضرت ﷺ کے تعدد ازدواج سے یہ استنباط ہوتا ہے کہ اس کے ذریعے کسی زمانے میں بھی مسلم مردوں کی کمی کا مسئلہ حل کیا جا سکتا ہے۔

۵۔ مصنف نے اپنے مقدمہ برائے اردو ایڈیشن میں خود کو جماعتیت سے محفوظ ظاہر کرتے ہوئے بعض ان مصنفین پر تنقید کی ہے، جنھوں نے سیرت کے موضوع پر اس انداز سے قلم اٹھایا ہے "گویا آں حضرت ﷺ کسی مخصوص تحریک کو چلانے کے لیے مبعوث فرمائے گئے تھے، حالاں کہ آپ دیگر انبیا و رسل کی طرح ایک نبی اور رسول تھے اور آخری نبی و رسول تھے اور آپ کا مشن پوری کی پوری انسانیت کو اللہ واحد کی عبادت اور اس کے احکامات کی تعلیم دینا تھا، نہ کہ کسی مخصوص تحریک کا رکن یا کارکن بنانا (ص ۲۹) تبصرہ نگار کے نزدیک اس نقد و رد کی ضرورت نہ تھی۔ یہ ان مصنفین کا ایک مخصوص انداز

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بیان ہے اور محض تعبیر کا فرق ہے۔

۶- مصنف کے بہ قول انھوں نے یہ کتاب اس انداز میں لکھی ہے کہ مستشرقین کے اعتراضات خود بہ خود رفع ہو جائیں۔ اس کا تقاضا تھا کہ غزوات نبوی کے محرکات پر تفصیلی گفتگو کی جاتی، کیوں کہ مستشرقین غزوات نبوی کو 'معاشی خوش حالی کی برآوری کی کوشش' قرار دیتے ہیں۔ لیکن مصنف نے اس موضوع پر کوئی بحث نہیں کی ہے۔

بہ ہر حال یہ کتاب اپنے موضوع پر ایک اچھی اور قابل قدر کوشش کی ہے، جو مصنف کے لیے باعثِ سعادت بھی ہے اور قارئین کے لیے قابلِ استفادہ بھی۔

شاہ ولی اللہ کا رسالۂ سیرت — پروفیسر محمد یٰسین مظہر صدیقی

(سرور المحزون فی ترجمة نور العیون)

ناشر: حضرت شاہ ولی اللہ اکیڈمی، بھلت، مظفر نگر (یوپی)، ۲۰۰۶ء، ص: ۲۴۰

علی گڑھ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے ادارۂ علوم اسلامیہ کے تحت شاہ ولی اللہ ریسرچ سیل یوں تو دو دہائیوں سے زائد عرصہ سے قائم تھا، لیکن اس کی سرگرمیاں معدوم تھیں۔ پروفیسر محمد یٰسین مظہر صدیقی نے اپنی چیرمین شپ کے زمانے میں اس کا احیاء کیا۔ قرآن، حدیث، تصوف اور تاریخ و سیرت میں شاہ ولی اللہ کی خدمات اور ان کی معرکہ آرا تصنیف 'حجۃ اللہ البالغۃ' کے تجزیاتی مطالعہ پر متعدد سمینار کرائے، شاہ صاحب کی تصانیف کی تدوین و اشاعت، ترجمہ اور تحقیق کے منصوبے تیار کیے اور اس عرصہ میں خود بھی متعدد کتب تصنیف کیں۔ ان میں شاہ ولی اللہ کا فلسفۂ سیرت، حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی- شخصیت و حکمت کا ایک تعارف (اردو، عربی، انگریزی) اور حجۃ اللہ البالغہ- ایک تجزیاتی مطالعہ ادارۂ علوم اسلامیہ، مسلم یونیورسٹی سے اور شاہ ولی اللہ کی خدماتِ حدیث شاہ ولی اللہ اکیڈمی بھلت سے شائع ہو چکی ہیں۔ زیرِ نظر کتاب بھی مذکورہ اکیڈمی کی جانب سے شائع ہوئی ہے۔

سیرت نگاروں میں امام ابن سید الناسؒ (م ۷۳۴ھ/۱۳۳۳ء) عیون الأثر فی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

فنون المغازی والشمائل والسیر کے مؤلف کی حیثیت سے مشہور ہیں۔ سیرت پر ان کا ایک مختصر رسالہ بھی ہے جس کا نام نور العیون فی تلخیص سیرۃ الأمین المامون ہے۔ شاہ ولی اللہ (م ۱۱۷۶ھ/۱۷۶۲ء) نے اس کا فارسی ترجمہ سرور المحزون فی ترجمۃ نور العیون کے نام سے کیا تھا۔ پروفیسر صدیقی نے اس کا اردو ترجمہ ایضاح المکنون کے نام سے کر دیا ہے۔ زیر نظر کتاب میں عربی متن کے ساتھ فارسی اور اردو ترجمے بھی شامل ہیں۔ فاضل مترجم نے 'تقدیم' میں سیرت نگاری کے رجحانات سے بحث کرتے ہوئے مختصراتِ سیرت کا تعارف کرایا ہے اور ابن سید الناس کے اصل کتابچہ اور شاہ ولی اللہ کے فارسی ترجمہ کا تجزیاتی مطالعہ بھی پیش کیا ہے۔

سیرت نگاری پروفیسر صدیقی کی علمی خدمات کا خاص میدان ہے۔ اس موضوع پر ان کی ایک درجن سے زائد تصانیف اور بہت سے مقالات ہیں جو اہلِ علم سے خراجِ تحسین حاصل کر چکے ہیں۔ امید ہے، زیرِ نظر کتاب کو بھی قبولِ عام حاصل ہوگا اور سیرتِ نبوی اور تصانیفِ ولی اللہی کے مطالعات میں اس کی اہمیت کو محسوس کیا جائے گا۔

عصر حاضر میں اسوۂ رسول کی معنویت — پروفیسر محمد سعود عالم قاسمی

ناشر: فیکلٹی دینیات، علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ، ۲۰۰۸ء، صفحات: ۱۹۲

سیرت نبوی کے مختلف پہلوؤں پر دنیا کی تمام زبانوں میں قابل قدر لٹریچر موجود ہے اور آئے دن اس میں خاطر خواہ اضافہ ہو رہا ہے۔ اس سلسلۃ الذہب میں شامل ہونا باعث سعادت ہے۔ زیرِ نظر کتاب بھی اس موضوع پر ایک خوب صورت اضافہ ہے۔

یہ کتاب گیارہ مقالات پر مشتمل ہے، جو اگرچہ مختلف اوقات میں لکھے گئے ہیں، لیکن سب میں ایک ہی روح کارفرما ہے۔ ان میں عصر حاضر کے پس منظر میں اسوۂ رسول کی معنویت آشکارا کی گئی ہے۔ ابتدائی تین مقالات کا خطاب امت مسلمہ سے ہے۔ پہلے مقالے میں واضح کیا گیا ہے کہ رسول اکرم ﷺ کی سیرت طیبہ کا مابہ الامتیاز وصف انسانوں کی خدمت ہے۔ آپؐ نے نہ صرف یہ کہ اپنے ارشادات کے ذریعہ اس کی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تلقین کی، بلکہ خود بھی اس پر عمل کر کے دکھایا۔ دوسرے مقالے میں اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ اسوۂ رسول کی روشنی میں آج کے مسلمانوں کو قلم اور کردار سے جوڑنے کی ضرورت ہے۔ تیسرے مقالہ کا عنوان ہے 'ہجرت حبشہ۔ مسلم اقلیت کے لیے اسوہ' اس میں مسلمانانِ حبشہ کے احوال تفصیل سے بیان کرتے ہوئے یہ نتیجہ نکالا گیا ہے کہ آج ان ممالک میں جہاں حکومت اور اکثریت دوسرے مذاہب کے حاملین کی ہے اور مسلمان وہاں اقلیت کی حیثیت سے جی رہے ہیں، مہاجرین حبشہ کے حالات سے رہ نمائی حاصل کی جاسکتی ہے۔ ماحول کا تحفظ، شہری منصوبہ بندی اور امن عالم عالمی سطح پر موجودہ دور کے سنگین مسائل ہیں۔ دنیا کے دانش ور انھیں حل کرنے میں سرگرداں ہیں۔ تین مقالات میں الگ الگ ان مسائل سے بحث کی گئی ہے اور واقعات سیرت کی روشنی میں واضح کیا گیا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے بہت کامیابی کے ساتھ ان مسائل کو حل کیا تھا۔ اور آپ کا اسوہ اختیار کر کے آج بھی انھیں بہ خوبی حل کیا جاسکتا ہے۔ کچھ عرصہ قبل برصغیر کے ایک مسلم دانش ور نے دعویٰ کیا تھا کہ ''اسوۂ رسول ﷺ اسوۂ حسنہ تو ہے، مگر اسوۂ کاملہ نہیں ہے، چنانچہ بعض پہلوؤں سے آج کے دور میں محمدی ماڈل کے بجائے مسیحی ماڈل قابلِ انطباق ہے''۔ ایک مقالہ میں اس دعوی کا تعاقب کیا گیا ہے اور بہ دلائل ثابت کیا گیا ہے کہ حضرت محمد ﷺ کا اسوہ، اسوۂ حسنہ بھی ہے اور اسوۂ کاملہ بھی۔ اسی طرح ایک صاحب نے یہ خیالِ خام پیش کیا تھا کہ ''اخروی نجات کے لیے آج کے دور میں رسالت محمدیؐ پر ایمان لانا ضروری نہیں، دوسری امتوں کے صالحین بھی اس کے مستحق ہیں''۔ ایک مقالہ میں اس خیال کا ابطال کیا گیا ہے۔ دو مقالات سیرت محمدی کے خلاف مغربی رویہ کا محاسبہ کرتے ہیں اور آخری مقالہ میں اہل ایمان کو دعوت فکر و عمل دی گئی ہے۔ یہ تمام مقالات موجودہ دور کے اہم مسائل سے بحث کرتے ہیں۔ فاضل مصنف نے موثر اسلوب اور قوی دلائل کے ساتھ ان کا تجزیہ کیا ہے اور ان کے سلسلے میں آخری نبی حضرت محمد ﷺ کے اسوہ کی معنویت واضح کی ہے۔ ان کا کہنا بجا ہے کہ ''ان مقالات میں روح عقیدت کے ساتھ علم و استدلال کی اثر انگیزی بھی ہے''۔ (ص ۱۷)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کتاب کی پروف ریڈنگ توجہ سے نہیں کی گئی ہے۔اس وجہ سے یا ثانوی مراجع پر انحصار کے سبب بہت سے مقامات پر الفاظ احادیث تبدیل ہو گئے ہیں۔مثلاً ص ۱۲۴ پر ترمذی کی یہ حدیث درج ہے: **اللهم انی اعوذ بک من ان نظلم او نظلم او نجهل او یجهل** جب کہ حدیث کے صحیح الفاظ یہ ہیں **اللهم انا نعوذ بک من ان نزلّ او نضلّ او نظلِم او نظلَم او نجهل او یجهل علینا**"۔(کتاب الدعوات، ۳۴۲۷) یہی معاملہ صفحات: ۵۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۱۰۲، ۱۰۳ پر درج احادیث کا ہے۔بعض مقامات پر احادیث یا عربی عبارتوں کا صحیح ترجمہ نہیں ہوسکا ہے، مثلاً حدیث **من سکن البادیة جفا** کا یہ ترجمہ کیا گیا ہے "جس نے بدوی رہائش اختیار کی اس نے زیادتی کی" (ص ۹۳) اس کا صحیح ترجمہ یہ ہوگا: "دیہات میں رہنے والوں کے مزاج میں درشتی ہوتی ہے"۔ہجرت حبشہ کی تفصیلات کے ضمن میں نجاشی کے اس سوال پر کہ حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں تمھارا کیا عقیدہ ہے؟ حضرت جعفرؓ نے جواب دیا "وہ اللہ کے بندے، اس کے رسول، اس کی روح اور اس کا کلمہ تھے، جسے کنواری مریم پر اللہ نے القا کیا تھا" آگے لکھا ہے: "نجاشی نے یہ سن کر زمین سے ایک لکڑی اٹھائی اور کہا: جو تم نے کہا ہے حضرت عیسیٰ اس سے اس لکڑی کے برابر بھی مختلف نہ تھے" (ص ۶۲) سیرت ابن ہشام کی اصل عبارت یہ ہے: **فضرب النجاشی بیده الی الأرض فأخذ منها عوداً ثم قال واللہ ما عدا عیسیٰ ابن مریم ما قلت هذا** ۔'عود' کا ترجمہ 'لکڑی' کرنے سے عبارت کا سارا حسن غارت اور قول نجاشی کی ساری بلاغت فنا ہوگئی ہے۔عود کا ترجمہ 'تنکا' کرنا چاہیے ۔ علامہ شبلی نعمانی (سیرۃ النبی اول ص ۲۳۹) مولانا ابوالاعلیٰ مودودی (سیرت سرور عالم دوم ص ۴۸۱) مولانا ابوالحسن علی ندوی (نبی رحمت اول ص ۱۳۶) پروفیسر محمد یٰسین مظہر صدیقی (مکی اسوۂ نبوی ص ۱۰۶) اور دیگر مؤلفین سیرت نے یہی ترجمہ کیا ہے۔

یہ کتاب عصری اہمیت کے حامل مسائل و افکار سے بہت موثر اور مدلل انداز میں بحث کرتی ہے۔امید ہے، اس کو قبول عام حاصل ہوگا اور اس سے خاطر خواہ فائدہ اٹھایا جائے گا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

فرہنگِ سیرت

سید فضل الرحمٰن

ناشر: زوّار پبلی کیشنز، ناظم آباد، کراچی، سنۂ اشاعت: ۲۰۰۳ء، صفحات: ۳۲۶

سیرتِ نبوی میں تحریری سرمایہ کی وسعت، تنوع اور معیار کے اعتبار سے اردو زبان دیگر زبانوں کے مقابلے میں کسی طرح فروتر نہیں ہے، بلکہ اس کی ثروت میں دن بہ دن اضافہ ہو رہا ہے۔ اس زبان میں جہاں روایتی موضوعات پر لاتعداد اور بیش بہا کتابیں لکھی گئی ہیں، وہیں نئے اسالیب اور نئے عناوین پر بھی مسلسل کتابیں منظرِ عام پر آ رہی ہیں۔ زیرِ تبصرہ کتاب بھی اسی سلسلۃ الذہب کی ایک کڑی ہے۔

مؤلفِ کتاب حافظ سید فضل الرحمٰن کو سیرتِ نبوی سے خصوصی شغف ہے۔ انھوں نے سیرت پر ایک جامع کتاب 'ہادیٔ اعظم ﷺ' تصنیف کی ہے۔ کئی سال سے ایک شش ماہی مجلّہ 'السیرۃ عالمی' نکال رہے ہیں۔ اس میں سیرت کے مختلف پہلوؤں پر بڑے معیاری علمی و تحقیقی مقالات شائع ہوتے ہیں۔

زیرِ نظر فرہنگ میں آں حضرت ﷺ کی ازواج و اولاد، غلام، گھوڑے، ہتھیار، غزوات و سرایا، وفود، قبائل اور ان کے شعوب و بطون، پہاڑ، دریا، وادیاں، گھاٹیاں، راستے، کنویں، چشمے، تالاب، قلعے، بت، ناپ تول کے پیمانے، عرب کے بازار اور دیگر اعلام و اماکن کے بارے میں اختصار کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ ایسے تقریباً تین ہزار الفاظ کی تشریح کی گئی ہے۔ کتاب میں تیس نقشے دیے گئے ہیں جو غزوات و سرایا، قبائل، وفود، اماکن، مشہور بازاروں، قریش کے تجارتی اسفار، حدودِ میقات، مسجدِ نبوی اور عمرۃ الحدیبیہ وغیرہ سے متعلق ہیں۔

یہ کتاب سیرت کے موضوع پر ایک بیش بہا علمی خزانہ ہے، جس سے شائقینِ سیرت حسبِ توفیق استفادہ کریں گے۔ کتاب کی پیش کش بہتر بنانے کے لیے چند امور کی نشان دہی کی جاتی ہے۔

فاضل مصنف نے تمام الفاظ پر اعراب لگائے ہیں، تاکہ صحیح تلفظ کے ساتھ ان کی ادائیگی ہو سکے۔ بہت سے الفاظ پر صحیح اعراب نہیں لگ سکے ہیں۔ مثلاً (قوسین میں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

صحیح اعراب لگایا گیا ہے) خِزرَج (خَزرَج) فَجار (فِجار) سَمر (سَمُر) سراقة بن مالک بن جُعثُم (جُعشُم) شُرجِیل (شُرَحبِیل) صَفیّة (صَفِیّة) ضَحاک (ضَحّاک) جَذعان (جُدعان) عَقبة بن ابی معیط (عُقبة) مَکاتِب (مُکاتَب) طِبُوی (طَبُوی) بِئر حاء (بَیرُحاء)۔

بہت سے اماکن کے تذکرے میں ان کی مسافت قدیم پیمانوں (مرحلہ، برید، منزل، فرسخ، دن، رات وغیرہ) سے بیان کی گئی ہے۔ مثلاً ذات السلاسل، سویداء، عسفان، فدک، قرقرة الکدر، مدینہ، رھاط، دومة الجندل، رقاع، روحاء، یلملم وغیرہ۔ ان کی مسافت کا، جدید پیمانوں سے بھی تذکرہ مناسب تھا۔

اس فرہنگ میں بہت سے الفاظ ایسے بھی ہیں جن کا سیرت سے کوئی خاص تعلق نہیں ہے۔ مثلاً اہرمن، زرتشت، سدھارتھ، برہمن، مزدک، شودر وغیرہ۔ انھیں اس فرہنگ میں شامل نہ کرنا اولیٰ تھا۔

کتاب کے متعدد بیانات صحیح نہیں ہیں۔ مثال کے طور پر ضماد بن ثعلبہ اور ضماد ازدوی (ازدی) کو الگ الگ شخصیت دکھایا ہے (ص ۱۷۷) حالاں کہ دونوں ایک ہی ہیں (ملاحظہ کیجیے اسد الغابہ، ابن الاثیر، دار الشعب، ۳/۵۶) عبداللہ بن جدعان کے تذکرہ میں لکھا ہے کہ وہ حضرت عائشہؓ کے چچازاد بھائی تھے (ص ۱۹۲) یہ غلطی بہت سے سیرت نگاروں سے ہوئی ہے۔ علامہ ابن کثیرؒ نے ان کا سلسلۂ نسب بیان کرتے ہوئے صراحت سے لکھا ہے کہ وہ حضرت ابوبکرؓ کے والد کے چچازاد بھائی تھے۔ وھو ابن عم والد أبی بکر الصدیق (البدایة والنھایة، دار الریان للتراث، مصر، ۲/۲۰۲) سقیفہ بنی ساعدة کے ضمن میں درج ہے کہ "حضرت سعد بن عبادہؓ اور حضرت ابوعبیدہؓ نے حضرت ابوبکرؓ کے ہاتھ پر بیعت کی، پھر تمام انصار نے حضرت ابوبکرؓ کی بیعت کی" (ص ۱۵۲) حالاں کہ مؤرخین واصحابِ سیر نے لکھا ہے کہ حضرت سعدؓ نے حضرت ابوبکرؓ کے ہاتھ پر بیعت نہیں کی تھی اور شام چلے گئے تھے، وہیں ۱۴ھ یا ۱۵ھ میں ان کا انتقال ہوا (ملاحظہ کیجیے اسد الغابة، ۲/۳۵۷) حضرت سلمان فارسیؓ کے بارے میں لکھا ہے:

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

''مشہور صحابی اور آپؐ کے غلام'' (ص ۱۵۴) حضرت سلمانؓ ایک یہودی کے غلام تھے، جس سے مکاتبت کے ذریعے گلو خلاصی میں آں حضرت ﷺ نے مدد فرمائی تھی۔ مسجد ضرار کے بارے میں مذکور ہے: ''ایک مسجد جو مدینے کے یہودیوں نے مسلمانوں میں تفریق پیدا کرنے کے لیے تعمیر کی تھی'' (ص ۲۷۲) اس کی تعمیر یہودیوں نے نہیں، منافقوں نے کی تھی۔ امام ابوحنیفہؒ کے تذکرے میں ہے: ''حدیث میں سنن کی طرز پر سب سے پہلی تصنیف کتاب الآثار کے مؤلف ہیں'' (ص ۱۰۸) اس نام سے امام ابوحنیفہؒ کی کوئی کتاب نہیں، ان کے شاگردوں امام ابویوسفؒ اور امام محمدؒ کی تالیفات ہیں۔

فاضل مؤلف نے اس کتاب کے ذریعے ایک علمی خدمت انجام دی ہے۔ امید ہے، موضوع کی اہمیت کے پیشِ نظر اسے علمی حلقوں میں قبولِ عام حاصل ہوگا۔

مکی اسوۂ نبوی۔ مسلم اقلیتوں کے مسائل کا حل پروفیسر محمد یٰسین مظہر صدیقی

ناشر: اسلامک بک فاؤنڈیشن، نئی دہلی-۲، ۲۰۰۵ء، صفحات: ۳۲۷

عصر حاضر میں دنیا کے مختلف حصوں میں مسلمان اقلیت کی حیثیت سے زندگی گزار رہے ہیں۔ وہ طرح طرح کے مسائل سے دوچار ہیں، مثلاً کثیر قومی معاشرہ میں دیگر مذاہب کے ماننے والوں کے ساتھ ان کا رہن سہن، معاملات اور باہمی تعلقات کیسے ہوں؟ اقلیت میں رہتے ہوئے وہ اپنے دینی شعائر اور واجبات پر کیسے عمل پیرا ہوں؟ وغیرہ۔ قرآن وسنت کی روشنی میں ان سوالات کے جوابات دینا اور رسول کریم ﷺ اور صدر اول کے مسلمانوں کا اسوہ پیش کرنا معاصر مسلم مفکرین کی ذمہ داری ہے۔

زیر نظر کتاب اسی موضوع پر ایک تحقیقی و تجزیاتی مطالعہ ہے۔ فاضل مصنف پروفیسر محمد یٰسین مظہر صدیقی سیرت کے موضوع پر اتھارٹی سمجھے جاتے ہیں۔ سیرت نبوی کے مختلف پہلوؤں پر ان کی متعدد کتابیں ہیں۔ اور بہت سے تحقیقی مقالات، مجلّہ تحقیقاتِ اسلامی اور دیگر رسائل کی زینت بنتے رہتے ہیں۔ موضوعاتِ سیرت پر ان کی تحریریں عصری تناظر میں تحقیقی رنگ لیے ہوئے ہوتی ہیں۔ زیر نظر کتاب میں انھوں نے مکی عہد

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نبوی کا اس حیثیت سے مطالعہ پیش کیا ہے کہ اس کا اسوہ اختیار کر کے معاصر دنیا کی مسلم اقلیتوں کے مسائل کو بہ خوبی حل کیا جا سکتا ہے۔

اصلاً یہ کتاب ان خطبات پر مشتمل ہے جو مرحوم مولانا محمد رضوان القاسمی ناظم دارالعلوم سبیل السلام حیدر آباد کی دعوت پر ۱۶ تا ۲۰ر جولائی ۲۰۰۳ء حیدر آباد کے اہلِ علم اور اصحابِ ذوق کے ایک بڑے مجمع کے سامنے دیے گئے تھے۔

یہ کتاب آٹھ خطبات پر مشتمل ہے۔ پہلے خطبہ کا عنوان ہے 'مکہ مکرمہ کا کثیر قومی معاشرہ' اس میں مکہ میں رہنے والے مختلف قبائل اور مختلف پیروان مذاہب کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ دوسرے خطبے 'کی مسلم اقلیت کا ارتقاء' میں یہ دکھایا گیا ہے کہ کس طرح مکہ میں مسلمانوں کی اجتماعیت تشکیل پائی اور کس طرح اس نے ارتقاء کے مراحل طے کیے۔ اس سلسلے میں مکہ میں مسلمانوں کے ذریعے دعوت وتبلیغ، دین پر عمل آوری، مساجد کی تعمیر اور تعلیم وتربیت کے مراکز کے قیام پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ تیسرا خطبہ ہجرت حبشہ اور وہاں مسلمانوں کے قیام، دینی وسماجی حالات اور وہاں کی مقامی آبادی کے ساتھ معاملات کی تفصیلات پر مشتمل ہے۔ چوتھا خطبہ مکہ میں مسلمانوں کی دینی، سماجی، اقتصادی، تجارتی اور صنعتی سرگرمیوں پر روشنی ڈالتا ہے۔ اگلے دو خطبوں میں نظامِ مدافعت وحق تحفظ اور دفاعی معاہدوں کا بیان ہے۔ ساتویں خطبہ میں مدینہ میں اسلامی ریاست کے قیام کے بعد مکہ اور دیگر علاقوں میں اقلیت میں رہنے والے مسلمانوں کے حالات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ آٹھویں خطبہ کا عنوان ہے 'معاصر مسلم اقلیتوں کے لیے لائحہ عمل'۔ اس میں گزشتہ مباحث کا خلاصہ کرتے ہوئے سیرت نبوی کی روشنی میں معاصر مسلم اقلیتوں کے لیے رہ نما نکات پیش کیے گئے ہیں۔

یہ کتاب موجودہ دور کے ایک اہم موضوع سے بحث کرتی ہے۔ امید ہے کہ علمی ودینی حلقوں میں اسے پذیرائی حاصل ہوگی اور اس سے بھرپور فائدہ اٹھایا جائے گا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مکی عہد نبوی میں اسلامی احکام کا ارتقاء ڈاکٹر محمد یٰسین مظہر صدیقی

ناشر: نشریات، ۴۰-اردو بازار لاہور، ۲۰۰۸ء، ص ۵۹۸

زیر نظر کتاب میں مکی عہد نبوی کا ایک خاص جہت سے مطالعہ پیش کیا گیا ہے۔ اصلاً یہ خطباتِ حیدرآباد ۲۰۰۳ء (جو 'مکی اسوۂ نبوی۔ مسلم اقلیتوں کے مسائل کا حل' کے نام سے اسلامک بک فاؤنڈیشن نئی دہلی سے ۲۰۰۵ء میں شائع ہو چکے ہیں) کا آخری باب تھا۔ مطالعہ نے وسعت اختیار کی تو اسے اس میں شامل نہ کر کے مستقل کتاب کی حیثیت دے دی گئی۔ مصنف کے بقول ''مسلم مفکرین نے مکی عہد نبوی میں دین وشریعت کے صرف بنیادی عقائد اور اخلاقی تعلیمات اور چند ضروری احکام کے ارتقاء کا نظریہ پیش کیا اور اصل احکام اسلامی اور دین وشریعت محمدی کی تعمیر وتشکیل کا زمانی ومکانی نظریہ پیش کیا کہ وہ سب مدنی دور کی دین ہیں'' (ص II-III) اس کے برخلاف مصنف کا نظریہ یہ ہے کہ ''تمام بنیادی احکام مکہ میں آ چکے تھے اور مدینہ منورہ میں ان پر جزوی اضافات اور تکمیلی تعمیرات ہوتی رہیں'' (ص III) بالفاظ دیگر ''دین وشریعت اسلامی پوری کی پوری مکی دور ہی میں رسول اکرم ﷺ کو عطا کر دی گئی تھی۔ مکی اسلام اصل ہے اور اسی پر مدنی اسلام کا انحصار ہے۔ دونوں میں کوئی جوہری فرق نہیں'' (ص IX)۔

کتاب کی ابتداء میں فاضل مصنف نے 'مکی اسلام کی تفہیم - مسائل و جہات' کے عنوان سے اپنے نقطۂ نظر پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ یہ بحث ۳۶ صفحات پر محیط ہے۔ آگے انھوں نے طہارت، نماز، زکوٰۃ وصدقات، روزہ، حج وعمرہ، نکاح وطلاق، ولادت ورضاعت، وفات وجنازہ، ماکولات ومشروبات، معاملاتِ تجارت ومعیشت، حدود وتعزیرات، آدابِ معاشرت، احکامِ وجوب وسنت اور احکامِ تحریم وکراہت کے ابواب کے تحت پوری کتاب میں شواہد جمع کیے ہیں اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ زندگی کے تمام معاملات میں مسلمانوں کو بنیادی احکام مکی عہد ہی میں دے دیے گئے تھے۔ مدینہ منورہ میں ان پر صرف جزوی اضافات اور تکمیلی تعمیرات ہوتی رہیں۔ مصنف کو احساس ہے کہ 'شواہد کا انبار لگانے میں بسا اوقات 'طولِ کلام' اور 'تکرار کا عیب' پیدا ہو گیا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہے، لیکن ایسا مجبوراً کیا گیا ہے (ص X) ان کا انداز بحث یہ ہے کہ ہر باب میں پہلے انھوں نے سابقہ ملتوں اور خاص کر دین ابراہیمی کا حکم و عمل بیان کیا ہے، پھر مکی عہد میں اس کا تسلسل اور ارتقاء دکھایا ہے۔ اس سلسلے میں انھوں نے آیات قرآنی، احادیث نبوی اور تعاملِ صحابہ سے استدلال کیا ہے۔ بعض احکام صرف مدینہ میں نازل ہونے والی سورتوں میں مذکور ہیں۔ ان کے بارے میں ان کا کہنا ہے کہ وہ بھی اصلاً مکی احکام ہیں، عہد مکی میں ان پر عمل ہوتا رہا ہے، بعد میں ان کا تذکرہ یا اعلان ونفاذ مدنی آیات میں کیا گیا ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ اسلامی احکام کا نزول پورے عہدِ نبوی میں حسبِ ضرورت ہوتا رہا ہے اور وہ ارتقا کے مراحل سے گزرتے رہے ہیں۔ بہت سے احکام مکی دور میں دیے گئے تو دیگر بہت سے احکام مدینہ میں بیان کیے گئے۔ مثال کے طور پر قصاص، دیت، حدود، تعزیرات اور جہاد فی سبیل اللہ وغیرہ کے احکام تمام تر مدنی دور کے ہیں۔ ان کی اصل مکی دور میں تلاش کرنا خواہ مخواہ کا تکلف ہے۔ ایسے تکلّفات کی مثالیں زیرِ نظر کتاب میں کثرت سے ہیں، مثلاً فاضل مصنف کا دعویٰ ہے کہ مکی عہد میں نماز کے علاوہ روزہ، زکوٰۃ اور حج بھی فرض ہو چکے تھے۔ اس پر انھوں نے مفصل بحث کی ہے اور بہت سے دلائل دیے ہیں۔ ان میں سے ایک دلیل یہ بھی ہے کہ "اگر عام خیالِ علماء تسلیم کر لیا جائے اور ان پانچوں ارکان کی مکی دور میں تشکیل وتنزیل کا قاعدہ اور حقیقت نہ تسلیم کی جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ مکی دور میں اسلام ناقص تھا، کیوں کہ وہاں اس خیال خام کے مطابق صرف ایمان ونماز ہی قائم ہوئے تھے۔ روزہ مدنی دور کے ۲ھ میں اور زکوٰۃ ۳ھ میں واجب ہوئے، گویا کہ ان دونوں زمانوں تک بھی مدنی اسلام ناقص ہی رہا۔ اور اگر حج کی فرضیت کے بارے میں مقبول ومشہور خیال تسلیم کر لیا جائے تو ثابت ہوگا کہ اسلام ۹ھ/ ۱۰ھ تک ناقص رہا۔ پھر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ حدیث بنی الاسلام علی خمس ... الخ کس زمانے کی ہے؟" (ص VIII-X!) آگے انھوں نے یہ بحث 'حدیث ارکانِ اسلام سے استشہاد' کے زیرِ عنوان بھی اٹھائی ہے (ص ۲۶۴-۲۶۶)۔ اولاً مکی دور میں تمام ارکانِ اسلام کی فرضیت کی دلیل کے طور پر اسلام کے کمال ونقص کی بحث اٹھانا صحیح نہیں۔ جس

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

زمانے تک اللہ کے جتنے احکام نازل ہوئے، وہی مکمل اسلام تھا۔ بعد میں کچھ اور احکام کا اضافہ ہوا تو وہ بھی دائرۂ اسلام میں شامل ہو گئے۔ ثانیاً حدیثِ مذکور میں ارکانِ اسلام میں سے ایک رکن صوم رمضان ہے، نہ کہ مطلق صوم۔ اور مصنف بھی قائل ہیں کہ صوم رمضان کی فرضیت مدنی دور میں ہوئی ہے۔ ثالثاً یہ مان لینے میں کیا حرج ہے کہ حدیث مذکور مدنی دور کی ہے، جب پانچوں ارکان اسلام فرض ہو چکے تھے۔

اسی طرح حرمتِ شراب سے متعلق فاضل مصنف کی بحث (ص ۳۶۴-۳۷۰) بھی تبصرہ نگار کے نزدیک محض خیال آفرینی ہے۔ شراب کی تحریم کا اعلان مدینہ منورہ میں ہوا۔ مکی عہد میں بہت سے صحابہ اس کا استعمال کرتے تھے۔ اسی بنا پر اہل علم اور شارحین حدیث نے لکھا ہے کہ ابتدائے اسلام میں شراب حلال تھی۔ مگر فاضل مصنف کہتے ہیں کہ ''اصلِ تحریمِ خمر ازلی اور مکی ہے اور اس کا اعلان و نفاذ متاخر اور مدنی ہے''۔ تبصرہ نگار عرض کرتا ہے کہ حرام و حلال اسلام کی خالص قانونی اصطلاحات ہیں۔ کسی حرام کا ارتکاب موجبِ گناہ ہے۔ یہ صحیح ہے کہ شراب میں اثم (ضرر) کا پہلو نمایاں ہے، عہدِ جاہلی میں بعض صالح فطرت لوگ اس سے اجتناب کرتے تھے، رسول اللہ ﷺ اور بعض اکابر صحابہ نے عہد مکی میں کبھی اسے ہاتھ نہ لگایا، سفر معراج میں آپؐ نے جام شراب کے بجائے دودھ کے پیالہ کو ترجیح دی، لیکن عہد مکی میں بہ ہر حال شراب حرام نہ تھی۔ اسی بنا پر بہت سے صحابہ اس کا استعمال کرتے تھے۔ عہد مدنی میں اسے حرام قرار دیے جانے کے بعد صحابہ کرام نے اس سے کلی اجتناب کیا اور اگر کسی نے ہاتھ لگایا تو اسے سزا دی گئی۔

کتاب کے مرکزی موضوع سے ہٹ کر بھی مصنف کے متعدد نتائجِ بحث سے اتفاق نہیں کیا جا سکتا، مثلاً احادیث میں ہے کہ رمضان المبارک کی ہر شب حضرت جبرئیل علیہ السلام آں حضرت ﷺ کی خدمت میں تشریف لاتے تھے اور اس وقت تک نازل شدہ قرآن کا مذاکرہ کیا کرتے تھے۔ اس کے لیے 'معارضة' اور 'مدارسة' کے الفاظ آئے ہیں (بخاری: ۶، ۱۹۰۲، ۳۲۲۰، ۳۵۵۴، ۴۹۹۷)۔ مذاکرہ کی نوعیت کے بارے میں فاضل

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مصنف نے لکھا ہے: ''مذاکرہ و مدارسۃ کا مفہوم ان معنوں میں بہت محدود کر دیا گیا ہے۔ اس سے صرف قرآن مجید کے نازل شدہ حصوں کا دہرانا مراد لیا ہے، حالاں کہ وہ بہت وسیع و عریض معانی و مفاہیم کا حامل ہے۔ اس میں تکرار سے زیادہ تعلیم و تفسیر اور تدریس و تفہیم کے دوسرے ابعاد و جہات شامل ہیں''۔ (ص ۱۶۳) 'مذاکرہ' کے مفہوم کو اس قدر وسیع کر دینا صحیح نہیں۔ الفاظِ قرآن کے دہرانے کا محدود معنیٰ لینا ہی درست ہے۔ حافظ ابن حجرؒ نے لکھا ہے: "المعارضة مفاعلة من الجانبين كان كلاً منهما كان تارة يقرأ والآخر يستمع (فتح الباری، دارالمعرفۃ بیروت، ۹/۴۳) "فيدارسه القرآن" فان ظاهره ان كلا منهما كان يقرأ على الآخر وهي موافقة لقوله "يعارضه" (ایضاً، ۹/۴۵) صحیح بات یہ ہے کہ حضرت جبرئیلؑ کا کام صرف 'وحی قرآنی' پہنچا دینا تھا، اس کی تفسیر بیان کرنا، مفہوم واضح کرنا اور تعلیم و تدریس کا کام انجام دینا ان کا منصب نہ تھا۔

زیرِ نظر کتاب سیرتِ نبوی کے ایک اہم موضوع سے بحث کرتی ہے۔ ہندوستان میں اس کی اشاعت صفا شریعت کالج، سدھارتھ نگر (یوپی) کے زیر اہتمام فرید بک ڈپو نئی دہلی سے ہوئی ہے۔

ناموسِ رسول

سکندر احمد کمال

ملنے کا پتا: ایجوکیشنل بک ہاؤس، شمشاد مارکیٹ، علی گڑھ، سنہ اشاعت ۲۰۰۲ء، صفحات: ۱۴۴

پیغمبرِ خدا حضرت محمد ﷺ پر ایمان، دین کا بنیادی جزء ہے۔ آپؐ کی ذاتِ اقدس کے ساتھ ہر مسلمان گہری جذباتی وابستگی رکھتا ہے۔ آپؐ سے محبت و عقیدت کے بغیر ایمان کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ مخالفینِ اسلام نے سیرتِ نبوی پر مختلف اعتراضات کیے ہیں اور اس کو داغ دار کرنے کی ہر ممکن کوشش کی ہے۔ مسلم علماء نے ہر زمانے میں اس کا دفاع کیا ہے اور ان اعتراضات کا بھرپور جواب دیا ہے۔

یہ واقعہ ہے کہ ان معترضین نے خام موادِ سیرت و تاریخ کی ان کتابوں سے حاصل کیا ہے جن میں صحیح روایات کے پہلو بہ پہلو ضعیف اور موضوع روایات بھی موجود ہیں۔ معترضین کا جواب دیتے وقت ضروری ہے کہ ہم ان روایات پر تحقیقی و تنقیدی نظر

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ڈالیں، ان کی تنقیح کریں اور جو روایات میزانِ نقد پر کھری نہ اتریں انھیں رد کردیں۔ لیکن یہ رویہ ہرگز درست نہ ہوگا کہ نام نہاد اعتراضات سے بچنے کے لیے حقائق ہی کو مسخ کردیا جائے اور قرآنی آیات کی من مانی تاویلات کرکے، صحیح احادیث اور تسلیم شدہ تاریخی واقعات کو ان سے متصادم دکھا کر انھیں بالکلیہ رد کردیا جائے۔ افسوس کہ زیرِ تبصرہ کتاب اسی رویہ کی ترجمانی کرتی ہے، بلکہ اس کی شاہ کار ہے۔

فاضل مصنف کا دعویٰ ہے کہ قرآن کریم کے مختلف زبانوں میں بہت سے ترجمے ہوئے ہیں، لیکن کوئی ترجمہ صحیح اور عربی متن کے مطابق نہیں ہے۔ (ص ۳۷)۔ مصنف کو چونکہ کسی ترجمے پر اعتماد نہیں، اس لیے قرآنی آیات کے ترجمے خود کرتے ہیں، پھر اپنے مستنبط مفہوم کو قطعی سمجھ کر اس کے خلاف موجود تمام صحیح احادیث، تفاسیر اور تاریخی واقعات کو خلافِ قرآن، موضوع اور لائقِ رد قرار دیتے ہیں اور علماء کو ان سے دست بردار نہ ہونے پر ملامت کرتے ہیں۔ (ص ۳۷)

جو شخص اتنے بڑے بڑے دعوے کر رہا ہو اس کے بارے میں کم سے کم یہ امید تو رہتی ہے کہ اسے عربی زبان آتی ہوگی، لیکن یہ دیکھ کر انتہائی حیرت ہوتی ہے کہ موصوف عربی زبان سے نابلد ہیں۔ وہ عربی مراجع سے براہِ راست استفادہ پر قادر نہیں۔ ان کا مطالعہ صرف اردو تفاسیر، احادیث کے اردو ترجموں اور تاریخ و سیرت کی چند اردو کتابوں تک محدود ہے۔

کس قدر بے باکی سے مصنف نے قرآن مجید کے متداول ترجموں کو غلط ٹھہرایا ہے اور آیات کے نئے ترجمے پیش کیے ہیں، اس کا اندازہ درج ذیل مثال سے بہ خوبی کیا جاسکتا ہے:

سورۂ تحریم کی پہلی آیت: يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ تَبْتَغِيْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِكَ کے بارے میں لکھتے ہیں:

> "تفاسیر، حدیث اور تراجم میں صاف ہے کہ حضور نے اپنے اوپر شہد یا ماریہ کو حرام کرلیا تھا۔ یہ کام ماضی کا ہوگیا۔ اگر اس ماضی کے کام پر اللہ کو

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

گرفت کرنی تھی تو لفظ ماضی کا صیغہ لم حرمت آنا تھا۔ لم تحرم آیا ہے تو صاف ظاہر ہے کہ اس سے مراد مستقبل ہے نہ کہ ماضی اور اس لحاظ سے ہی ترجمہ، تفسیر ہونا تھا۔ مگر صیغہ مستقبل اور ترجمہ ماضی؟ کیا مطلب؟ کیا اتنا بھی غور کا مقام نہیں ہے؟ اس لیے ترجمہ و تفسیر محلِ نظر ہے"۔ (ص ۷۷)

آگے اس آیت کا خود جو ترجمہ کیا ہے وہ قابلِ ملاحظہ ہے کہ اسے من مانا مفہوم دینے کے لیے کتنے لمبے محذوف سے کام لیا ہے:

"اے نبی، کس لیے اور کیوں آپ حرام کرو گے اس کو جو اللہ نے تیرے لیے حلال کی ہے۔ یقیناً آپ ہرگز اللہ کے حلال کو حرام نہیں کرو گے (جملۂ استفہام) آپ اس لیے بھی حلال کو حرام نہیں کرو گے کہ آپ اپنی بیویوں کو راضی کرو؟ حالاں کہ آپ کی بیویاں بھی ایسا کرنے کو نہیں کہیں گی، اگر وہ اللہ پر ایمان رکھنے والی ہیں۔ آپ حرام و حلال اللہ کا مانتے ہیں، اپنی مرضی سے حرام حلال نہیں کرتے"۔ (ص ۸۲)

شاید فاضل مصنف کو اتنی بات بھی نہیں معلوم کہ عربی زبان میں فعل مضارع صرف مستقبل کا نہیں، بلکہ حال کا بھی معنی دیتا ہے۔

زیر تبصرہ کتاب میں سیرتِ نبوی سے متعلق تقریباً ڈیڑھ درجن واقعات اور موضوعات پر دادِ تحقیق دی گئی ہے۔ ان میں سے چند یہ ہیں: بحیرہ راہب سے آں حضرت ﷺ کی ملاقات، واقعۂ شقِ صدر، غارِ حرا میں پہلی وحی، نبی ﷺ کا اُمّی (بہ معنی ان پڑھ) ہونا، سورۂ مجادلہ کے شروع میں مذکور واقعۂ ظہار، واقعۂ ایلاء، واقعۂ تحریم، سورۂ عبس میں مذکور حضرت عبداللہ بن ام مکتومؓ کا واقعہ، واقعۂ قرطاس، حدِ رجم، حضور ﷺ کی جانشینی، منافق عبداللہ بن ابی کی نمازِ جنازہ، آں حضرت ﷺ پر سحر، واقعۂ مباہلہ، حدیث الافک، آں حضرت ﷺ کی بعض ازواج کو طلاق دیے جانے کا مسئلہ، ازواجِ مطہرات کی تعداد وغیرہ۔ ان موضوعات پر حدیث، سیرت اور تاریخ کی کتابوں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

میں جو بیانات ملتے ہیں، مصنف نے ان کا رد کیا ہے اور ان کو من گھڑت قرار دیتے ہوئے نئی تحقیق پیش کی ہے۔ بلاشبہ مصنف کی بعض بحثیں قابلِ قبول ہیں، مثلاً واقعۂ بحیرا راہب اور واقعۂ مباہلہ وغیرہ، لیکن کتاب کا غالب حصہ بے سروپا باتوں پر مشتمل اور علم و تحقیق کا کھلا مذاق ہے۔ ان تمام واقعات پر مصنف کی تحقیق کا جائزہ و محاکمہ ایک ضخیم کتاب کا طالب ہے۔

مصنف کی تمام بحثیں اسی انداز کی ہیں کہ وہ ناموسِ رسول کا ایک خود ساختہ پیمانہ وضع کرتے ہیں، قرآنی آیات کو اس پر ڈھالتے ہیں اور پھر ان سے متصادم تمام احادیث اور تاریخی واقعات کو یک قلم من گھڑت اور مخالفینِ اسلام کی تراشیدہ قرار دے دیتے ہیں۔ ناموسِ رسول کی صیانت و حفاظت کا ان کا جذبہ مبارک، لیکن اس کتاب کے ذریعہ خود انھوں نے ناموسِ رسول کو داغ دار کر دیا ہے۔

ہجرتِ مصطفیٰ

محمد علاؤالدین ندوی

ناشر: مجلس علم و عرفان، لکھنؤ۔ ملنے کا پتا: ندوی بک ڈپو، ندوۃ العلماء لکھنؤ، ۱۹۹۷ء، صفحات: ۴۴۸

سیرتِ نبوی پر مختلف زبانوں میں اور متعدد پہلوؤں سے ہزاروں کتابیں لکھی گئی ہیں اور ایک عظیم اور وسیع کتب خانہ وجود میں آ گیا ہے۔ البتہ واقعات سیرت میں سے کسی خاص واقعہ کو پیشِ نظر رکھ کر مستقل کتابیں کم لکھی گئی ہیں۔ زیرِ تبصرہ کتاب میں ہجرت مدینہ کو بنیاد بنا کر اس کی عظمت اور مضمرات سے مفصل بحث کی گئی ہے۔

یہ کتاب دو ابواب پر مشتمل ہے۔ باب اول میں پہلے ہجرت کے مفہوم اور اسلامی تاریخ میں اس کی اہمیت پر روشنی ڈالی گئی ہے پھر ہجرت حبشہ، ہجرت ابوبکر صدیقؓ، ہجرتِ طائف، اسراء و معراج، بیعت عقبہ اور ہجرتِ مدینہ کے واقعات تفصیل سے بیان کیے گئے ہیں۔ باب دوم میں واقعۂ ہجرت میں پوشیدہ اسباق، اسرار و حکم، ثمرات و نتائج اور پیغام سے بحث ہے۔ کتاب پر اپنے پیش لفظ میں حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نے لکھا ہے: ''پیشِ نظر کتاب میں ان محرکات، واقعات، مراحل و منازل اور نتائج، برکات پر روشنی ڈالنے کی کوشش کی گئی ہے جو ہجرت کبریٰ کے الہامی سفر میں پیش آئے اور اس کی انقلاب آفرینی، عہد سازی، بلکہ مردم گری اور مسیحا کرداری پر روشنی ڈالی گئی ہے اور تاریخ کے بہت سے ایسے حقائق بلکہ انکشافات سامنے آ گئے ہیں جو تاریخی واقعات کے انبار کے نیچے دبے ہوئے تھے ...ان گوشوں پر روشنی ڈالی گئی ہے جو دعوتِ اسلامی، کردار سازی، دنیا کی تعمیر نو اور صالح انقلاب کے مقصد کے لیے بنیادی اہمیت رکھتے ہیں''۔(ص: ج د)

موضوع اس قدر مہتم بالشان ہو، مصنف شہرہ آفاق درس گاہ دارالعلوم ندوۃ العلماء کے فارغ التحصیل اور وہاں استاد ہوں اور پیش لفظ عالمی شہرت کی حامل شخصیت نے لکھا ہو جس میں ''مصنف کی محنت و مطالعہ، دقیقہ رسی اور حقیقت بینی کی داد'' دی ہو تو بجا طور پر توقع کی جانی چاہیے کہ کتاب زبان، اسلوب و طرز ادا اور بحث و تحقیق کے اعلیٰ معیار پر ہوگی، لیکن کتاب کا مطالعہ کرنے کے بعد اس توقع پر پانی پھر جاتا ہے اور مایوسی ہوتی ہے۔ فاضل مصنف کی تصویر ایک ایسے پرجوش و پرشور خطیب کی ابھر کر سامنے آتی ہے جس کے پاس بھاری بھرکم اور گرج دار الفاظ کا بڑا ذخیرہ ہے، لیکن اسے ان کے استعمال کا سلیقہ نہیں ہے۔ جوش خطابت میں وہ جملوں کی ترتیب و تنسیق پر دھیان نہیں دے پاتا اور تذکیر و تانیث، واحد جمع اور دیگر قواعد زبان کی بھی اس کے نزدیک چنداں اہمیت نہیں۔ اس خامی نے کتاب کی مقصدیت کو بری طرح مجروح کیا ہے۔

کسی علمی و تحقیقی کتاب میں حوالوں کا جس قدر اہتمام ہونا چاہیے وہ نظر نہیں آتا۔ بہ کثرت واقعات اور روایات بلا حوالہ مذکور ہیں۔ احادیث کے حوالے نامکمل ہیں اور ثانوی مراجع کے واسطے سے دیے گئے ہیں۔ مصنف واقعات کا تسلسل روک کر اچانک تاثرات بیان کرنے لگتے ہیں۔ کتاب کی اتنی ضخامت کے باوجود سفر ہجرت کے بارے میں بعض بنیادی معلومات نہیں آ سکی ہیں۔ مثلاً ہجرت حبشہ کے ضمن میں قاری کو یہ نہیں معلوم ہو پاتا کہ حبشہ مکے سے کتنے فاصلے پر اور کس سمت میں ہے؟

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اسی طرح ہجرت مدینہ کے ضمن میں یہ ذکر نہیں ہے کہ غار ثور مکہ سے کس سمت میں اور کتنے فاصلے پر واقع ہے؟ ایک جگہ مکہ سے طائف کا فاصلہ ۷۰-۷۵ کلو میٹر اور اسی صفحہ پر حاشیہ میں ۷۵ میل درج ہے (ص ۱۲۹) حضرت ابراہیمؑ کے تذکرے میں 'اُر' کو ان کا مقام ہجرت لکھا گیا ہے (ص ۷۷) حالاں کہ وہ ان کا وطن تھا، جہاں سے انھوں نے ہجرت کی تھی۔

فاضل مصنف نے بہت سی روایات اور باتیں بلا کسی تحقیق کے نقل کر دی ہیں۔ مثلاً وہ روایات جن میں ہے کہ غار ثور میں آں حضرت ﷺ اور حضرت ابوبکرؓ کے داخل ہونے کے بعد حکمِ الٰہی سے غار کے باہر ببول کا درخت اُگ آیا تھا، جس نے آپ کو چھپا لیا تھا (ص ۲۹۵) یا ام معبد کے خیمے میں ایک لاغر اور بے دودھ کی بکری سے آپ نے معجزاتی طور پر دودھ دوہ لیا تھا (ص ۲۷۲-۲۷۳) وغیرہ۔ علامہ سید سلیمان ندویؒ نے ایسی روایتوں پر تنقید کی ہے اور ان کے ضعف و نکارت کی بنا پر انھیں قبول کرنے میں پس و پیش کیا ہے (سیرت النبی، جلد سوم، طبع ۱۹۹۸ء، ص ۷۶۶-۷۷۴) مصنف نے ایک جگہ لکھا ہے کہ "حضرت عثمان غنیؓ جیسے چند ایک بزرگوں کو چھوڑ کر دار ارقم میں رسول اللہ ﷺ کے گرد سمٹ آنے والے اہل ایمان کی عمریں چالیس کے اندر تھیں (ص ۳۷۶) اس طرح انھوں نے حضرت عثمانؓ کو بلا تحقیق بزرگ بنا دیا ہے، حالاں کہ اس وقت ان کی عمر بھی چالس سے کم تھی (ان کی ولادت عام الفیل کے چھٹے سال ہوئی تھی) سفر ہجرت کے موقع پر تعاقب کرنے والے سراقہ بن مالک بن جعشم غزوۂ حنین و طائف کے بعد ایمان لائے تھے اور اس وقت آں حضرت ﷺ نے انھیں کسریٰ کے کنگن پہنائے جانے کی پیشین گوئی کی تھی۔ لیکن مصنف نے یہ تفصیلات اس طرح بیان کی ہیں گویا ان کا قبول اسلام اور آں حضور ﷺ کی پیشین گوئی سفر ہجرت ہی کے موقع پر ہوئی تھی (ص ۱۷)۔

زبان و بیان کی خامیوں کو نظر انداز کر کے اس کتاب سے استفادہ کیا جا سکتا ہے۔

☆☆☆

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

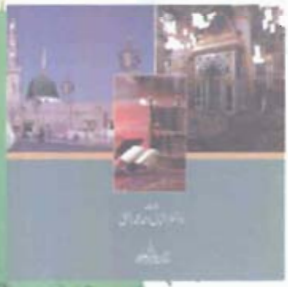

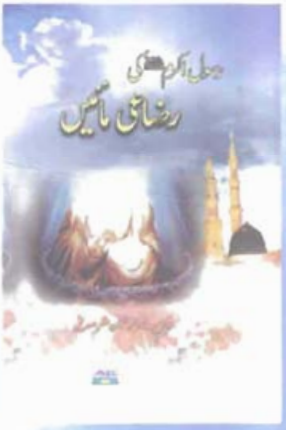

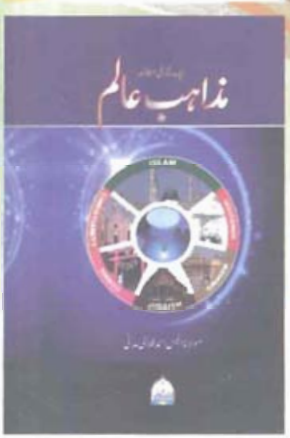

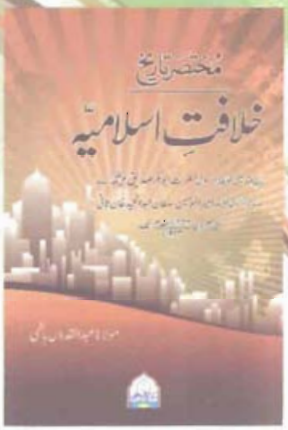

Designed by:
+92 321 840 1998

رحمان مارکیٹ ◎ غزنی سٹریٹ ◎ اردو بازار ◎ لاہور ◎ پاکستان
Ph: 042-37231119 , 0321-4021415
qasimulaloom@gmail.com